پرایا سفر
فرخندہ جالی

پرایا سفر

فرخندہ جالی

فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

انتساب

اقلیدس جالی، عمار جالی اور شمائلہ جالی
اپنے تینوں بچوں کے نام

طائر دل کے لئے غم شہپر پرواز ہے
راز ہے انسان کا دل، غم انکشاف راز ہے
اقبالؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

ڈاکٹر فرخندہ جالی نے اپنے "گرین کارڈ" میں اپنے قارئین کو خوشخبری سنائی تھی کہ ان کے اگلے سفرنامہ کا نام "کریڈٹ کارڈ" ہوگا اس کے منظرعام پر آنے کے بعد خیال تھا کہ ان کے سفرنامہ کا سفر مکمل ہوگیا ہے مگر "پرایا سفر" کا مسودہ دیکھ کر ان کے سفرنامہ کے سفر کا جاری رہنا تو ظاہر ہوتا ہی ہے یہ بھی منکشف ہوتا ہے کہ مصنفہ کا مشاہدہ اور تجربہ جتنا وسیع ہے اس کو بیان کرنے کا انداز بھی اتنا ہی منفرد ہے نہ واقعات کا مکرر بیان، نہ مشاہدات کی "ری پیٹشن" کا سامان سب کچھ مناسب کچھ اور جل۔

ڈاکٹر فرخندہ جالی کی اپنے بارے میں یہ رائے ہے کہ وہ مشکل لکھتیں ہیں اور آسان اس لئے نہیں لکھتیں کہ بقول ان کے "ادب کو پرائمری کلاس کے لئے تحریر کرنا ادب کی توہین ہے" میں ڈاکٹر فرخندہ کے اس نظریہ سے اختلاف کا حق محفوظ رکھتا ہوں مگر اسے استعمال نہیں کرتا کیونکہ ڈاکٹر صاحبہ خود اپنے مشاہدات و تجربات کو بیان کرتے وقت ایسے اختلافات میں نہیں الجھتیں ایسے تضادات کو غیر ضروری طور پر نہیں اچھالتیں۔ ایسے چھپے ہوئے معانی کے مطالب کو ہوا نہیں دیتیں جن کی تفہیم پر قاری اپنے مزاج۔ ذوق۔ تجربے اور مطالعے کی وسعت کے حوالے سے کر سکتا ہے وہ بہت ہی اچھوتے انداز میں بیان کرتی ہیں جس میں بے ساختگی بھی ہوتی ہے اور بیانیہ طرز نیچرل بھی لگتا ہے وہ اپنے قاری کی انگلی پکڑ کر ساتھ نہیں چلاتیں بلکہ وہ خود پوری آزاد روی سے گھومتا ہے البتہ وہ ڈاکٹر صاحبہ سے جدا ہونے کا رسک نہیں لیتا جہاں بات کو پرکھنے اور جانچنے کا مواقع بھی ہوں وہاں بھی وہ تحریر اور ابلاغ کی بالا دستی کو

قبول کر کے آگے نکل جاتا ہے اور اسے محدود تجربے میں اضافے کا نام دے لیتا ہے۔

ڈاکٹر فرخندہ جالی نے جس طرح امریکہ کے سماجی ڈھانچے کے روگ پڑھے ہیں ان کی معاشرتی بیماریوں کو دیکھا ہے اس پر گمان گذرتا ہے کہ انہیں افراد کے ساتھ ساتھ معاشرے کی بیماریوں کا بھی پورا ادراک ہے ان بیماریوں کی تشخیص کرنا جانتی ہیں اور اگر کوئی روبہ صحت ہونے کا خواہاں ہو تو ڈاکٹر صاحبہ شفایابی کا نسخہ بھی تحریر کر سکتی ہیں۔ عورتوں کی حقوق سلبی کا انتہائی اچھوتے انداز میں بیان ان کی باریک بنی۔ معاملہ فہمی اور تیز مشاہدے کا کھلا اعلان ہے اور یہ بیمار معاشرہ خود اعتمادی کا ماسک پہن کر ڈاکٹر صاحبہ کو دھوکا نہیں دے سکا ان کی عقابی نگاہیں اس ماسک کے پیچھے تک جھانکتی ہیں اور وہ اپنے قارئین کو بھی ہم نگاہ بنا لیتی ہیں اس لئے وہ بوڑھی عورتوں کے حقوق کے حوالے سے انسانی حقوق کی مضبوط آئیڈیالوجی کا صبح و شام پرچار کرنے والوں کے چہرے سے منافقت۔ ریا کاری اور دوغلے پن کا یہ ماسک پوری قوت سے نوچ کر ان کا اصلی چہرہ دکھا دیتی ہیں۔ مصنفہ کے اظہار کا قوی طاقتور اور سچا انداز اس مسئلے کی سنگینی اور مغرب کے آج کے امام امریکہ کے دوغلے پن کو جس طرح عیاں کرتا ہے اس پر "پرایا سفر" کے قارئین ایک ہی مرکز پر کھڑے نظر آئیں گے۔

ڈاکٹر فرخندہ جالی کا انداز اپنا ہے جو دوسروں کے لئے دل پذیر ہے وہ لفظوں کی جادوگری کو بھی اپنے سر چڑھ کر بولنے کی جسارت نہیں کرنے دیتیں اور نہ خود کو اس کے مقام و احترام سے کم یا زیادہ درجہ دینے پر آمادہ و تیار ہیں۔ بے تکلفانہ انداز اور بے ساختہ پن مجھے بہت ہی اچھا لگتا ہے اور یہ دونوں رویے اس سفرنامہ میں موجود ہیں۔ مصنفہ کا یہ کہنا کہ ادیب کو اپنے جذبے میں صادق اور اظہار میں ایماندار ہونا چاہیے صرف ان کا قول نہیں یہی ان کا فعل ہے اور وہ اپنے اس مقولے کی حرمت کو پوری طرح ملحوظ رکھ کر لکھتی ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مشاہدہ قلمبند کرنے میں زیادہ ذہانت اور علم کی ضرورت

نہیں پڑتی۔ میرے نزدیک یہ بیمار سوچ ہے اور میں نے اپنے دونوں سفرناموں "عجمی کا حج" اور "امریکہ میں نوے دن" میں اپنی خداداد ذہانت کو بڑی ذہانت اور احتیاط سے استعمال کیا اور عملاً محسوس کیا کہ مشاہدے کا بیان ذہانت اور علم کے بغیر نہ موثر ہوتا ہے نہ معتبر۔ ڈاکٹر فرخندہ کی تحریر دیکھ کر مجھے ایک گونہ طمانیت ہوئی کہ وہ بھی میری ہی سوچ اختیار کئے ہوئے ہیں یا میں ان کی سوچ کو اپنا چکا ہوں یا ہماری دونوں کی سوچ سانجھی ہے یا ہماری طرح سوچنے والے اور بہتیرے ہیں جن کو شاید ہم جانتے نہیں اس لئے مانتے نہیں مگر یہ ماننا پڑے گا کہ سفرنامے کو ادب میں جو نئی جیت اور نیا مقام ملا ہے اس میں ڈاکٹر فرخندہ جالی اپنے حصہ پر ناز کر سکتی ہیں۔ ان کا یہ سفرنامہ ایک تخلیقی صنف ادب ہے کیونکہ جو کچھ جلوے میں ہے اور جو کچھ پردے میں ہے اسے بھی مصنفہ اس فطری انداز میں بیان کرتی ہیں کہ پردے کے پیچھے بھی جلوہ ہی جلوہ نظر آتا ہے اس سے ان کی تحریر میں حسن آ جاتا ہے وہ نکھر جاتی ہے بلکہ پڑھنے والے کو بھی نکھار دیتی ہے۔ قائل کر کے چھوڑتی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر اے آر خالد شعبہ ابلاغیات پنجاب یونیورسٹی لاہور

(ڈاکٹر اے آر خالد)

فہرست

1- پرایا سفر	۱۹
2- خدائی خدمت گار	۱۲۷
3- چوہترویں (74) گلی جیکسن ہائٹس	۱۸۹
4- اک بنگلہ بنے نیارا	۲۰۵
5- رولر کوسٹر	۲۵۹

حرف اول

یہ کتاب محض پبلک کی ٹھوس انفارمیشن اور انٹرٹین منٹ کے لئے ہے۔ تمام کریکٹرز فرضی ہیں۔

لیڈیز کے تحائف

این ٹیک طرز زندگی

ویلنٹائن ڈے

پوش ویکیشن

کرسمس کے تحائف

مین ہیٹن کی سیر

این نیک

این نیک کا جنون
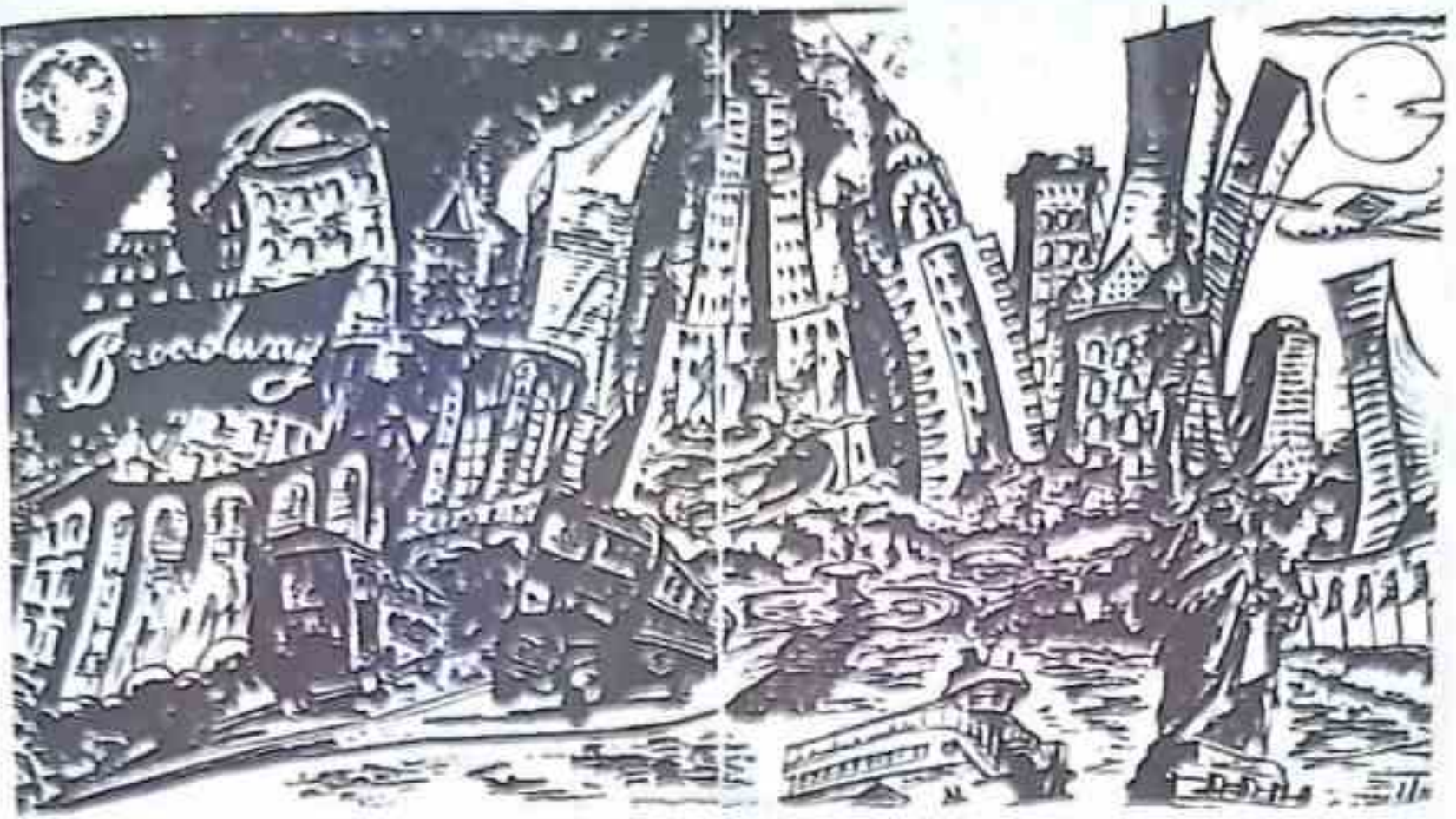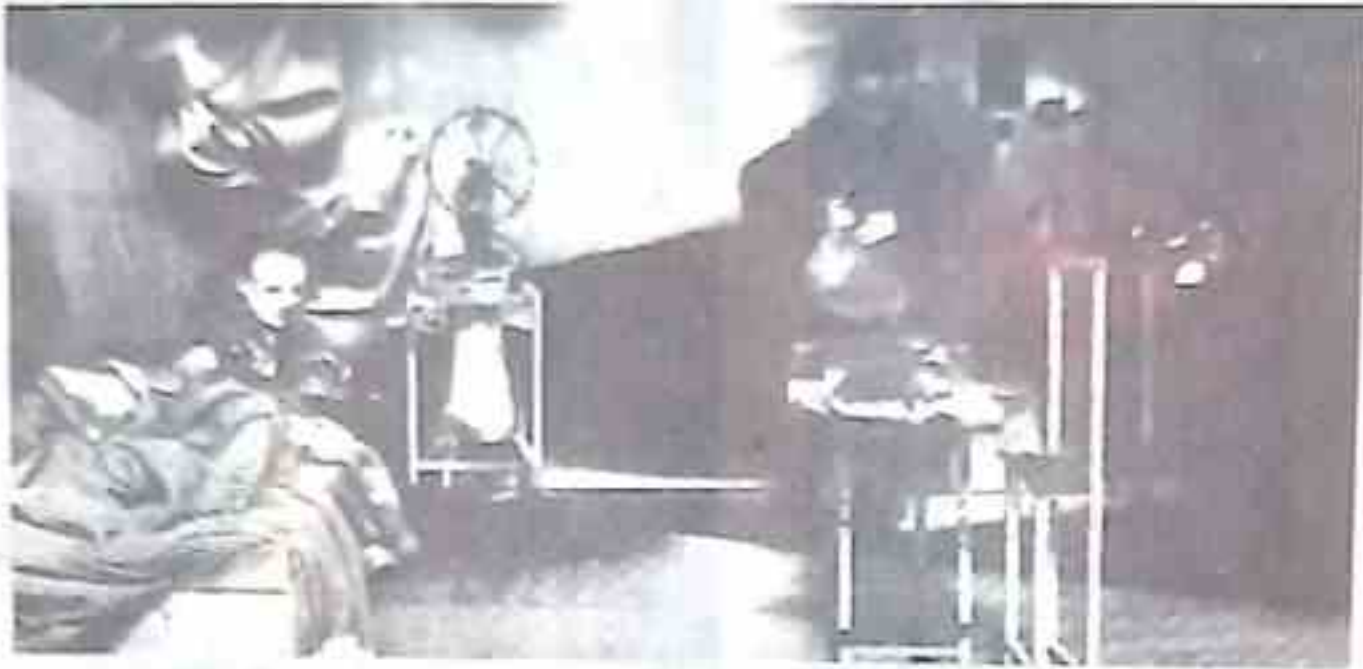
پرایا سفر

ظلم سہنا بھی تو ظالم کی حمایت ٹھہرا
خامشی بھی تو ہوئی پشت پناہی کی طرح
(پروین شاکر)

طویل اکتاہٹ، تنہائی، زندگی کے کھردرے پن اور ٹھونسی گئی محرومیوں سے پیدا ہونے والی فراریت، معمولات زندگی کی وہ گھٹا ٹوپ راہداری ہے کہ جس پر گامزن بالاخر اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہ جاتے ہیں۔ وہاں جہاں تصورات کے اندر ماہ تاباں کی چمک اور دور دراز پھیلے گھاس کے مرمریں سبزہ زار جھلکتے ضرور ہیں۔ مگر حقیقتاً فلک تار تار اور زمین خار خار۔

ان احساسات سے وہی بہرہ ور ہو سکتا ہے جو روحیل فیملی جیسے حادثات سے ہمکنار رہا ہو۔

شروعات کچھ یوں ہوتی ہیں کہ صبح صادق اسلام آباد ایئرپورٹ پر پہنچتے ہی ان کو اطلاع ملتی ہے کہ ان لوگوں کی امریکہ کے لئے سیٹیں کنفرم نہیں ہیں۔ گو یہ ٹکٹ تمام اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت بروقت یعنی کم از کم چھ ہفتے پیشتر لاہور کی ایک نامی گرامی ٹریول ایجنسی سے خریدے گئے تھے۔ ایجنسی کے مالک نے بنفس نفیس ان کو اس بات کی یقین دہانی کروائی کہ آپ کے خاندان کے تینوں حضرات مطلوبہ فلائٹ کے لئے کمپیوٹر میں انٹر ہو چکے ہیں یعنی کنفرم ہو چکے ہیں۔

امریکہ جانا حقیقتاً جی داروں کا کام ہے۔ اس لئے کہ بھاگ دوڑ اور تیاریوں

کے سلسلہ میں ایک معروف انسان کو جن صعوبتوں اور بیگار سے پالا پڑتا ہے۔ توبہ ہی بھلی۔ ادھر امریکن کونسلیٹ سے ویزا کے حصول کے پہاڑ کی چڑھائی الگ۔

جون، جولائی، اگست جیسے مہینوں کی دوپہروں اور سہ پہروں میں جب سارا عالم پڑا قیلولہ کر رہا ہو۔ امریکی سیاحت کی شوقین ان پاکستانی خواتین کو آپ روزمرہ درزیوں، دھوبیوں، کڑھائی سلائی و رنگ سازوں کے ہاں پھیرے لگاتے دیکھا کیجئے۔ لبرٹی، اچھرہ، انارکلی، مزنگ، کشمیری اور شاہ عالم مارکیٹ کے ان تھک چکر۔ کیونکہ امریکہ میں مقیم رشتہ داروں کی خوشنودی ہر پاکستانی سیاح کا فریضۂ اولین ہے۔ (صرف سیاحت کے دنوں میں)۔

کرنسی ایکسچینج کی خاطر بینکوں کے چکر الگ مرحلہ جات ہیں۔ گاہے بگاہے اپنی فلائٹ اور روانگی وغیرہ کی تاریخوں اور ٹائم کے بارے میں منتظر امریکی رشتہ داروں سے گفت و شنید بھی سیاحت کی تیاری کا ایک حصہ ٹھہرا۔

لاہور کے شدید گرم موسم اور کم وقت کے اندر طویل خرید و فروخت کے مراحل تھے۔ گاڑی و جائیداد کی فروخت، بینکوں کے معاملات وغیرہ۔ ان کا امریکہ میں طویل رہائش کا پروگرام تھا۔ ایک طویل بھاگ دوڑ، جدوجہد مسلسل ان کا روز مرہ کا وطیرہ بن چلا تھا۔

ہاں تو بات ہو رہی تھی۔ جہاز کی سیٹیں کنفرم نہ ہونے کی۔ بیگم زریں روحیل کو یقین نہ آ رہا تھا کہ اتنی مشہور و معروف کمپنی ان کو غچہ دے گئی۔ یعنی تین افراد سے اس قدر بھاری رقم بصورت کیش اور بروقت وصول کرنے کے باوجود، اور بار بار فون پر یقین دہانی، ٹریول ایجنسی کے بیسیوں چکر، ذلالت کی انتہا، غضب خدا کا، ان کی مطلوبہ فلائٹ کی سیٹیں کمپیوٹر کے ذریعے کنفرم کروانے کی زحمت سرے سے گوارا نہ کی گئی تھی۔ کیسا انوکھا طریقہ واردات، بالکل بھلے مانس، سمارٹ ایگزیکٹو انداز، تقریباً رسہ گیری، مسئلہ بلکہ بے چینی یہ تھی کہ اس وقت اسلام آباد کے ڈیپارچر کے باہر اپنے بھاری بھرکم سوٹ کیسوں سمیت کھلے برآمدے میں اژدھام کے درمیان وہ بالکل

دھک سے کھڑے تھے۔ مسز زریں روحیل ہمراہ انیس سالہ بیٹا سہیل روحیل اور سترہ سالہ بیٹی اینا روحیل۔

ان تینوں کے ہاتھوں میں حفاظت کے ساتھ تھمی نفیس نیلے پیلے ہرے لائنوں والی یہ کاپیاں یعنی برٹش ایئرویز کے ٹکٹ محض ٹریش کی پرچیاں تھیں۔

سوئے اتفاق اپنے ہم وطن بھائی بند مذکورہ ٹریول ایجنسی کے ستم رسیدہ کچھ اور خاندان بھی اسی ٹوٹی پھوٹی کیو کے اندر عالم بے یقینی میں فضول کھڑے اپنا ٹائم ضائع کر رہے تھے۔ ان کے چہروں پر کچھ اسی نوع کے تاثرات تھے۔ ماہ جون کی گرمی کے جوبن میں اسلام آباد کے لوکل عملہ نے برٹش ایئرویز کے مسافروں کے اوائل مدارج طے کرنے کا انتظام ان ہی برآمدوں میں کر رکھا تھا۔ جیسے چھڑوں کی بارات بیاباں میں جا اتری ہو۔ کنفرمڈ مسافر چند لمحے رجسٹر کے پاس آ رکتے اور چند منٹوں میں شان استغناء کے ساتھ لابی کی جانب مارچ کرتے دکھائی پڑتے۔ محروم مسافر موقع محل دیکھ کر بار بار رجسٹر پر دھاوا بول دیتے۔ جو ہاتھ ہلا ہلا کر ان کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے سمجھانے بجھانے کے لئے کوشاں دکھائی دیتا۔ کہ بندر کی بلا طویلے کے سر تھوپنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ یہ بلنڈر ان کے اپنے ٹریول ایجنٹ کا ہے۔ برٹش ایئرویز یا اسلام آباد ایئرپورٹ کے عملہ کی اس کے ساتھ مناسبت کیسی؟

حسن تدبیر کوئی چار پانچ گھنٹے کے قیامت خیز ہلے گلے کے بعد عملہ نے دبی زبان سے اعلان کیا کہ اس نوع کے تمام مسافروں کو ہنگامی طور پر ویٹنگ لسٹ پر دھر دیا گیا ہے۔ اور چونکہ خوش قسمتی سے اس فلائٹ کے زیادہ تر مسافر یو این او سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنی فلائٹ کے پروگرام کے اندر رد و بدل کرنا ان کے رواج میں شامل ہے۔ اس لئے امید کی جا سکتی ہے کہ آپ کی دعائیں اور دہائیاں رنگ لائیں گی۔ وہ عادت کے مطابق اپنی اپنی ریزویشن کینسل کروائیں گے۔ اور آپ میں سے زیادہ تر مسافر بوجہ بورڈنگ کارڈ حاصل کرنے پر قادر ہو جائیں گے۔ اب اس ویٹنگ لسٹ کا دار و مدار بھی اتفاق یا قسمت پر تھا۔ جو افراد کیو میں سامنے کھڑے تھے۔ ان کی باری

پہلے آئی۔ لہٰذا ان کو باسرعت اندر بھجوا دیا گیا۔ پیچھے رہ جانے والوں کا رب جانے کیا بنا ہو گا۔

خیر روحیل خاندان کے تینوں افراد تھکے ماندے "چیک ان" ہو گئے۔ بمعہ اپنے بھاری بھر کم پانچ سوٹ کیس اور لاتعداد ٹریول بیگ۔ جب سیکنر سے گزر کر وہ آرام دہ ویٹنگ ہال کے اندر داخل ہوئے تو اولیں ایسا محسوس ہوا۔ جیسے چاند پر جا قدم پڑے ہوں۔ مگر بوریت کا کچھ اور سامان ابھی بقیہ تھا۔ جب یہ خبر ملی کہ برٹش ایئرویز عادت کے مطابق مزید چار گھنٹے لیٹ ہے۔ خیر یہ وقت تو جوں توں کر کے نکل گیا۔ آخرکار جہاز کے اندر داخل ہوئے تو گوری ایئرہوسٹس نے مسکراتے ہوئے ان کا خیرمقدم کیا۔ اور مژدہ سنایا کہ لندن تک بیٹھنے کے لئے ان کو درمیانہ قطاروں کے آخری سرے پر سیٹیں ضرور ملیں گی۔ مگر یہ تینوں یکجا سیٹیں سموکنگ کرنے والے حضرات کو مفت عنایت ہوا کرتی ہیں۔ جو دوران سفرباری باری اور وقفہ سے وہاں بیٹھ کر سموکنگ فرما سکتے ہیں۔ ون بائے ون۔ یعنی ان کے بورڈنگ کارڈ کے اندر مسلسل دوسروں کے سگریٹ کے مرغولے کے اندر سلگتے رہنے کا اندراج تھا۔ چلیں جی تمام مسافر اپنی اپنی سیٹوں کے اندر جم کر بیٹھ رہے۔ اس کے بعد جانے کیا ہوا کہ مسافروں نے کئی مرتبہ سیٹ بیلٹ باندھیں اور کھولیں۔ جہاز رن وے پر گویا جامد تھا۔ اعلان ہوا فنی خرابی۔ اور کافی تاخیر کے بعد یہ فنی خرابی ٹھیک ہو رہی ہے۔ جہاز چلنے سے معذور ہے۔ پچھلی تاخیر معاف فرمائیں۔ ابھی مزید صرف دو گھنٹے زحمت گوارا کیجئے۔

زریں کا پہلے بھی تین چار مرتبہ چند سالوں کے وقفہ سے امریکہ آنا جانا رہتا تھا۔ مگر منزل مقصود تک پہنچنے کی خاطر پہلے کبھی اس نوع کی فرسٹریشن کا سامنا کرنا نہ پڑا تھا۔ ایک تو تھکاوٹ، اپ سیٹ اوپر سے سگریٹ نوشو ں کے اس قانونی دھواں کا گہرا دبیز کسیلا غبار۔ وہ عاجز آ کر تمام رستہ بے سدھ پڑی سوتی رہی۔ یہ ایک حساب سے بہتر تھا۔ ورنہ یہ سوختۂ جاں سفر کاٹنا دوبھر ہو جاتا۔ جہاز چونکہ مجموعی طور پر چھ-سات گھنٹے لیٹ تھا۔ اس لئے لندن ایئرپورٹ پر پہنچ کر ایک اور مژدہ جاں فزا سننا پڑا۔ کہ

چونکہ ان کا ٹکٹ لاہور کے ایجنٹ نے کنکٹنگ فلائٹ کے واسطے تیار کروایا تھا۔ لہذا برٹش ایئرویز کے اس بے طرح لیٹ ہونے کے نتیجہ میں ان کی کنکٹنگ فلائٹ عرصہ ہوا مس ہو چکی۔ اس پر طرہ یہ کہ مذکورہ ایجنٹ نے اپنی آسانی' دھاندلی یا لاعلمی کی بنا پر بجائے ہیتھرو ایئرپورٹ جدھر وہ اس لمحہ لینڈ ہوئے تھے۔ ان کی کنکٹنگ فلائٹ گٹ وک ایئرپورٹ کے لئے اندراج کر رکھی تھی۔ یہ ایئرپورٹ ہیتھرو ایئرپورٹ سے ڈیڑھ گھنٹہ اوپر فاصلہ پر واقع ہے۔ خدا بھلا کرے برٹش ایئرویز کے گراؤنڈ عملہ کا۔ سوٹ بوٹ پہنے کوٹ کے کالر میں تازہ سرخ پھول اور چہرہ پر معاونت کی مسکان سجائے وہ تمام متاثرہ مسافروں کے آگے پیچھے بھاگے پھرتے مدد کے لئے بالکل چاک و چوبند' لیٹ ہونے کے اس لفڑے میں ان تینوں کی اگلی غیریقینی ریزویشن کو اس عملہ نے منٹوں میں کمپیوٹر کے اندر او کے کر دیا۔ بلکہ رات ٹھہرنے کے لئے قریبی تھری سٹار ہوٹل کے اندر ریزرویشن برائے طعام و قیام بالکل فری۔ یہاں تک تو ٹھیک تھا۔ مگر ہیتھرو ایئرپورٹ سے باہر قدم دھرنے کے لئے آپ کو ویزا اور آپ کے کس کر باندھے گئے ٹھنسے ٹھسائے سفری چھوٹے بڑے کوئی درجن بھر بیگج کو لندن کسٹم کی ادھیڑ بن سے گزرنا پڑتا۔ بالکل بے مقصد۔ کیونکہ اس سفر کے دوران ان کا لندن اترنے کا کوئی پروگرام قطعی نہ تھا۔ خیر اس کارروائی پر مزید کئی گھنٹے ضائع ہوئے۔ کنجوس ہیتھرو امیگریشن سروس نے ان کو بمشکل تمام چوبیس گھنٹوں کا ویزا عطا کیا۔ تاکہ وہ رات آرام سے اپنے ہوٹل میں سوئیں اور صبح گٹ وک پہنچنے کے لئے اس ویزا کے ذریعہ لندن کی مضافاتی سڑکیں ناپ لیں۔

لندن ایئرپورٹ پر خاصے بھلے مانس قلی مزدور پائے جاتے ہیں۔ مگر اس سے زریں کو کہیں دکھائی نہ دیئے۔ ٹرالیوں کے ذریعہ سامان کو گھسیٹ کر ایئرپورٹ سے باہر لاتے ہوئے تینوں ادھ موئے ہو چلے تھے۔ باہر کا سماں ہی نرالا تھا۔

وہ لندن کی حسین گرمائی شام تھی۔ آسمان کہیں کہیں ابر آلود اور کہیں کہیں شفاف نیلگوں تھا۔ افق میں شفق کے رنگوں کا رنگین نکھار ابھی باقی تھا۔

"لندن کے موسم گرما میں شب دس بجے تک سرمگیں شام کا اجالا رہتا ہے"۔ اس نے بچوں کو انفارمیشن دی۔ جو کچھ کچھ بیزار ہو چلے تھے۔ اور جلد از جلد ہوٹل پہنچ کر آرام کرنا چاہتے تھے۔ ان کا ہوٹل سامنے دکھائی دے رہا تھا۔ مگر حقیقت میں فاصلہ کافی تھا۔ کوچ کے بغیر وہاں تک پہنچنا ممکن نہ تھا اور پھر سامان۔ وہ ہوٹل کی لابی کے اندر داخل ہوئے تو تمامتر تھکاوٹ یکدم دور ہو گئی۔ بے حد آرام دہ۔ کوزی۔ صاف ستھرا۔ ریزارٹ ہوٹل تھا۔ لابی میں دھرے مرمریں صوفوں میں تینوں دھنس کے بیٹھ رہے۔ زریں پر اچانک ایسا خوش آگیں لمحہ وارد ہوا کہ مٹھی میں دبائی تمام چینج اس نے ٹپ وصول پانے کی آس میں کھڑے بتیسی دکھاتے لمبے تڑنگے انگریز کوچ ڈرائیور کے ہاتھ پر انڈیل دی۔ وہ سکے گنتا پلٹ پلٹ عجیب نظروں سے اسے دیکھتا لابی سے باہر نکل گیا۔

"کیسا لالچی تھا۔ یہ گورا مردود۔ ٹپ دی ہے۔ تھوڑی تھی۔ تو پھر کیا ہوا۔ اس کا قرضہ تو نہیں چکانا تھا ہم نے"۔ زریں نے شکایتاً" بچوں کو ادھر متوجہ کیا۔

"کیا کہا؟ وہ تمام سکے آپ نے کوچ ڈرائیور کو بطور ٹپ دے ڈالے۔ جو میں نے رستہ میں سہولت کی خاطر آپ کی مٹھی میں تھمائے تھے!"

"ہاں۔ مگر وہ حرام خور خوش دکھائی نہیں پڑا۔ جاتے ہوئے مڑ مڑ کر غصے سے گھورے جا رہا تھا۔ بدنیت کہیں کا"۔

"غصہ سے نہیں مما۔ حیرت سے"۔ بیٹا پھٹ پڑا۔ "کل دس عدد سکے تھے۔ ہر سکہ ایک پونڈ تقریباً دو ڈالرز کے برابر۔ آپ نے اسے یکلخت دس پونڈ ٹپ دے دی"۔

"مما سمجھی ہوں گی اٹھنی چونیاں ہیں"۔ اینا نے لقمہ دیا۔

ہوٹل کے ملازمین نے تمام سامان ان کے ریزرو سوئیٹ کے اندر قرینہ کے ساتھ لگا دیا۔ ان کی تمام کوفت گویا غائب ہو چکی تھی۔ انہیں خوبصورت ڈبل روم ملا۔ جس میں ہر طرح کی سہولت اور لگژری موجود تھی۔ چھبیس انچ ٹی وی۔ وی سی آر۔

فون۔ الارم کلاک۔ سموک الارم۔ سیکورٹی سروس سسٹم۔

روم آرڈر پر گرما گرم ڈنر کمرے کے اندر پہنچا دیا گیا۔ بچوں اینا اور سہیل کو بیک ہوم دوران سفر کبھی اس جیسے پرسٹیج ہوٹل میں قیام کا موقع کہاں ملا ہو گا۔ بیگم زریں روحیل نے اصرار کیا کہ ڈنر کے بعد ٹیکسی کیب منگوا کر لندن سٹی کی سیر کی جائے گی۔ شاید دوبارہ ان کو لندن آنے کا موقع جلد یا بدیر میسر آئے کہ نہیں۔ مگر بچے نہال تھے۔ وہ ٹی وی کے آگے جم کر بیٹھ گئے اور انہماک کے ساتھ یورپین بورنگ پروگرام دیکھا گئے۔ (اس زمانے میں پاکستان میں "ڈش انٹینا" کا غلغلہ نہ تھا۔)

بیگم زریں روحیل نے نیویارک میں مقیم چشم براہ رشتہ داروں کو اپنی لیٹ آمد اور فلائٹ وغیرہ کی اطلاع اسی کمرے سے پہنچائی۔ ابھی وہ ہوٹل آپریٹر کو ٹیلی فون نمبر ڈکٹیٹ کروا رہی تھی کہ آخری نمبر زبان سے ادا ہوتے ہی نیویارک اس کی چھوٹی بہن کے گھر فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ لندن فون کی اس ترت سروس کا یہ انداز زریں کے لئے تھرلنگ تھا۔

وہ شاور لے کر واپس بیڈ پر آئی تو فون کی گھنٹی بجی۔ ہوٹل مینجر نے صبح ناشتہ کے لئے انٹرنیشنل بریک فاسٹ لابی کے اندر ان کی ٹیبل کی ریزرویشن کر رکھی تھی۔ زریں نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فون کریڈل پر رکھا۔ اچانک ان کو خیال آیا کہ ان کے چند قریبی رشتہ دار لندن میں موجود ہیں۔ جن کو ان کی آمد کی کوئی اطلاع نہیں ہے۔ پار سالوں میں دو تین مرتبہ وہ لندن کے مختلف ٹاؤن میں باری باری سرمائی تعطیلات کے سلسلہ میں مختصر قیام پر ان کی مہمان رہی تھی۔ اور آج سوئے اتفاق بچوں سمیت وہ ادھر موجود ہے۔ پورے چوبیس گھنٹوں کا ان کے پاس ویزا موجد ہے۔ سونے کو عمر پڑی ہے۔ اگر فون پر ان کو یہ سرپرائز دیا جائے تو یقیناً وہ لوگ ملاقات کے لئے یہاں پہنچ سکتے ہیں۔ مگر کیا سپیل کی جائے۔ بچوں کو تو اس وقت ماسوائے ٹی وی، کچھ درکار نہیں۔ کم از کم فون پر ان کی خیر خیریت ہی دریافت کر لی جائے۔ نہیں نہیں۔ ہماری آمد کی اطلاع پا کر وہ یقیناً رات کے اس سمے دوڑے چلے آئیں گے۔

بمعہ خاندان۔ برا بھی کیا ہے۔ لطف رہے گا۔ رت جگے کا سامان ہو جائے گا۔ رونق رہے گی۔ صبح ایئرپورٹ کے لئے وہی لوگ ہمیں پہنچا آئیں گے۔ مگر ان کے افراد۔ قریباً پانچ عدد ان کی خواتین۔ تین یا چار بچے۔ چار یا پانچ مرد۔ کل ملا کر تیرہ اور تین ہم لوگ۔ یہ قافلہ ان کی دو عدد گاڑیوں کے اندر کہاں سما پائے گا۔ اور پھر ہمارا مال و اسباب۔ پناہ رب ذوالجلال۔ اتنے لمبے سفر کے لئے اس قدر سامان ڈھونے کی تک۔ کیا امریکہ کے اندر کچھ ملتا نہیں ہے؟ مگر یہ تمام اشیاء قیمتی ہیں۔ کلچرل۔ ایسے شاندار لباس امریکہ کے کون سے سٹوروں سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ کامدار۔ مرصع کار۔ طلائی و نقرئی۔ جامدانی و کارچوبی۔ مگر کہیں یہ حماقت تو نہ تھی۔ اپنا یہ درجنوں بھاری بھرکم لباس امریکہ میں کہاں پہنتی پھرے گی؟

وہ ذہن میں کپڑوں اور جوتوں کی لسٹ بناتے بناتے معلوم نہیں کب نیند سے ہمکنار ہو چلی۔ صبح آنکھ کھلی تو بچوں سے حیرت کے ساتھ استفسار کیا۔

"رشتہ دار پہنچ نہیں پائے؟"

"کون رشتہ دار مما؟"

"بے مروتو! تمہارے ماموں، ممانی، چچا، چچی، پوپھی، کزن وغیرہ"۔

"آپ نے ان کو اطلاع کہاں دی ہے؟"

"اوہو۔ ہاں شاید۔ یہ پروگرام بھی رات جیٹ لیگ ہی کی نظر ہو گیا"۔

دونوں بچے کھلکھلا کر ہنس دیئے۔ اور ہوٹل کی بریک فاسٹ انٹرنیشنل لابی کی جانب چل دیئے۔

تقریباً ہر ملک کے باشندوں کے لئے انواع و اقسام ناشتہ پہلے سے پروس دیا گیا تھا۔ سیلف سروس لیں اور اپنی ٹیبل پر آرام کے ساتھ بیٹھ کر تناول کریں۔ یورپین ناشتہ ان کو بھا گیا۔ ڈائننگ ہال سیاحوں سے پیک تھا۔ ہر ملک و قوم و نسل کے باغ و بہار خوش باش لوگ۔ جیسے سیاحت کے علاوہ دنیا میں ان کا کوئی دوسرا کام نہ تھا۔ یہ ٹولے ماحول سے بے نیاز آپس میں خوش گپیوں میں مشغول تھے۔

ناشتہ کے بعد ماں اور بچے ذرا چہل قدمی کی خاطر قریبی فارمز کی جانب نکل کھڑے ہوئے۔ جدھر گائیں اور بھینسیں حد نگاہ پھیلی لش گرین چراگاہوں پر نہال پھر رہی تھیں۔ چلتے چلتے وہ کسی فارم کے لکڑی کے جنگلے کے ساتھ ذرا ٹک کر اندر کا منظر دیکھنے لگتے۔ فضا کی مہک۔ شفتالوی۔ جامنی۔ گلابی۔ اودے رنگوں کے خودرو پھولوں کے جا بجا جتھے۔ خوبصورت صاف ستھرے صحت مند جانوروں کے ریوڑ۔ رنگین چہچہاتے پرندے۔ دہیر۔ شاما۔ قمری۔ ھریل۔ کوکلا۔ قاز۔ قرقرے۔ بطخیں۔ ٹرکی۔ ہدہدے۔ بلقار اور کہیں کہیں راج ہنس۔ ان کی مستانہ کوکیں۔ اس حصہء زمین پر قدرت کل مختار تھی۔ زریں مبہوت سی کافی آگے کو نکل آئی۔ بیٹا۔ بیٹی درختوں کی چھاؤں سے نکھرتی دھوپ کی صبیح کرنوں میں لطف اندوز ہو رہے تھے۔ انہوں نے فاصلہ سے آواز دے کر اسے چونکا دیا۔ یہ کہ کنکٹنگ فلائٹ پکڑنے کی خاطر ان کو ایئرپورٹ کی جانب بلا تاخیر روانہ ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ کوچ پر سامان کی لوڈنگ۔ اگلی کوچ کے انتظار اور ایئرپورٹ تک پہنچنے کے لئے ان کو کئی گھنٹے درکار ہیں۔ اس کے علاوہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے "چیک ان" ہونا بھی رول ہے۔

ایئرپورٹ کے لئے خصوصی کوچ میں سوار ہوئے۔ معلوم ہوا کہ اندازہ سے کہیں زیادہ مسافت کے بعد ایئرپورٹ کے اندر بھی کافی وقت درکار تھا۔ ایئرپورٹ ایک ٹاؤن کی مانند وسیع و عریض تھا۔ جلدبازی میں غلط گیٹ پر اتر پڑے۔ لہٰذا وقت کی کمی۔ فلائیٹ کے چھوٹے جانے کا خوف۔ اوپر سے جائے مقام کی لاعلمی۔ قلی مزدور ندارد۔ وہ بھاری بھر کم اسباب ٹرالیوں کے ذریعہ گھسیٹتے بری طرح الجھے ایک سے دوسرا ایلی ویٹر (لفٹ) طے کرتے گئے۔ بچے ماں کو مورد الزام ٹھہرا رہے تھے کہ ان کی چہل قدمی کے شوق نے اچھا خاصا وافر وقت ہاتھ سے گنوا دیا۔ جس خاص الخاص کوچ نے ان کو مطلوبہ گیٹ پر پہنچانا تھا۔ وہ غائب۔ زیادہ دیر انتظار کا رسک لے نہ سکتے تھے۔ قریبی بوتھ سے ٹیکسی کے لئے فون کیا۔ تو معلوم ہوا کہ بیس منٹ کے بعد آئے گی۔ کہ تمام ان کی کیب مصروف ہیں۔ رب بھلا کرے ایک دوسرے نمبر کی ایئربس

نے ان کو شاپ پر پریشان حال دیکھا۔ تو کوچ روک کر ان کو بیٹھنے کی آفر کی۔ کیونکہ اس کوچ کو بھی ان کے مطلوبہ گیٹ کے سامنے سے گزرنا تھا۔ یہ "ڈراپ ان" اور "ڈراپ آؤٹ" ہونا ایسا سہل نہ تھا۔ کوچ کی دوسری نک چڑھی سواریاں الگ چیں بہ جبیں تھیں۔ نہایت عجلت میں منوں بھاری سوٹ کیس بیچارے نازوں کے پلے نوجوان بیٹے نے اٹھا کر کوچ کے پہلے سے پیک شدہ اور وسیع ٹرنک کے اندر معلوم نہیں کیونکر ٹھنسائے۔ کیونکہ دونوں خواتین اس قدر چور چور کہ اگر اس باسرعت لوڈنگ میں ہاتھ بٹانے کی کوشش بھی کرتیں تو شاید بے ہوش ہو جاتیں۔ بیٹے کو اس کا بخوبی احساس تھا۔ اس لئے بگڑی ٹون میں ان کو ہدایت کی۔ کہ ہلکے پھلکے ٹریول بیگ وہ تھام کر جلدی سے کوچ کے اندر سوار ہو جائیں۔ باقی وہ خود ہی سنبھال لے گا۔

کوچ روانہ ہوئی۔ ان کا اندازہ درست نکلا۔ ایئرپورٹ کے اندر موجود ہونے کے باوجود کافی مسافت بقیہ تھی۔ معجزہ تھا۔ وہ اپنی کنکٹنگ فلائٹ کے "چیک ان" ڈسک تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ زریں دل ہی دل میں ورد کر رہی تھی کہ یہ فلائٹ لیٹ ہو جائے۔ واقعی فلائٹ نصف گھنٹہ لیٹ تھی۔ ورنہ ان کے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔

"ہماری ان غیرضروری کلفتوں کی ذمہ داری اس پاکستانی ایجنٹ پر عائد ہوتی ہے۔ جس نے ہماری کنکٹنگ فلائٹ کو دو شہروں کا فاصلہ دے ڈالا۔ ایک سے دوسرے ایئرپورٹ کی مسافت کی خاطر بے فائدہ ہمیں لندن کا ویزا لینا پڑا۔ کبھی دوبارہ لاہور جانا نصیب ہوا تو کھری کھری سناؤں گا۔ اس کے تمام رسہ گیر عملہ کو"۔ بیٹے نے پھولی سانس کے ساتھ اپنا غصہ وا کیا۔ اینا بھائی کے اس غصیلے انداز پر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہونے لگی۔

نیویارک کینیڈی ایئرپورٹ پر کسٹم سے گزرنے کے بعد جب وہ تینوں باہر آرائیول لابی پر آئے۔ تو حسب امید ان کے رشتہ داروں اور اپنوں کا جمگھٹا کھلی پیشانیوں اور مسکراتے چہروں کے ساتھ انہیں خوش آمدید کہنے کے لئے گھنٹوں سے

منتظر تھا۔ اس لمحہ شاید ہر تارک الوطن کو یہی محسوس ہوتا ہو گا کہ سارا امریکہ اپنا ہے۔ اور یہ بھی کہ چاہنے والے رشتہ دار برسہا برس ادھر امریکہ کے اندر بے چین بیٹھے فقط ان ہی کی راہ تک رہے تھے۔ وی آئی پی کی مانند وہ ان کے گرم جوش حصار میں ایگزٹ کی جانب روانہ ہوئے۔ قیمتی ذاتی کیمرے۔ ہائی سپیڈ آٹوفوکس زوم کیمرے۔ ان کی تصاویر فلیش کرنے میں مصروف۔ اب کے ان کو خبر تک نہ ہوئی کہ کب اور کس وقت ہلکا بھاری سامان رشتہ داروں کے ہمراہ لائی گاڑیوں کے ٹرنکوں میں "لوڈ ان" ہو چکا۔ ہر ایک کی کوشش تھی کہ پاکستان سے آنے والے مہمان ان کی گاڑی میں بیٹھیں۔ خلوص اور پذیرائی کی اس فضا میں انہیں ایسا لگا۔ جیسے وہ دوبارہ پاکستان جا پہنچے ہوں۔ زریں کی چھوٹی بہن گلناز کے نادر شاہی آرڈر پر کہ مہمان اس کی گاڑی میں بیٹھیں گے۔ سب کو چپ لگ گئی۔ پروگرام کے مطابق بقیہ گاڑیاں گلناز کے گھر الگ الگ روانہ ہونے لگیں۔ مہمان اس کی مرسیڈیز میں سوار ہوئے۔

گلناز اور زریں کی والدہ امریکی شہریت رکھتیں اور بیٹے واجد کے ہمراہ نیوجرسی میں مقیم تھیں۔ اس موقع پر وہ سب کے ہمراہ ایئرپورٹ پر انہیں "جی آیاں نوں" کہنے آئی تھیں۔ لہٰذا زریں کی فرمائش پر وہ اسی گاڑی کے اندر سوار ہوئیں۔

کینیڈی ایئرپورٹ سے گلناز کے گھر کا سفر کوئی گھنٹہ بھر کا ہو گا۔ ادھر ادھر کی گپ شپ شروع ہوئی۔ زریں کوشاں تھی۔ یہ باتیں گھاتیں گھر پہنچنے پر ہونا چاہیں۔ فی الحال اس کی تنک مزاج بہن کو رسان کے ساتھ گاڑی ڈرائیو کرنے کا موقع دیا جائے۔ مگر بچے چونکہ بہت عرصہ بعد اپنی خالہ سے ملے تھے۔ اور بے حد ایکسائیٹڈ تھے۔ اس لئے ترت دانی کے جوش میں ماسی کے نت رنگ بدلتے ٹمپرامنٹ کو فراموش کر بیٹھے۔ زریں البتہ اگلی سیٹ پر کچھ سکڑی سی بیٹھی تھی۔ مبادا کہ بسم اللہ کے ساتھ ہی بدمزگی کا آغاز نہ ہو۔ مگر ہوا وہی جو اس کی چھٹی حس بتا رہی تھی۔ گلناز جس کا گھر دو روز سے مہمانوں کی آماجگاہ بن رہا تھا۔ پہلے ہی اس کے اوسان خطا تھے۔ نخریلے میاں کے چھل بل۔ ننھی سی بچی کے فرائض کے علاوہ ان سب کی خاطر و مدارت کے

منتظر تھا۔ اس لمحہ شاید ہر تارک الوطن کو یہی محسوس ہوتا ہوگا کہ سارا امریکہ اپنا ہے۔ اور یہ بھی کہ چاہنے والے رشتہ دار برسا برس ادھر امریکہ کے اندر بے چین بیٹھے فقط ان ہی کی راہ تک رہے تھے۔ وی آئی پی کی مانند وہ ان کے گرم جوش حصار میں ایگزٹ کی جانب روانہ ہوئے۔ قیمتی ذاتی کیمرے۔ ہائی سپیڈ آٹوفوکس زوم کیمرے۔ ان کی تصاویرِ فلیش کرنے میں مصروف۔ اب کے ان کو خبر تک نہ ہوئی کہ کب اور کس وقت ہلکا بھاری سامان رشتہ داروں کے ہمراہ لائی گاڑیوں کے ٹرنکوں میں "لوڈ ان" ہو چکا۔ ہر ایک کی کوشش تھی کہ پاکستان سے آنے والے مہمان ان کی گاڑی میں بیٹھیں۔ خلوص اور پذیرائی کی اس فضا میں انہیں ایسا لگا۔ جیسے وہ دوبارہ پاکستان جا پہنچے ہوں۔ زریں کی چھوٹی بہن گلناز کے نادر شاہی آرڈر پر کہ مہمان اس کی گاڑی میں بیٹھیں گے۔ سب کو چپ لگ گئی۔ پروگرام کے مطابق بقیہ گاڑیاں گلناز کے گھر الگ الگ روانہ ہونے لگیں۔ مہمان اس کی مرسیڈیز میں سوار ہوئے۔

گلناز اور زریں کی والدہ امریکی شہریت رکھتیں اور بیٹے واجد کے ہمراہ نیوجرسی میں مقیم تھیں۔ اس موقع پر وہ سب کے ہمراہ ایئرپورٹ پر انہیں "جی آیاں نوں" کہنے آئی تھیں۔ لہٰذا زریں کی فرمائش پر وہ اسی گاڑی کے اندر سوار ہوئیں۔

کینیڈی ایئرپورٹ سے گلناز کے گھر کا سفر کوئی گھنٹہ بھر کا ہوگا۔ ادھر ادھر کی گپ شپ شروع ہوئی۔ زریں کوشاں تھی۔ یہ باتیں گھاتیں گھر پہنچنے پر ہونا چاہئیں۔ فی الحال اس کی تنک مزاج بہن کو رسان کے ساتھ گاڑی ڈرائیو کرنے کا موقع دیا جائے۔ مگر بچے چونکہ بہت عرصہ بعد اپنی خالہ سے ملے تھے۔ اور بے حد ایکسائیٹڈ تھے۔ اس لئے ترت دانی کے جوش میں ماسی کے نت رنگ بدلتے ٹمپرامنٹ کو فراموش کر بیٹھے۔ زریں البتہ اگلی سیٹ پر کچھ سکڑی سی بیٹھی تھی۔ مبادا کہ بسم اللہ کے ساتھ ہی بدمزگی کا آغاز نہ ہو۔ مگر ہوا وہی جو اس کی چھٹی حس بتا رہی تھی۔ گلناز جس کا گھر دو روز سے مہمانوں کی آماجگاہ بن رہا تھا۔ پہلے ہی اس کے اوسان خطا تھے۔ نخریلے میاں کے چھل بل۔ ننھی سی بچی کے فرائض کے علاوہ ان سب کی خاطر و مدارت کے

لئے خواہ مخواہ اور ضرورت سے زیادہ شاپنگ۔ گروسری۔ پکانا۔ ریندھنا۔ ان سب باتوں نے پہلے ہی سے اس کے اوسان خطا کر رکھے ہوں گے۔ اور اب ایئرپورٹ سے رشتہ داروں کے جھرمٹ کے ہمراہ نئے آنے والوں کو ریسیو کرنے کے لئے گھنٹوں آرائیول لابی پر کھڑے کھڑے انتظار کی زحمت۔ پھر باتیں۔ باتیں اور ساتھ میں ڈرائیور کرنا۔ اس تمام سلسلہ نے اس کو سخت اعصابی کھچاوٹ میں ڈال رکھا ہو گا۔ اور پھر لاڈلے بھانجے بھانجی کے ساتھ گپ شپ میں وہ کچھ اس طرح منہمک ہوئی کہ کئی ایک ایگزٹ بھول کر بالکل ہی راہ گم کر بیٹھی۔ مزاج کا پارہ چڑھنے لگا۔ شاید وہ اندر ہی اندر اس کیفیت کو دبانے کی کوشش میں مصروف تھی۔ ضعیف والدہ جو "مومًا" اونچا سنتی ہیں۔ پشت کی سیٹ پر آرام سے بیٹھی۔ اس تمام سراسیمگی کے عالم سے بے نیاز۔ بے بہرہ۔ بچوں کے ساتھ پہلیں کر رہی تھیں۔ سرخ لائٹ پر گاڑی رکی۔ تو برابر کی لین میں ایک بیوک آن ٹھہری۔ غیرارادی طور پر یکساں سب کی نظریں ادھر پڑیں۔ گاڑی کے اندر بلیک امریکن خواتین سوار تھیں۔ ڈرائیور سمیت سبھی نے راہبانہ انداز میں سرلپیٹ رکھے تھے۔ شاید پوری لمبائی کے لبادے پہن رکھے ہوں۔

"یہ بلیک امریکن مسلم خواتین ہیں"۔ ماں جی نے پشت کی سیٹ پر بڑے تاپی کے ساتھ اچک کر زریں کو اطلاع دی۔ "دیکھو بیٹی! امریکہ جیسے آزاد ملک کی جنی پلی پڑھی مگر باپردہ۔ سبحان اللہ! اسلام کی امین دار یہ صحیح مسلم خواتین"۔

ان کے ان الفاظ کو گلناز نے شاید ذاتیات گردانا ہو گا۔ جلتی پر تیل کا کام ہو گیا۔ اتنی دیر سے وہ جو رستہ بھول جانے کا غصہ چھپا رہی تھی۔ وہ بھڑک اٹھا۔ مروت دھری کی دھری رہ گئی۔ اپنی پرانی سرشت کے مطابق والدہ کے ساتھ بحث پر اتر آئی۔

"یہ بلیک امریکن عورتیں۔ مائی فٹ! آپ انہیں کیا جانیں۔ ان کی ظاہری پردہ پوشی پر مت جایئے۔ یہ ڈھکوسلہ محض گوریوں کو چڑانے کی خاطر ہے۔ اصلیت میں یہ سب کی سب دنیا کی ہر قوم و نسل کے خلاف متعصب۔ فینٹکس جاہل اور ہرزہ سرا

ہیں"۔

اس نوع کے مکالے دونوں ماں بیٹی کے درمیان متعدد بار ایکسچینج ہوا کرتے تھے۔ مگر ہر مرتبہ والدہ کے لئے ناممکن ہوتا کہ کسی مسلمان کی شان میں کبھی گستاخی برداشت کریں۔ دونوں موقع محل کی نزاکت کو تب خاطر میں نہ لاتیں۔ لہٰذا اس سے بھی باقاعدہ لفاظی معرکہ شروع ہو چکا تھا۔ زریں سے زیادہ اس صورت حال پر بچے بھونچکا رہ گئے۔ اس قدر طویل سفری کلفتوں کے بعد کون ایسے غیرخوشگوار سین کی توقع کرے گا۔

گھر کے گیٹ کے اندر داخل ہوئے تو بقیہ رشتہ دار ڈرائیو وے میں چشم براہ تھے۔ گلناز صاحبہ رشتہ دار لڑکوں پر برس پڑیں۔ کہ انہوں نے ایئرپورٹ سے گھر تک اس کی گاڑی کا ساتھ کیوں نہ دیا کہ وہ رستہ بھول بیٹھی۔ بیچارے لڑکے اس کی "بڑائی" (رشتہ اور فنانشل) کی وجہ سے مروتاً" کچھ نہیں بولے۔ خواہ مخواہ خفیف ہو کر رہ گئے۔ اگرچہ ادھر پارک ویز پر کسی دوسری گاڑی کا ساتھ دینا یا فالو آن کرنا خطرناک حد تک ناممکن ہوا کرتا ہے۔

گلناز شارٹ ٹمپرڈ اس لئے بھی ہے کہ وہ اپنے بلنڈرز کا غصہ باآسانی دوسروں پر انڈیل دینے میں قدرت رکھتی ہے۔ ورنہ مقام شرمندگی یہ ہے کہ کوئی پندرہ سولہ برسوں سے سٹیشن کے اندر باہر اجالے اندھیرے بیسوں گھنٹے گاڑی کے سیٹرنگ پر سوار رہے۔ تاہم ہر مہمان کو ریسو کرتے وقت ایئرپورٹ سے گھر تک رستہ بھول جانے کا عادی ہو۔ آخر ایسا کیوں؟ شاید گربہ کشتم روز اول والا معاملہ تھا۔ نیوجرسی سے آنے والے مہمان آپس میں کھسرپھسر کر رہے تھے۔

نیلگوں پول کے ٹیرس پر بیٹھا ان کا شریر بھتیجا جو سات آٹھ سالوں سے امریکہ میں مقیم ہے۔ زریں کے بیٹے کے ہمراہ چہک رہا تھا۔

"ارے بڈی یار۔ ٹیک اٹ ایزی۔ یہاں پر جب لوگ نروس ریک ہوتے ہیں نا۔ عجب حرکتیں ان سے سرزد ہونے لگتی ہیں۔ گاڑی میں گیس ڈلوائے بغیر ایکسپریس

ویز کی ہوا کو نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ سپیڈ نگ کرنے لگتے ہیں۔ سرعت کے ساتھ لین بدلتے ہیں۔ ایگزٹ بھول جاتے ہیں۔ اگلی گاڑیوں کو اپنی انگشت شہادت دکھاتے ہیں"۔

"ہشت بدمعاش! تم اس معصوم بچے کو پہلے ہی روز کیا سبق پڑھا رہے ہو"۔

"ارے کچھ نہیں پھپھو۔ جنرل گفتگو۔ اسے یہاں پر روڈ ایکسیڈنٹ کے بارے میں چوکنا کر رہا ہوں"۔

ڈنر کی سروس میں اچھا خاصا وقت صرف ہوا۔ گلناز کے شوہر اونیل کا موڈ شروع میں کچھ زیادہ ولولہ خیز نہ تھا۔ گو وہ زریں اور اینا سے پانچ چھ سال بعد ملا تھا۔ اینا جب پہلی مرتبہ امریکہ آئی تب اس کی عمر گیارہ برس رہی ہو گی۔ البتہ سہیل کے ساتھ اس کی یہ پہلی ملاقات تھی۔ کیونکہ سہیل کی سٹیٹس میں یہ پہلی پہلی آمد تھی۔

کھانا وافر تھا۔ مگر کچھ نرالا سا اور آرام دہ ان کی اندرونی لابی کے ڈائننگ روم کی بجائے ہوادار بریز وے کے بے آرام پکنک ڈائننگ سیٹ (لکڑی کی گول ہیوی ٹیبل اور بوسیدہ بنچ) کے ساتھ پراہتمام تھا۔ جس کی مہک اور ڈشوں کی سجاوٹ آپ کو ایلیگنٹ اٹالین ریسٹورنٹ کی یاد تازہ کر دے۔ جب سروس شروع ہوئی تو پتہ چلا کہ پاکستانی غذا خوروں کو شاید بھوکے پیٹ سونا پڑے گا۔

"یہ ڈش سکریچ سے میں نے خود تیار کی ہے"۔ گلناز کا موڈ بہتر ہو رہا تھا۔ اس نے سرونگ موزی کو زریں کی جانب بڑھایا۔

"بلاگنا۔ یہ بلاگنا تو ٹیسٹ کریں آپ لوگ۔ اس کے ٹاپ پر وائلڈ مشروم۔ پیاز کے چھلے۔ فرائیڈ ٹماٹر اور ثابت میکن سرخ مرچ کا رائتہ ہے"۔

ہنگرین گولاش کی ڈش اس نے اپنے میاں کے آگے سرکائی۔ والدہ چپکے سے لذیذ موزریلا چیز کے ہمراہ سادہ روسٹ بیف اینڈ گریوی اپنی پلیٹ میں ڈال رہی تھیں۔

زریں نے کنکھیوں سے اپنے بھائی واجد کی جانب دیکھا۔ وہ گلناز کے میاں

اونیل کی پیش کردہ ملیدہ نما ڈھیری کے آس پاس بے دلی کے ساتھ چھری کانٹا چلا رہا تھا۔ واجد عرصہ بیس سال سے ادھر مقیم ہے۔ اس کی بیوی گوری امریکن ہے۔ مگر وہ اپنے آپ کو ان امریکی کھانوں کے ساتھ شاید ہی کبھی ایڈجسٹ کر پائے گا۔

"یہ ڈش خصوصی طور پر واجد کے لئے میں نے خود تیار کی ہے"۔ اونیل نے از راہ خلوص مہمانوں کو اس ڈش کی اہمیت سمجھانا شروع کی۔ اسے میں نے چاوڈر' نامی سمندری جانور کے گوشت سے تیار کیا ہے۔ چاوڈر گدلے رنگ کے گھونگے کے اندر بند ہوتا ہے۔ گھونگھے کو توڑ کر اندر سے اس کا مٹیالا لوتھڑا پکا کر کھانے کے کام آتا ہے۔ امریکن اکثر ریاستوں میں یہ پکوان اس حد تک ہر دلعزیز ہے کہ اس کے طعام کے لئے میلے ٹھیلوں کا اہتمام ہوتا ہے۔ مثلاً "بیچ آئی لینڈ چاوڈر کک آف کلاسک" میلہ۔ جدھر منوں اور ٹنوں کے حساب سے چاوڈر کو دیوزاد کڑاھوں اور دیگوں کے اندر دم پخت کیا جاتا ہے۔ لوگ باگ چٹخارے لے لے سب چٹ کر جاتے ہیں۔ دعوت عام میں حصہ لینے والے باقاعدہ ووٹ کے ذریعہ ان مختلف النوع چاوڈر ڈشوں کی لسٹ میں اپنی پسندیدہ ڈش کا انتخاب کرتے ہیں۔ پہلے اور مابعد اس مرغوب امریکی ہنڈ کلینا کی خوشی میں ناچ گانے اور عوامی گیمز ہوتی ہیں۔ رات گئے تک فائرورک اور کھانا پینا جاری رہتا ہے۔ اور آپ کی ریاست نیو جرسی کے شہر بیچ ہیون۔ ٹیلر ایونیو پر ہر موسم گرما چاوڈر میلے لگتے ہیں"۔

واجد نے اس کریہہ المنظر غلیظ جانور کی جو اس قدر تعریف و توصیف سنی تو غیرارادی طور پر بڑے بڑے قتلے کانٹے میں اڑس کر حلق سے زبردستی اتارنے لگا۔ کہیں چاوڈروں یا ان کے قدردانوں کی سبکی نہ ہو جائے۔

اینا نے ایک خالی پیالہ اپنے سامنے کھسکایا اور سالسا (جو کہ ٹماٹر کی چٹنی سے مشابہ ہے۔ مگر بے حد لذیذ) کو ٹارٹیلاز (چپس) کے ہمراہ مزے لے کر کھانے لگی۔

"ارے بٹی! تم سنیکس کھا رہی ہو؟ ڈنر کھاؤ نا! اتنی ڈھیر ساری ڈشیں میں نے کس کی خاطر تیار کی ہیں۔ یہ لو ذرا چکھ کر تو دیکھو۔ اس کی تیاری پر گھنٹہ بھر صرف

ہوا میرا"۔ گلناز نے ایک گیند نما شے خصوصی چمچ کانٹے کے ذریعے بڑی نفاست کے ساتھ اس کی پلیٹ میں دھری۔

"یہ سکالوپ (بدنما سمندری جانور) اور لوبز (کیکڑے) کے گوشت کا مغلوبہ بنا کر اس کو "ساٹے" کیا جاتا ہے..... یم! ہمراہ مٹروں کے تلے چھلکے۔ گاجر۔ مشروم۔ اور "جلا پینو" ثابت مرچ ہے"۔

"اوپر سرخ سرخ یہ رقیق سا مادہ کیا ہے؟" اینا خوفزدگی کے ساتھ پلیٹ کے اس لتھڑے ہوئے گولے کو پٹ پٹ گھور رہی تھی۔

"ارر..... رے بیٹے یہ بڑی لذیذ ڈیلیکیسی ہے"۔ گلناز جھلا اٹھی۔ "سپیشل اور کچے سل (سمندری جانور) اور چائنیز سرخ ساس سے تیار کردہ ہے۔ جی کو مالش مت کرو۔ ایسا کرو۔ کہ ٹاپنگ کے لئے ساور کریم (کھٹی کریم) کا سپرے کر لو۔ یا پھر لیموں چھڑک لو بے شک۔ چکھ کر تو دیکھو۔ شاباش۔ کھاؤ۔ کھاؤ۔ چٹ کر جاؤ"۔

لڑکے اپنی اپنی لاسا نیا پلیٹیں اور کوک کے یخ کین تھامے باہر پوشیو پر دھری کرسیوں پر براجمان تھے۔ قہقہے۔ گپ شپ۔

"ایوا کاڈمز (ایک قسم کا فروٹ) کی چٹنی۔ نا۔ نانا۔ باجی آپ یہ مت کھائیے"۔ گلناز نے زریں کا چٹنی کی جانب بڑھا ہاتھ اس انداز سے پیچھے کو دھکیلا کہ وہ جھینپ گئی۔ "ایواکاڈمز کے اندر کولسٹرول کی مقدار بہت زیادہ ہے۔ آپ کی صحت کے لئے بے حد نقصان دہ ہے"۔

زریں نے خجالت کو ڈھانپنے کی خاطر جلدی سے بتوری آلو اور ابلا ہوا بھٹہ اپنی پلیٹ کے اندر پھینکا۔

"ہمراہ یہ لولینڈ سپرنگ واٹر پی لیں۔ کلاسک کوک آپ مت پیجئے گا۔ اس کے اندر ضرورت سے زیادہ کیفین شامل ہوتی ہے۔ ڈیلی والے کمبخت آج گروسری کے ہمراہ ڈائٹ کوک ڈیلیور کرنا بھول گئے"۔

"ارے..... رے..... ماں جی! آپ یہ کیا کھا رہی ہیں۔ آپ کو معلوم تو ہے کہ

کس قدر ہائی بلڈ پریشر کی مریضہ ہیں۔ آپ سب کو وخت ڈالیں گی۔ کیا دوبارہ ہسپتال داخلہ کا ارادہ ہے۔ دل کی مریضہ ہیں آپ۔ آپ کے ڈاکٹر پہلے ہی آپ سے عاجز ہیں۔ کہ بدپرہیزی کیا کرتی ہیں۔ اب یہاں بیٹھی بیف اور اس قدر مرغن موزریلا پنیر کھا رہی ہیں"۔ گلناز نے جھٹکے کے ساتھ اپنی والدہ کی ادھ کھائی پلیٹ ان کے سامنے سے پرے ہٹائی۔ اور اس کی جگہ خالی پلیٹ دھر کر اس کے اندر ابلی زو کینی۔ سبزی براکلی۔ آس پیراگس وغیرہ انڈیلنے لگی۔ ماں جی ہاتھ کھینچے کچھ توقف کئے گم سم رہیں۔ پھر پکنک بنچ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"شکریہ بیٹی! بس بہت کھا لیا۔ میری نماز قضا ہو جائے گی"۔

اچانک زریں کی نظر گلناز کے میاں پر پڑی۔ وہ واحد ایسا شخص تھا جو اس ڈنر کے دوران وہسکی نوش کر رہا تھا۔ زریں کا دل مالش کرنے لگا۔ وہسکی کی بدبو سے یا شاید یہ سوچ کر کہ اس بے غیرت شخص کو اور کسی سے نہیں تو ضعیف' نمازی' پرہیزگار اپنی ساس سے بھی لاج نہ آئی۔ وہسکی کا زہر بعد میں اپنے کمرے میں جا کر اپنے بھاری بھرکم معدہ کے اندر صراحی بھر انڈیل لیا کرے بے شک۔

ڈنر کے بعد مہمانوں کے لئے کافی کا دور شروع ہوا۔ زریں اور ماں جی کے لئے ٹیسٹرز چوائس کی ڈی کیف (بغیر کیفین) گلناز تو بس "کے پی چینو" سے رغبت رکھتی تھی۔ اونیل جلی کڑھی سیاہ کولمبین کافی پیتا تھا۔ اسپریسو نہیں بلکہ چولھے کے اوپر کاڑھا دے کر تاکہ کیفین کا کوئی قطرہ ضائع نہ ہونے پائے۔ اور کافی کے ہر گھونٹ کے ساتھ بڑے بڑے کولمبین سگار کے کش پر کش لگائے جاتا۔

"کیا میچ ہے یہ بھی"۔ زریں نے سوچا۔ "کولمبین سیاہ کافی۔ سوختہ جاں کولمبین سگار اور سنگت وہسکی کی۔ یعنی ہر شام ڈنر ٹیبل پر وہ اپنے ارد گرد سرانڈ پھیلا کر بیٹھ جاتا۔ اور اس کی بیوی گلناز نئے مہمانوں کے سامنے اس کے نمبرون ہائی ایجوکیٹڈ نفیس ترین شخص ہونے کے ڈینگیں مارتی۔ مرحبا گلناز!"۔ زریں نے دل ہی دل میں داد دی۔

لڑکے موکہ، کافی کے خوشبو دار کپ تھامے دوبارہ دھند کے پوشیو پر جا بیٹھے۔
ماں جی کافی کے دو گھونٹ پی کر اپنے بیڈ روم کی جانب چل دیں۔

اب داستان گفتنی کا دور شروع ہونے والا تھا۔ گلناز کا حکم نادر شاہی جاری ہوا کہ تمام لڑکے بالے دربار جہاں پناہ میں حاضر ہو جائیں۔ وہ بادل نخواستہ باری باری بریز وے میں داخل ہوئے۔ اور بنچوں پر سرک کر بیٹھ گئے۔

"کوئی موقع۔ کوئی رسم۔ کوئی فنکشن ہو۔ انکل اونیل اور پھپھو اپنا اپنا شو جما کر بیٹھ رہتے ہیں"۔ ایک لڑکے نے سہیل کے کان میں کھسر پھسر کی۔ "ان کو تو بس شدید توجہ اور ذاتی طمطراق چاہیے"۔

"چڑھانے کے بعد انکل اونیل کا موڈ اسی طرح فلیش کیا کرتا ہے۔ تب وہ کیسا مہمان نواز اور خوش اخلاق جان پڑتا ہے۔ لمبی لمبی داستان حمزہ۔ جانے کس ملک کی روایات۔ ہسٹری۔ جغرافیائی حدود۔ قصے کہانیاں۔ دیکھنا لمبی چوڑی تمہید بندھنے والی ہے۔ کم از کم دو گھنٹے کا ارتکاز ہے ہم سب کا"۔ سہیل کے بائیں جانب بیٹھا اس کا کزن وسیم سرگوشی کے ساتھ سمجھا رہا تھا۔

"یہ علمیت و عقلیت کے بقراط ہیں۔ شکاری بلا کے۔ اور دنیا کے بیشتر براعظموں کی سیاحت کر چکے ہیں۔ تقریباً ہر ملک کی این ٹیک جمع کرنا ان کی ہابی ہے"۔ گلناز نے زریں کے کان میں اطلاع دی۔

اگرچہ زریں یہ سب پہلے بھی کئی مرتبہ اس سے سن چکی تھی۔

"نو۔ نو۔ نو سرگوشیاں"۔ اونیل نے خوش دلی کے ساتھ گلناز کو ٹوکا۔ گلناز کو اپنی ہتک محسوس ہوئی۔

"نو گروپ ڈسکشن۔ بحث مباحثہ"۔ اونیل نے مسکراتے ہوئے ترچھی نگاہ لڑکوں پر پھینکی۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گئے۔

"یہ ایک ایسا سرد مہر شخص ہے۔ جو اپنی بیوی اور بچی کے علاوہ دنیا کے ہر فلسفہ اور نالج میں دلچسپی رکھتا ہے۔ بڑا فلاسفر کہیں کا۔ تم صبح ناشتہ پر اس کا کر۔ لکی موڈ خود

ہی دیکھ لینا۔ جب اس کے نشے کے ساتھ ساتھ اس کی خوش خلقی کا لبادہ بھی اتر چکا ہو گا۔ ہاں"۔ ایگو کی ماری گلناز میاں کو چڑانے کی خاطر خفیف ہوتی زریں کے ہمراہ مادری زباں میں باتیں کر رہی تھی۔ اونچی۔ گستاخ آواز میں۔

"ناٹ پولائٹ! انٹرنیشنل زبان چلے گی اس میز پر۔ جو زبان دوسروں کی سمجھ سے بالاتر ہو۔ اس کا محفل میں بولنا منع ہے"۔

اتنی دیر میں ہاؤس کیپر ویرا ٹیبل سے استعمال شدہ برتن سمیٹ چکی تھی۔ اب باری آتی ہے۔ ڈیزرٹ کی۔ گریک گورے کا "بکلاوا" اور "باکالیکا" پروسا جا رہا تھا۔ اونیل نے بے نیازی کے عالم میں جھٹ پٹ ایک قتلہ اپنی پلیٹ کے اندر انڈیلا اور دوسروں کی پروا کئے بنا کانٹے کے ساتھ باسرعت کھانا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی اس کا لیکچر شروع ہو چکا تھا۔ "لیکنم پائے" اور "ایپل پائے" کی ٹاپنگ کے لئے لڑکوں نے لذیذ بویرین کریم کا بے تحاشا استعمال جاری رکھا۔

"ڈیزرٹ تم کو کافی سے پہلے پیش کرنا چاہیے تھا"۔ زریں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کم از کم میری تو مزید کھانے کی گنجائش نہیں ہے"۔

"باجی آپ تو کسی بات سے خوش نہیں ہوتیں"۔ حسب توفیق آخر گلناز نے رنگ میں بھنگ ڈال دیا۔ آہستہ آہستہ دوسرے تمام حیلے بہانے کھسکنے لگے۔ اونیل پر اس سے ایسا وجد طاری ہو چلا تھا کہ وہ ماحول سے بالکل بے نیاز باتیں اور ڈیزرٹ اکٹھے چبا رہا تھا۔ بیچارا واجد نیند اور مروت کی کشمکش میں جھولتا اس کی باتوں پر کان دھرے رہا۔ ادھر زریں سفر کی تکان۔ ذہنی کھنچاؤ اور جیٹ لیگ کی وجہ سے بالکل ٹکس اپ ہو رہی تھی۔ مگر مجبوری کی لحاظ داری کا تقاضا نبھانا دوبھر تھا۔ کہ اس کی چھوٹی بہن کا موڈ آف ہو رہا تھا اور بہنوئی کا موڈ فلیش کر رہا تھا۔

اگلا روز تحفے تحائف کی تقسیم کا دن تھا۔ یہ لوگ جو تقریباً پانچ عدد فربہ سوٹ کیس ہمراہ لائے تھے۔ ان کے اندر زیادہ تر سُٹ رشتہ داروں کو "دان" دینے کے لئے ٹھونسا گیا تھا۔

سندھی' بلوچی' سواتی' کامدار لباس' بیڈ نگ' ٹی کوزی' کشن کورز' شیشے کا کام' سلمیٰ ستارے' زریں تاریں' کیش کا کام' قیمتی اونی کامدار شالیں' دوشالے' بائیس قیراط گولڈ کے ہلکے پھلکے زیورات' لیدر چپلیں اور کھسے' کامدار ڈریسنگ گاؤن اور شب خوابی کے دوسرے لباس' ہینڈ میڈ خالص اونی قالین پیس' منقش اخروٹ' مہاگنی او نیکس اور تانبے کا کرافٹ' کامدار بیڈ نگ اور ڈراپری' گارمنٹس میں خالص سلک اور اون کا بے تحاشا استعمال تھا۔ اس مال و اسباب کی خریداری پر زریں نے دھن دولت پانی کی طرح بہا دی تھی۔ آس پاس کہیں بھی کلچرل اشیاء کی دہائی پڑتی۔ شہر بہ شہر' قریہ بہ قریہ گھوم پھر اپنے پیاروں کی خاطر نفیس ترین کام اکٹھا کرنا اس کے مشاغل میں شامل رہا تھا۔ انمول آئیٹم' دستکاری اور بیش بہا فنکاری کے نمونے اس کی زد میں رہا کرتے۔ کوئٹہ' حیدر آباد' کراچی' پشاور' سوات' آزاد کشمیر' ہر خطہء ارض پاک۔

گلناز نے سب کے مجموعی تحائف سے کہیں زیادہ وصول پائے۔ مگر اس کے جوش و خروش کا عالم یہ تھا کہ جان پہچان والوں کے لئے جو بچ رہا وہ بھی جھپٹ رہی تھی۔

نیو جرسی سے آنے والوں کا اصرار تھا کہ مہمانوں کو چند روز ان کے ہاں قیام کی مہلت دی جائے۔ ادھر گلناز اپنی دھن پر اڑی بیٹھی تھی کہ فی الحال ان کو مزید سفر نہ کرنا چاہیے۔ بہتر ہے کہ ہفتہ دو ہفتہ اسی کے ہاں دم لیں۔ کم از کم سفر کی تکان تو اترے گی۔

زریں کی سمجھ سے گلناز کی یہ ہٹ دھرمی بالاتر تھی۔ کیونکہ پلان کے مطابق ان لوگوں نے آتے ہی الگ اپارٹمنٹ کرایہ پر حاصل کرنے کے بعد زندگی کے معمولات کی شروعات کرنا تھیں۔

زریں کا بڑا بیٹا چند سالوں سے امریکہ کی ایک دوسری ریاست میری لینڈ میں تعلیم کی غرض سے کیمپس پر اقامت گزیں تھا۔ اور آج کل خالہ کے ہاں مہمان تھا۔ وہ پاکستان سے آنے والے اپنے خاندان کو خوش آمدید کہنے کے لئے بھاگا بھاگا چلا آیا۔

زریں اس بات سے بھی خائف تھی کہ بہن بھائی یا کسی بھی دوسرے قریب ترین رشتہ دار سے۔ نگران کے ہاں فقط چند روز سکونت اختیار کرنے پر بھی اس کی خودی پر چوٹ لگنے کا احتمال ہے۔ وہ صاحبہء توفیق تھی۔ فی الحال کسی شے کی کمی نہ تھی۔ بہرحال بقیہ رشتہ دار بڑبڑاتے اپنے اپنے گھروں کو سدھارے۔

گلناز عرصہ دس سال سے نیویارک میں بطور میڈیکل ڈاکٹر جاب کر رہی تھی۔ آج کل اپنے ڈیپارٹمنٹ میں ڈائریکٹر کے عہدہ پر فائز تھی۔ ڈاکٹری کی درس و تدریس سے بھی اسے شغف تھا۔ پارٹ ٹائم ایک ہائی ٹیکنیکل کلاس کلینک کے اندر گروپ میڈیکل پریکٹس میں خوب کامیاب جا رہی تھی۔

اس کا شوہر جدی پشتی مغرور امیرزادہ تھا۔ اس کا سوفٹ ویئرز کا اعلیٰ سطح کا اپنا بزنس تھا۔ ساتھ میں امریکی شیئرز کے وسیع کاروبار سے بھی منسلک تھا۔ لانگ آئی لینڈ کے ایک رئیس علاقہ "مٹن ٹاؤن" کے اندر ان کا وسیع و عریض کسٹم میڈ یہ اولڈ کنٹری سٹائل کا گھر تھا۔ قریبی جنگلات کا کچھ حصہ بھی ان کے گھر کے رقبہ میں شامل تھا۔ بیلیں۔ پودے۔ دیوزاد درخت۔ چہار جانب سرسبز شادابیاں۔ ان دنوں "بوم" "ہارڈی مم" اور "ڈیلٹا ڈوارف" کے پھول کھلے تھے۔ اونیل نے گارڈننگ کو بطور ہابی اپنا رکھا تھا۔ تمام فنکارانہ تراش خراش۔ وہ فارغ اوقات میں خود ہی سرانجام دیتا۔ عموماً سنڈے اسی ہابی کی نذر ہو جاتا۔ اس طرح پھلواڑی کے پچھواڑے کافی بڑے حصہ کے اندر کچن کے لئے روزمرہ اور تازہ بتازہ سبزی ترکاری کی فراہمی اسی کی کاوشوں کا نتیجہ تھی۔

کیرن، گلناز کی ایک پیاری سی پانچ سالہ بچی تھی۔ صبح سے لے کر شام تک دونوں میاں بیوی جاب پر ڈٹے رہتے۔ اور بچی اپنے گرمائی کیمپنگ سکول میں۔

خادمہ ویرا دھیرے دھیرے گھر کی صفائی ستھرائی اور بھانڈے ٹینڈوں کے ساتھ مصروف رہتی۔ گھنے درختوں، جھاڑیوں اور قریبی جنگل سے چرند پرند اور جھینگروں کی کوک کے علاوہ خادمہ کے کام کاج سے پیدا ہونے والی آوازیں لحہ بہ لحہ ماحول کی

ٹون میں ارتعاش پیدا کئے جاتیں۔ درمیان میں کبھی کم کبھی طویل گھڑیوں پر مسلط دلدوز خاموشی طاری رہتی۔

شام چار بجے بچی کی سکول بس اسے ڈراپ کر جاتی تو خادمہ سوئمنگ سوٹ زیب تن کروا کر پول پر چھوڑ جاتی۔

بچی کیرن کا سوئمنگ دورانیہ گھنٹہ بھر سے کم نہ ہوتا۔ اتنی دیر زریں دم سادھے خوفزدہ سی اس کے کرتب ملاحظہ کرتی۔ کیرن کم گہرے پانیوں میں سوئمنگ کے ماہرانہ جوہر دکھاتے تھکتی نہیں۔ پھر بڑوں کی مانند تولیہ لپیٹے ڈیک چیئر پر دراز شام کی کرنوں میں غسل آفتابی سے لطف اندوز ہوتی۔ ڈنر سے پہلے اس کا ٹی وی ٹائم جاری رہتا۔ ننجا ٹرٹل اور دوسری کارٹون موویز اس کے پسندیدہ پروگرام تھے۔ کام سے واپسی پر ڈنر کی تیاری کے وقفہ میں دونوں میاں بیوی کی پہلی جھڑپ کی ناخوشگوار آوازیں ہر خوبصورت گرمائی سرمگیں شام کے لب پر بے سری مہر ثابت ہوتیں۔

تین چار روز کے اندر اینا اور سہیل اس بندش بھری فضا سے اوبھ چکے۔ اکثر ان کو یہی انتظار رہتا کہ کب میری لینڈ سے سلمان کی کال آئے۔ اور وہ اس کی زبان سے ویک اینڈ کے متوقع پروگرام کے پردے میں اس "ہونٹڈ ہاؤس" سے چند گھنٹوں کی رہائی پالیں گے۔

ویک اینڈ پر سلمان واقعی ان سے ملاقات کے لئے اڑتا چلا آیا۔ (وہ گاڑی کی سپیڈنگ کرنے کا عادی تھا۔) اس کے پاس چھٹی کا فقط ایک روز تھا۔ کیونکہ تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ کیمپس پر جاب بھی کر رہا تھا۔ اور ساتھ میں اضافی سمر کلاسز بھی لے رکھی تھیں۔

سہیل کے لئے نیویارک سٹی دیکھنے کا یہ انوکھا چانس تھا۔ لہٰذا شروعات مین ہیٹن سے ہوئیں۔ مشہور زمانہ ففتھ ایونیو۔ ٹرمپ ٹاور۔ لنکن سنٹر۔ سینٹ پیٹرک کیتھڈرل۔

اپ ٹاؤن کی جانب جاتے ہوئے آپ کو سٹی کا عکس یو این بلڈنگ کے گلاس

ٹاور کے اندر دکھائی دے گا۔ ریڈیو سٹی میوزک ہال آل راؤنڈ سیاحوں کا اژدھام اور روشنیوں کی پھواریں۔ سینٹ پیٹرک کیتھڈرل۔ ٹائم سکوائر۔ اپر مین ہٹن اور ڈاؤن ٹاؤن دیکھنے کے لئے وہ "گرے لائن" ٹورسٹ کوچ پر سوار ہوئے۔

میٹروپولیٹن میوزیم آف آرٹ۔ سنٹرل پارک۔ آگے ہارلم۔ کولمبیا یونیورسٹی۔ ایف۔ ڈی۔ آر ڈرائیو۔ گرانٹ ٹومب۔ اپالو تھیٹر۔ دنیا کا سب سے بڑا گوتھک کیتھڈرل آف سینٹ جون را ڈیوائن۔

واپسی پر وہ دوسری گرے لائن کوچ کے ذریعہ ڈاؤن ٹاؤن کی سیر کو روانہ ہوئے۔ گارمنٹ ڈسٹرکٹ (فیشن کی دنیا) اور آرٹسٹوں کا گرینچ و یلج۔ جدھر چارمنگ ٹاؤن ہاؤسز۔ جاز کلب۔ اور دو رویہ درختوں کی قطاریں جو سٹریٹ لائٹ میں گلیوں کا پرہیبت منظر پیش کرنے میں معاون ہیں۔ سوہو کا علاقہ۔ آرٹسٹوں اور آرٹ کے بسیرے۔ روشنیوں۔ مچھلیوں۔ سائیڈ واک۔ دوکانوں اور شور و غل کی دنیا چائنا ٹاؤن۔

آخر میں وال سٹریٹ (فنانشل ڈسٹرکٹ) سے ہوتے ہوئے وہ بیٹری پارک کی جانب نکل کھڑے ہوئے۔ کبھی کوچ پر سوار۔ کبھی پیدل۔ جہاں تک کور ہو سکتا تھا۔ تھکے ہارے رات کو گھر پہنچے تو گلناز بھری بیٹھی تھی۔

"تم پہلے ہی روز ان کو ہارلم لے گئے"۔ وہ سلمان پر برس پڑی۔

"پیدل نہیں خالہ! ہارلم کا چکر ہم نے بس میں لگایا ہے۔ بمشکل نصف یا پون گھنٹہ کی سیاحت تھی ہارلم کی"۔

"سیاحت"۔ وہ چیخ پڑی۔ "جانتے ہو۔ ہارلم شدید متعصب کالے امریکیوں کا ایک طرح سے علاقہ غیر ہے۔ جرائم۔ قتل و غارت اور لاقانونیت کا گڑھ"۔

"مگر خالہ دن دیہاڑے اس ٹورسٹ بس گرے لائن میں خطرہ کیسا۔ ہر نصف گھنٹہ بعد یہ بسیں مڈ ٹاؤن اور پین سٹیشن سے ہارلم کی جانب روانہ ہوتی ہیں۔ اور سالانہ کئی ملین سیاح۔۔۔"

"مجھے اعداد و شمار کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں گھنٹوں سے حال حیران

بیٹھی تھی۔ 911 ڈائل کرنے والی تھی"۔

"کیا غضب کرتی ہیں آپ بھی۔ ابھی امریکہ آئے ان کو جمعہ جمعہ سات روز ہوئے۔ اور آپ بالکل خواہ مخواہ ان کو نائن ون ون کے الجھیڑے میں ڈال دیتیں"۔

سلمان کو دل ہی دل میں تاؤ آ رہا تھا۔ مگر ضبط سے کام لے رہا تھا۔ لوگ روم کے کونے کی کرسی پر ٹیبل لیمپ کی نارنجی سی روشنی میں اونیل حسب معمول کتابوں میں دھنسا بیٹھا تھا۔ کبھی کبھی کنکھیوں سے ادھر دیکھ کر دوبارہ مگن ہو جاتا۔ جیسے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔

"خالہ بیشتر مین ہیٹن دیکھ ڈالا پہلے ہی روز ہم نے۔ ٹانگیں شل ہو رہی ہیں"۔ سہیل نے بھولپن کے ساتھ شیخی بگھاری اور خالہ بی پھٹ پڑیں۔

"ایک ہی روز میں اس قدر مٹر گشتی، اس قدر پیدل چلنا تمہاری ماں کی صحت کے لئے کس قدر مضر ہے۔ اس کی بھی پرواہ نہ کی۔ آئندہ تم لوگ کہیں جاؤ گے تو میرے ہمراہ۔ ورنہ گھر سے باہر قدم نہ رکھو گے تم تینوں سمجھے"۔

"خالہ یہ کوئی بچے تھوری ہیں۔ آخر کو ان کو بھی امریکہ میں سیٹل ہونا ہے۔ باہر نکلنا ہے۔ دیکھنا بھالنا ہے۔ پڑھنا لکھنا ہے۔ جاب کرنا ہے....." سلمان اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔ "اگر مگر" کرتا رہ گیا۔ خالہ جانی کے تیور بڑے ہولناک تھے۔ اچھے خاصے حسین چہرہ پر وہ اس لاؤڑی ٹائپ ٹمپرامنٹ کا غلاف چڑھا کر اکثر اوقات ہونق دکھائی دینے لگتی۔ اس کی اپنی ننھی سی بچی سہم کر پرے جا بیٹھی۔

سلمان کھان زہر مار کرنے کے بعد رکا نہیں۔ اسی رات روانہ ہو گیا۔ گو چار پانچ گھنٹوں کی مسافت تھی۔ تینوں اسے چاندنی میں چمکتے ڈرائیور وے تک چھوڑنے آئے۔ چاروں اداس تھے۔ جب ماں نے سلمان سے دھیمے لہجے میں الگ اپارٹمنٹ کے بارے مین استفسار کیا تو اس نے دبی زبان میں ماں کو جواب دیا۔

"خالہ کا اصرار ہے کہ کم از کم مزید ڈیڑھ ماہ ان ہی کے گھر پر آپ لوگوں کا قیام ہو گا"۔

"کیا۔ کیا؟" سہیل بپھر اٹھا۔ "یہ کیسی ٹانس ہوئی۔ میں تو ایک دن برابر اس گھر میں ٹھہرنے کا نہیں"۔

"اور میں بھی۔ امریکہ یہی ہے۔ تو ڈیم اٹ"۔ اینا الگ بھری بیٹھی تھی۔

"جانے دو بچو"۔ بڑے بھیا نے مذاق اڑایا۔ "تھوڑا صبر کا گھونٹ پیئو۔ میں بھی اس در پر بڑے بڑے صبر آزما مراحل سے گزر چکا ہوں۔ تم نادان ابھی سے گھبرا اٹھے۔ آگے آگے دیکھئے۔ خیر ہے۔ جی کو چھوٹا مت کرو۔ اگلے ویک اینڈ پر انشاء اللہ دوبارہ آؤں گا۔ اور سہیل یار! تم اپنا گڈری بستر باندھ رکھنا۔ دو چار دن میرے کیمپس پر میری میزبانی کا شرف حاصل کر لینا"۔

"اینڈ وٹ اباؤٹ می؟" اینا روہانسی ہو رہی تھی۔

"اری بہنا! غم نہ کرو۔ یہ دن بھی بہت جلد بیت جائیں گے"۔

وہ شب و روز۔ پر آشوب دہر کی مانند طویل تر ہوتے گئے۔ ایک ایک لمحہ' ایک ایک گجر' ہاتھوں پر گویا لٹک سا گیا۔

گلناز کو جاب کی وجہ سے بہت تڑکے بیدار ہونے کی عادت تھی۔ کام پر روانہ ہونے کی افراتفری میں اس کا میاں ناشتہ پر خاصا چڑچڑا دکھائی دیتا۔ زریں کی کوشش تھی کہ وہ اونیل کے جانے کے بعد میز پر پہنچیں تاکہ میاں بیوی کی پرائیوسی میں مخل نہ ہوں۔ ناشتہ پر بلاوجہ تکرار' دو چار ظروف فرش پر پٹخ دینا شوہر بیوی کا معمولات سحر تھا۔

ہفتہ عشرہ کے بعد گلناز نے حکم نامہ جاری کیا کہ جب وہ صبح کچن کے اندر داخل ہو۔ سبھی کو اس کے ہمراہ بیدار ہونا پڑے گا۔ تاکہ ناشتہ کی تیاری میں برابر ہاتھ بٹایا جائے کہ یہی ادھر کی ریت ہے۔ تاکہ کادمہ اس وقفہ میں اطمینان و سکون کے ساتھ کیرن کو اس کے کیمپنگ سکول کے واسطے تیار کر پائے۔ ان دلاویز صبحوں کے ناخوشگوار لمحات میں کس کے حلق سے ناشتہ اترتا۔

ایک رات چھت پر بندر نما جنگلی جانور "ریکون" چہل قدمی فرما رہے تھے۔

زریں کی نیند اچاٹ ہو گئی۔ کوئی اڑھائی بجے کا وقت ہو گا۔ اچانک اس کی ذہنی سطح مثل آب شفاف بھرے حوض کی مانند صاف ہونے لگی۔ اس کے دماغ کے ڈھکے چھپے گوشوں نے اپنی چھوٹی بہن کے اس مسخ شدہ رویہ کا عندیہ بھانپ لیا۔ اس کی اس معاندانہ تندخوئی کے پیچھے اس کی انتہائی خودغرضانہ آرزوؤں کا بسیرا تھا۔

گلناز امید سے تھی اور اس کی ملازمہ سالانہ تعطیلات کے سلسلہ میں ایک ماہ کی چھٹی پر روانہ ہونے والی تھی۔ ان لوگوں کی امریکہ آمد سے بیشتر ان کے ساتھ گلناز کے اوورسیز کالوں کا رابطہ دن بدن طول پکڑتا جا رہا تھا۔ جیسے گلوب کے اوپر گلناز سے بڑھ کر ان کا خیرخواہ کوئی دوسرا شخص نہیں ہو سکتا۔ وہ ہر مرتبہ ان کو مکمل معاونت و مدد کا بھرپور یقین دلاتی بلکہ بارہا فون پر ان کو باور کرواتی رہی کہ زریں کے لئے اس نے فل ٹائم سفید کالر جوب یو۔ این۔ او میں کنفرم کروا رکھی ہے۔ مگرہوا یوں کہ ایک روز جب منہ در منہ زریں نے کھل کر بات کی تو وہ آئیں بائیں شائیں کرتی رہ گئی۔ اس کی نیت تو ڈھکی رہی مگر آثار شواہد تھے کہ یہ سب دھولا دھپا اس کے فون پر کئے گئے وعدوں کا نقیض ثابت ہو رہا ہے۔ گلناز کے تمام تانے بانے کا گنجل نیٹ ورک اس کی خودغرضانہ ذاتیات' اس کے گھر' اس کی بچی اور آنے والی روح کے گرد بنا تھا۔ اب اسے اس قضیہ سے قطعاً" سروکار نہ تھا کہ اس کی بڑی بہن' گلناز اور دوسرے عزیز رشتہ داروں کے جھانسے میں آ کر پیچھے ہوم کنٹری میں کیا کچھ قربان کرنہ آئی تھی اور نہ ہی اس قصہ سے کوئی دلچسپی تھی کہ اس بھرے دیار غیر میں نیک نیتی سے اس خاندان کے مستقبل کے بارے میں کس طرح پلان کیا جائے کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا تو میسر آ سکے۔ فی الحال برملا اور لگاتار وہ اپنی ہیپ آف ٹرلیش روٹین کو ان تینوں کے دھیان پر چڑھائے رہتی یہ کہ:

"آج سوئمنگ پول کو صاف کرنے والی ٹیم آ رہی ہے۔ سرپر رہ کر حوض کا پانی بدلوانا ہو گا۔ ہر فون کال محض دوسری گھنٹی پر اٹینڈ کر لیا کریں۔ کوئی کال مس ہونے نہ پائے۔ ہر پیغام کاپی کے اندر لکھ رکھیں' مع وقت اور کال کرنے والے کا

فون نمبر= آج ہینڈی مین آ رہا ہے۔ وہ تہ خانہ کی ٹپکتی چھت کی مرمت کرنے والے ہے۔ پوشیو پر ٹائل ورک کو تبدیل کرے گا۔ سنٹرل ہیٹنگ کی لیک ہوتی گیس کی جانچ پڑتا کرے گا۔ شاید فرنیس صاف کرنے والی ٹیم بھی آج نمودار ہو جائے اور ہاں خیال رہے کہ ہر ہنرمند کا آئی ڈی اور لائسنس چیک کئے بنا گھر کے اندر داخل ہونے مت دینا۔ اگر کوئی چور اچکا آن گھسے فوراً" سے بیشتر نائن ون ون کا بٹن دبا دو۔ فون کے اندر پروگرام کر رکھا ہے۔ یہ نمبرپانچ ہے۔ ویسے پریشان ہونے کا بھی مقام کیسا' باجی آپ اس قدر ڈرپوک کب سے ہو گئیں۔ ہمارا یہ تمام رہائشی علاقہ محفوظ ترین ہے۔ سیکورٹی گاڑیاں تو ہر دم چکر کاٹا کرتی ہیں۔ کس مائی کے لال کی جرات ہے کہ ٹریس پاسنگ کرنے کا مرتکب ہو گا۔ آپ نے نوٹ کیا کہ ہم رات بھر دروازے اندر سے بولٹ کرنے کے عادی نہیں ہیں بلکہ آؤٹ ڈور جانا ہو تو دروازے دھاڑ دھاڑ کھلے' تالے چابی کا مسئلہ نہیں ہے ادھر۔ مکمل سیکورٹی علاقہ ہے یہ"۔

ہر روز ڈرائیو وے پر کوئی نہ کوئی ہینڈی مین ظاہر ہوا کرتا۔ معلوم نہیں اپنا کو یہ امریکی محنت کش سراسر جیل سے بھاگے قیدیوں کے جیسے دکھائی کیوں پڑتے تھے۔ غلیظ بدرنگ بوسیدہ جینز کے ہمراہ چوڑی لیدر بیلٹ پر دمکتی دھاتی گلکاریاں' بغیر آستین اور بازوؤں کی مچھلیوں پر ٹیٹوز کی رنگ برنگی گلکاریاں' بیلٹ پر ٹنگی بھاری بھرکم چابیوں کا چھنچھناتا گچھا۔ عموماً" وہ تین چار کی ٹیم میں وارد ہوتے۔ بڑے بڑے ٹرک یا وین میں سوار۔ ان ٹرکوں کا زیادہ حصہ اوزاروں اور ہلکی بھاری کرافٹ مشینوں سے ٹھسا ہوتا۔ آپس میں گالی گلوچ ان کا انداز بیاں تھا۔ جگہ جگہ تھوکنا ان کا معمول' مگر اپنا اپنا کام مل جل کر اور ہنستے کھیلتے سرانجام دے ڈالتے۔

گلناز نے بتایا۔ "بالکل بے ضرر ہیں۔ بس لاجواب ہنرمند ہیں۔ گو ڈھکی چھپی ذہانت کے علاوہ امریکی شہریت کے مالک ہیں۔ مگر وائٹ اور بلیک امریکی ٹریش کہلاتے ہیں۔ بس خرابی یہ ہے کہ بذات خود نیشنگ حد تک محب الوطن ہونے کی بنا پر امیگریشن کرنے والوں کے خلاف شدید طور پر متعصب ہوتے ہیں"۔

"آرڈر فارم پر دستخط میم"۔ ہر ایک پرچہ آگے بڑھاتا۔ اپنا آئی ڈی دکھاتا اور سرعت کے ساتھ کام میں مصروف ہو جاتا۔

زریں سوچتی ان کے کام کی نگرانی کی تک کیا ہے۔ وہ تندہی، لگن اور مہارت و پھرتی کے ساتھ محو رہتے ہیں۔ کسٹم صفائی کرنے والے لانوں سے مردہ جھاڑیاں صاف کرتے۔ گھاس کاٹتے، اجڑے قطعوں پر ریڈی میڈ گھاس کے تختوں کی سرسبزی و شادابی بچھا ڈالتے۔ مابعد بڑے بڑے بلوئرز کے ذریعے کٹی کٹائی گھاس کی ڈھیریوں اور مردہ پتوں کا صفایا کر دیتے۔ درختوں کے پتوں پر پاسٹاسائیڈ کیمیکلز کا چھڑکاؤ کرتے۔ قالین شمپوانے والے موقع پر گھر کے قالین نہلا دھلا کر چل دیتے۔ سوئمنگ پول پر کلورین شدہ پانی بدلوایا جا رہا ہے۔ ڈرائیو وے پر اسفالٹ اور بلیو سٹون کی بچھائی جا رہی ہے۔ چمنی ایکسپرٹ، وال پیپر ایکسپرٹ، کارپینٹر، پلمبر، واشر، ڈرائیر، تنور، مائیکرو ویو اون، فریج مرمت کرنے والے، باتھ روم کی فلش سیٹ اور شینک بدلنے والے، گٹر صاف کرنے والے۔

زریں کو ایسا معلوم ہونے لگا جیسے امریکہ کے اندر تمام تر ہینڈی مین بستے ہیں اور وہ امریکہ کسی اعلیٰ مقصد کی خاطر نہیں فقط ہینڈی مین کی نگران بن کر آئی ہو۔

"توبہ توبہ، کیسا سفلہ پن ہے یہ۔ ہر روز ہینڈی مین کے الیکٹرک اوزاروں کا شوروغل، اور کوئی گھر کیوں دیکھ نہیں لیتے یہ مردود"۔ اپنا کانوں کے اندر روئی کے گالے ٹھونستے ہوئے تلملائی سی پھرتی۔ زریں جانتی تھی کہ یہ تمام شکست و مرمت گلناز نے ان خصوصی دنوں کے لئے اٹھا رکھے تھے۔ جب اس کی خادمہ تعطیلات منا رہی ہو اور زریں گھر پر نگران اعلیٰ۔

اونیل کا ریس کا شس چہرہ صبح ناشتہ کے علاوہ رات کھانے پر سامنے آیا کرتا۔ ان لوگوں کی سمجھ سے یہ بالاتر تھا کہ اس نوع کے کینہ پرور اور دھونسیا شخص کے ہمراہ اول تو ان کو کھانا زہرمار کرنے پر گلناز مجبور کیوں کرتی ہے۔ (شاید میزبانی کا تقاضا) اور دوسرے وہ اس اپنی ذات کے اندر سکڑے، متکبر بندے کے ساتھ کس قسم کی

گفتگو کیا کریں۔

"گلناز کے شوہر کی بدخصائل اس کی بیوی کی یکساں خصائل پر بدآموزی کی چھاپ ہیں"۔ یہ ان کی والدہ کا فلسفہ تھا۔

ایک صبح معمول کے مطابق دونوں میاں بیوی میں تیاپانچہ ہو رہا تھا۔

"تم کو میری بہن کا پکایا پسند نہیں۔ واہ رے مزاج' جانتے ہو اس کے ہاں ایک چھوڑ تین تین خادمائیں تھیں"۔

"یہ میرا مسئلہ نہیں ہے"۔ اونیل کا جواب تھا۔

"میری بھانجی نے کبھی استری کو ہاتھ تک لگایا نہ تھا اپنے گھر میں' اور تم اعتراض کر رہے ہو کہ کیرن کے تمام فراک گرماگرم استری کے ساتھ کس نے جلا ڈالے"۔

"یہ میرا مسئلہ نہیں ہے"۔

"میرے بھانجے نے کبھی پھولوں کی کیاری میں پانی نہ چھڑکا تھا۔ اور تمہیں اعتراض ہے کہ گھر کے اگلے پچھلے احاطوں اور باڑوں کی کٹائی چھٹائی اس نے ڈھنگ سے نہیں کی"۔

"یہ میرا مسئلہ نہیں ہے"۔

"تو تمہارا مسئلہ کیا ہے پھر؟ سڑلے پاجی!"

اگر ویرا کو تعطیلات پر روانہ کرنا ہی تھا تو نینی ایجنسی سے بروقت عارضی مگر ٹرینڈ ملازمہ کا انتظام کروایا ہوتا۔ مجھے امریکن کھانا چاہئے اور گھر میں امریکن ماحول' وہ ماحول جس کے اندر میں پچھلے پچاس سالوں سے سانس لے رہا ہوں۔

اس روز وہ تینوں بس اپنے کمرے میں بند رہنا چاہتے تھے۔

کوئی منحوس چہرہ ایک نظر دیکھنے کی ان میں تاب باقی نہ رہی تھی۔ ان کا کمرہ گھر سے الگ تھلگ سوئمنگ پول سے ملحقہ ٹیرس کی پشت پر واقع مہمان خانہ طرز پر تعمیر تھا۔ پچھواڑے کی کھڑکیاں سوئمنگ پول والے باغیچہ پر کھلتی تھیں۔ زریں نے اٹھ کر

بیرونی طوفانی دریچے وا کئے اور واپس اپنے بیڈ پر سکڑی سی بیٹھی باہر پول کے نیلگوں پانیوں میں نظریں گاڑے سوچوں میں غرق ہو گئی۔ دونوں بچے صوفے پر خاموش بیٹھے تھے۔ مگر ان کے پھول ایسے چہروں پر تناؤ اگر جکڑاؤ کے تاثرات نمایاں تھے۔

گلناز داخل ہوئی۔ اگرچہ زریں نے کوشش کی کہ اس کے انداز سے آج کے اس بکھیڑے کی بھنک تک ظاہر نہ ہونے پائے۔ بیچاری خواہ مخواہ خفیف ہو گی۔ مگر الٹا گلناز نے ان تینوں کو اینٹھنا شروع کیا۔ گلہ شکوہ کہ ان کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان آئے روز کی بک بک شروع ہو چلی ہے۔ یعنی اسے کہتے ہیں کہ جوتے سمیت آنکھوں میں گھسنا۔

"باجی آپ لوگ تھوڑا تعاون کریں تو کون سی قیامت آ جائے گی۔ باجی پلیز! ذرا ذوق و شوق کے ساتھ امریکی ڈنر تیار کر دیا کریں۔ وہ تھکے ماندے کام سے گھر لوٹتے ہیں۔ یہاں کے مصروف شوہروں کے لئے ڈنر کا طعام کرنا ایک طرح کا خوش آئند ترین روزمرہ معمول ہے۔ اگر میز پر اس کی مرضی کے مطابق گرماگرم پکوان نہ ملے تو مرد تندخوئی کا اظہار تو کرے گا ہی اور اپنا تم سے درجن ڈیڑھ درجن فراکوں پر ڈھنگ سے استری پھیری نہیں جاتی اور سہیل بیٹے! تم نے اوپر جنگل کے پاس اصطبل کے گرداگرد تمام زہریلی آئیوی بیلوں کو جوں کا توں رہنے دیا۔ کیرن کبھی کبھی کھیلتی کودتی ادھر جا نکلتی ہے۔ اگر اس معصوم کے پاؤں یا ٹانگوں پر یہ زہریلی آئیوی چھو جائے جانتے ہو اس کے آبلوں کا کوئی مفید توڑ نہیں ہے"۔

وہ تینوں اس کے منہ سے گرتے زہریلے الفاظ کو بے دلی کے ساتھ پکڑنے کی سعی میں گم سم سے بیٹھے رہے۔ اس حقیقت کا ان کو زندگی میں پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ ادھر امریکہ میں اپنے سگوں پیاروں کے گھر بطون مہمان ٹھہرنا کس قدر مقام عزلت ہے۔

اس واقعہ کے بعد سلمان نے فوری طور پر ان کے لئے اپارٹمنٹ کا انتظام کروا دیا۔ نیویارک نہیں فلاڈلفیا میں، گھر سے سیدھے چلے آئے تھے۔ وہ نیویارک سیٹل

ہونے کے واسطے' مگر گلناز کی فولادی گرفت جس انداز میں اس کے گرد گھیرا تنگ رک رہی تھی۔ اس کی پناہ سے بھاگنے کے لئے انہوں نے نیویارک جیسی سہولیات اور ترقیات سے بھرپور سٹیٹ کو خیرباد کہہ دینے میں عافیت جانی۔

سلمان جب ان کو لینے کی خاطر اگلے ویک اینڈ پر نمودار ہوا تو خالہ اس پر برس پڑی۔

"تمہارے یہ طور طریقے مجھے ہرگز پسند نہیں ہیں۔ یہ جو سرپرائز دینے والے تمہاری مہم جویانہ عادت ہے نا۔ یہ سراسر تکلیف دہ ہے۔ مجھ سے مشورہ کئے بغیر ان کو اس قدر دور وہاں فلاڈلفیا کے اندر بے یار و مددگار چھوڑ دو گے"۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ فلاڈلفیا اور نیوجرسی میں دوسرے رشتہ دار ان سے قریبی فاصلوں پر ہوں گے"۔

"اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ وہ سب ان کے بدخواہ ہیں۔ مجھ سے زیادہ اس حقیقت سے کون باخبر ہو گا"۔

"او خالہ"۔ سلمان نے احتجاج کرنا چاہا مگر کچھ کہہ نہ سکا۔

"اور پھر ان کے امریکہ آنے کا فائدہ کیا ہوا مجھے' میری ہی ترغیب پر تو آپ لوگ ادھر آئے تھے کیوں نا؟ اور ہاں باجی آپ بھی کان کھول کر سن لیجئے۔ ابھی آپ کہیں جانے کی نہیں ہیں۔ میری ننھی منی بچی کا کیا بنے گا۔ کتنے ارمانوں سے آپ کو امریکہ آنے کی دعوت دی تھی میں نے۔ کچھ میرا اور میرے بچوں کا بھی آپ پر حق بنتا ہے۔ اپنی اولاد تو آپ پال پوس چکیں۔ ذرا خود ہی انصاف کریں۔ ہم دونوں میاں بیوی دن بھر جاب پر رہتے ہیں۔ کیا اپنے سکول سے گھر میں داخل ہو تو چوہیا سی جان کو یہ گھر ڈنڈار بھاں بھاں کرتا ملے۔ اس طرح تن تنہا اس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ سکتا ہے۔ اگر سوئمنگ پول میں ڈوب جائے تو اس کی ہلاکت آپ کے سر پر"۔

"اتنے برے کلمات منہ سے کیوں نکالتی ہو گلناز"۔ زریں کپکپا کر رہ گئیں۔

"آپ کو معلوم ہے"۔ گلناز کے حوصلے بڑھے۔ "یہاں پر ہوم ایلون (کمسن بچے

کا گھر پر تنہا رہنا) کے قوانین کس قدر سخت ہیں۔ اس طرح کے واقعات میں ماں باپ کو ہتھکڑی لگا کر سیدھے حوالات پہنچا دیا جاتا ہے"۔

"مگر خالہ آپ فوری طور پر کیرن کے لئے عارضی "نینی" کا انتظام کیوں نہیں کر لیتیں؟"

"مجھے مت دینے والے تم کون ہوتے ہو؟" بیچارے سلمان کی شامت آگئی۔ "ویرا کی بات دوسری ہے۔ وہ ہماری پرانی خادمہ ہے۔ اور قابل اعتماد، مگر کسی بھی نئی نینی پر بھروسہ ایک بھول ثابت ہو سکتی ہے۔ معلوم ہے اخباروں اور ٹی وی پر آئے روز بے بی سٹرز اور نینی کے نام نہاد سنسنی خیز جرائم کی داستان سے صفحات سیاہ ہوتے ہیں۔ نہ صرف بچے سے لاپرواہی کا ارتکاب بلکہ کبھی کبھی معصوموں کو ظلم و ستم کا نشانہ بھی بنا ڈالتی ہیں۔ وہ فرنیک بھی تو ہو سکتی ہے۔ وہ قصہ ابھی پرانا نہیں ہوا کہ نوجوان بے بی سٹر نے معصوم گیارہ ماہ کے بچے کو گلا دبا کر ہلاک کر ڈالا۔ ان لوگوں کو خوفناک نیوراٹک پرابلم ہوا کرتے ہیں۔ مالکوں کی غیر موجودگی میں بے بی سٹرز کا اپنے بوائے فرینڈز کو بلا بھیجنا تو عام ہوتا جا رہا ہے۔ تم لوگ کیا چاہتے ہو۔ میری بھولی بھالی کیرن کے سامنے نئی نویلی نینی اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ"۔

لڑکے کان دبائے وہاں سے کھسک پڑے۔

"باجی پلیز! محض دو تین ہفتوں کی بات ہے۔ جب ویرا واپس لوٹ آئے گی۔ آپ بے شک چلی جانا تب"۔ وہ بڑی بہن کے آگے روہانسی ہونے لگی۔

سلمان یہ کہہ کر سہیل کو ہمراہ لے گیا کہ اگلے ویک اینڈ تک وہ اس کے ہمراہ ڈارم میں کیمپس پر رہے گا۔ ضرورت پڑی تو وہیں سے اسے فلاڈلفیاں کے لئے بھجوا دیا جائے گا۔ تاکہ اپنے نئے اپارٹمنٹ کو سیٹ کر لے۔ سہیل کے چہرے پر چمک نچھاور ہونے لگی۔ جیسے اسے قید بامشقت سے رہائی کی نوید ملی ہو۔ اینا بجھ سی گئی۔ اسے ماں کے ہمراہ خالہ کے اس ویران خانہ پر مزید دو تین یا زیادہ ہفتے کاٹنا تھا۔ جس کا ہر لمحہ دوبھر تھا۔

شوہر کے ساتھ گلناز کا لفڑا عموماً" شوہر کے رشتہ داروں کی وجہ سے ہوا کرتا۔ گو یہ کٹی چھنی شادی کے روز اول سے ان کا معمول تھی۔ مگر اپنے رشتہ داروں کی موجودگی میں خواہ مخواہ شہ پا کر وہ شوہر کے حضور ایک بد بلا کا روپ دھار لیتی۔ یہ ڈرامہ ڈنر کی میز کے سیٹ اپ ہونے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا۔

"سنو اونیل! تمہاری وہ بداسلوب بہنیں"۔

"میری بہنوں کی سوچ کے مطابق تم ایسی بدباطن عورت کے وہ منہ لگنا نہیں چاہتیں"۔ وہ اپنے چہرہ پر مصنوعی تحمل اور معترانہ خول چڑھائے سردمہرانہ مسکراہٹ کے ساتھ قطع کلامی کرتا۔

"اچھا! ان کی یہ مجال"۔ جواباً" گلناز بے صبری کے ساتھ دھاڑتی۔

"یہ چرخائیں۔ ان کے مصنوعی شتر غمزوں اور گھٹیا فیشن پر پھٹکار۔ سمجھ کیا رکھا ہے اپنے تئیں آپ"۔

اس سے پہلے کہ یہ اودھم بچوں کے سامنے آخرکار دشنام طرازیوں کا رنگ بداختیار کر جائے۔ زریں ٹاپک تبدیل کرنے کی سعیء ناتمام کرتی۔ مگر منمنا کر رہ جاتی۔ کیونکہ گلناز کی جیسی ڈومینٹونگ وچ کے روبرو بین بجانے والی بات تھی۔

"باجی اس پرانے پاپی کی عقل میں اب تو نرسنگھ پھونک کر ہی دم لوں گی۔ بس! اب بہت ہو چلی۔ اپنی حرافہ بہنوں کی خوشنودی کی خاطر میری اور معصوم کیرن کی حق تلفی کرنا اس کا ایمان بن چکا ہے۔ بے ایمان کہیں کا۔ ایس ہول"۔

"یکی۔ یک...." کیرن بالکل غیر متوقع درمیان میں بول اٹھی۔

"ڈنر کی ٹیبل پر یکی نہیں بولا کرتے۔ ورنہ دوسرے لوگ جو ہیں نا وہ تھرو آؤٹ کر دیں گے"۔ گلناز نے بچی کی فہمائش کی۔

"کھانا یکی نہیں۔ فوڈ نہیں ہے یکی"۔ وہ معصومیت کے ساتھ اٹک اٹک کر بولی۔

"تو پھر کیا؟ یکی کیا ہے ادھر؟"

"یو مم"۔ وہ بھرائی آواز میں بولی۔ "یکی مم۔ یو۔ یکی۔ ہمیشہ میرے ڈیڈ کے ساتھ ڈنر ٹیبل پر یکی"۔ بچی کھانا چھوڑ بسورتی اندر جانے لگی۔

"نو! مائے بے بی! ہنی۔ آئی۔ لو۔ یو"۔ ماں اس کے پیچھے پکاری۔

"آئی ہیٹ یو۔ یکی۔ مم"۔ کیرن نے تراق پراق جواب دیا۔ اور بھاگتی اندرونی دروازہ میں اوجھل ہو گئی۔ ایک لمحہ سناٹا رہا۔ جیسے سوائے گلناز سبھی شرمندہ ہو رہی ہوں۔ ٹراپیکانہ جوس کا گھونٹ پی کر گلناز نے وہیں سے تان پکڑی جدھر چھوڑی تھی۔

"گلناز! سٹاپ اٹ۔ تم اس کی ماں بہن کو گالی مت دو۔ کوئی مرد اس نوع کی ہتک برداشت نہیں کرتا۔ اور وہ بھی اپنے سسرال والوں کی موجودگی میں"۔ زریں کو دخل در معقولات دینا پڑا۔

"گالی۔ آپ گالی کی بات کرتی ہیں۔ آئندہ ان چھچھوریوں نے میرے در پر قدم رکھا تو میں ان کی مکروہ بے رنگ چمڑیاں ادھیڑ کر رکھ دوں گی"۔

"کم از کم اپنے گھر میں ہماری پوزیشن کا خیال تو کرو۔ یہ شخص گمان کرتا ہو گا۔ کہ تم ہماری ترغیب پر ایسا کر رہی ہو۔ گو اس کے رشتہ داروں سے تاحال ہمارا تعارف تک نہیں ہے۔ اور پھر ہمارا ان کے ساتھ بیر بھی کیا؟"

"شاباش باجی! وہ ٹھہریں آپ کی سکھیاں۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ ماں کی سوکن تے بیٹی کی سہیلی۔ اور ہاں آپ اس وقت اردو میں گفتگو کیوں کر رہی ہیں۔ ایک تو یہ قاعدہ نہیں ہے۔ دوسرے اس کی موجودگی میں براہ مہربانی سب انگریزی بولا کریں۔ وہمی ہے۔ اپنی ہتک محسوس کرتا ہے۔ جو بھی کہنا ہو۔ صاف صاف بیان کر دیا کریں۔ سن لے بے شک ہماری گفتگو۔ یہ کوڑھی بدفرجام۔ مجھے کون سی ڈری ماری ہے اس کی"۔

بدفرجام صاحب کچھ نہ بوجھتے ہوئے اپنی خوابیدہ کرنجی آنکھوں کو ٹیڑھے میڑھے گھماتے چہار جانب نگاہ غلط انداز ڈالے اپنے کچے پکے باربی کیو بیف سٹیک پر سرعت کے ساتھ چھری کانٹا چلانے لگے۔ زریں گھٹی گھٹی سی لاجواب بیٹھی رہی۔

"خالہ زبان شیریں ملک گیریں"۔ اینا کے منہ سے غیرارادی نکل گیا۔ ماسی کو تاؤ آگیا۔ مگر بھانجی کا تھوڑا بہت لحاظ کرتی تھی۔

"بیٹے! تم کو کیا معلوم۔ امریکہ میں ایسے بد آئین شوہروں کے ساتھ میرے جیسی جی دار بیویوں کو ہر روز کا حساب مستقل مزاجی کے ساتھ بے باک کرنا پڑتا ہے۔ تم لوگوں کو تو میرا ہمنوا ہونا چاہیے۔ تاکہ اس کے چودہ طبق روشن ہو جائیں۔ کہ اس کے گھر میں اب میں اکیلی دکیلی نہیں رہی۔ کہ میری ہشت پشت بڑی ڈاھڈی ہے۔ اب میں اس کی کڑس نکال کر ہی دم لوں گی"۔

"گستاخی معاف خالہ! یہ آپ کا خالص اندرون خانہ معاملہ ہے۔ ہمیں تو معاف رکھیں۔ ہم کو کسی کے چودہ طبق روشن کرنے سے قطعی عدم دلچسپی ہے"۔ سہیل جو اس ویک اینڈ پر دوبارہ ماں بہن سے ملنے کی غرض سے ادھر موجود تھا۔ اس سارے غوغا کے درمیان پہلے پہل سہا بیٹھا سر جھکائے رہا۔ پھر یکدم بیزار ہو چلا تھا۔ اس کے الفاظ نے گلناز کے غصہ کو فیتہ دکھا دیا۔ وہ اپنے میاں کو بھول کر اور پنجے جھاڑ کر بھانجے کے پیچھے پڑ گئی۔ اونیل نے اپنے چہرہ پر تیز دھار تمسخرانہ مسکراہٹ کا غلاف کس لیا۔ پھر موقع غنیمت جان کندھے اچکاتا چپ چاپ وہاں سے کھسک پڑا۔ اور اندر لونگ روم میں اخباروں و رسائل کے ڈھیر میں گڑھا ارتکاز کے عالم کو روانہ ہو گیا جیسے کچھ بھی تو نہ ہوا ہو۔

"ہو کیئرز؟" وہ اپنے تئیں آپ بڑبڑاتا پر سکون ہو گیا۔

اب ہر رات دونوں میاں بیوی ڈنر باہر کھانے لگے۔ قیاس تھا کہ ان لوگوں کی موجودگی سے اسی انداز میں بھرپور فائدہ اٹھانے کا انہوں نے قصد کر رکھا ہے۔ کیونکہ کیرن کی دیکھ بھال سے گلناز تقریباً فارغ البال ہو رہی تھی۔ زریں اس حقیقت سے بہرہ ور تھی کہ ادھر ساکنان ہر کس و ناکس خاتون فقط اس ادا پر فنا ہو جاتی ہے کہ اس کے شوہر یا بوائے فرینڈ اسے کسی ایلگنٹ ریسٹورنٹ پر ڈنر کے لئے مدعو کرتا پھرے۔

گاہے بگاہے۔ ہر اگلی صبح گلناز ان کے روبرو رات کے ڈنر کی روداد چٹخارے لے لے کر بیان کرتی۔

"لاکارویلا کوزین جدھر مردوں کو خصوصی جیکٹ اور خواتین کو کم از کم نسوانی لباس زیب تن کر کے جانا پڑتا ہے۔ نیپلز اٹلی سی فوڈ۔ جس کا مطلب ہے ساحل سے بہت پرے آباد ایک جزیرہ۔ اس جزیرہ پر آپ کی تواضع کیڑے مکوڑوں۔ کیکڑوں۔ شرمپ ڈمپلنگ۔ پران۔ سلمان فش۔ تلوار فش۔ بلی فش۔ کریہہ المنظر چاؤڈر اور اس کا بھائی بند سکالوپ۔ ان تمام حشرات العرض کو تمامتر سلیقہ اور نزاکت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بعد اہتمام طعام کیا جاتا ہے۔ باجی! ہم میاں بیوی معمولی ریسٹورنٹ میں نہیں بلکہ مہنگے ترین ڈائننگ سپاٹس سے کھانے کے عادی ہیں۔ ہزار ہزار (ڈالرز) کے دو چار نوٹ اٹھ جائیں تو کیا۔ عمدہ ریسٹورنٹ میں تناول کرتے ہوئے عجب شان و شوکت کا سا احساس رہتا ہے۔ شیف (خانساماں) ادھر کوئی معمولی شخصیت نہیں ہے۔ عموماً" اپنے بھاری بھر کم ریسٹورنٹ کا مالک بھی ادھر بلا شرکت ایرے غیرے شیف خود ہوا کرتا ہے۔ بنفس نفیس وہ (شیف) عموماً" ہماری ٹیبل پر تشریف لا کر اپنے ہاتھوں سے ہمیں سروس دیتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہے۔

اب بیلنی ہی کو لیجئے۔ وہاں پر تمام ویٹرز اٹالین ٹیکسیڈوز زیب تن کئے چاک و چوبند مثل بت طناز آپ کو دکھائی پڑیں گے۔ بیلنی ایک کوزی ٹائپ کوزین ہے جہاں کلاس اٹالین اور ناردرن اٹالیں ڈیلی کیسی آفر ہوتی ہے۔ ساتھ ہی سپین اور پرتگال کی ڈشیں۔ اس کے علاوہ چوائس پر آٹھ قسم کے گھریلو تیار کردہ پاستا پرائما ویر۔ کبھی آپ لوگوں کو بھی ایک خاص کوزین پر لے جاؤں گی۔ اس کا کیا بھلا سا نام ہے۔ ابونان زا ریستورانتے۔ یہ نام ساؤنڈ تو عربی کرتا ہے مگر اٹالین ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ عربی اور اٹالین میں اس کا یکساں مطلب ہے۔ "لذیذ اور سخاوت سے بھرپور بھنڈارا"۔

ایک کیفے سٹائل ریسٹورنٹ ہے۔ "ولا پارے" وہاں پر" پاے ژان" (ایک

قسم کا پکوان) کی بہتات رہتی ہے۔ ہر وقت گرما گرم تیار۔ یہ لنچ کے لئے سو سو ہے۔

ویک اینڈ کی ایک شام اوٹل فلشنگ پر تھا۔ گلناز ان تینوں کو بمعہ کیرن چائنیز ڈنر پر لے گی۔ ڈریگن کے سروں کی ڈھکی پینٹنگز اور پیلی سبزی والی دیواریں۔ بولڈ سیاہ اونچی روشنیاں۔ ہر میز پر تازہ بتازہ پھولوں کے گلدان۔ باوردی صاف ستھرے مگر منہ بسورتے چائنیز ویٹرز۔ پیانو بجاتا نازک اندام تائی موسیقار۔ ریسٹورنٹ کے نام پر اپنا کا ہنستے ہنستے برا حال ہو رہا تھا۔ چنگ یو نانگ۔ کنگ کریپ سوپ اور ہنی بے بی چکن سوپ پیش کیا گیا۔ اس کے بعد کھانے میں طویل وقفہ۔ گلناز بتا رہی تھی کہ فار ایسٹ کے تمام ممالک ہر نوع کے حشرات الارض پکانے کے ماہر ہیں۔

"دیوزاد چھچھوندر کے یہ بڑے بڑے ڈکرے۔ جھٹکا کر کے اس کی آنت۔ اوجڑی۔ معدہ۔ کلیجہ سمیت دیگوں کے اندر کچا پکا ابالتے ہیں۔ اور اس براؤن ملیدہ کو سوپ جانتے ہوئے پیالوں پر پیالے ہڑپ کر جاتے ہیں۔ فلشنگ اور برکلین میں ایسے نظارے دیکھنے کو ملتے ہیں"۔

اچانک دو عدد" پوپو پلیٹرز" لائے گئے۔ زرلیخ کی بھوک کچھ بجھ سی گئی۔ ایک اولڈ سٹائل چاندی کی سینی ان کے روبرو لائی گئی۔ اس کے اندر سویٹ اینڈ ساور پیراڈائز چکن کے ٹکڑے سجاوٹ کے ساتھ دھرے تھے۔ مہک بری نہ تھی۔

پائن ایپل کی قاشوں۔ سرانو ثابت مرچ۔ مشروم اور اخروٹ کی گریوں کے ساتھ۔ ٹاپ پر نفاست کے ساتھ بیل بوٹے الگ بہار دکھا رہے تھے۔ بعد میں ڈک ساس سے ڈھکا موشو چکن۔ شاشا شرمپ جس پر سیمی۔ سویابین۔ ساس اور ثابت ڈرائے بنام پاسیلا۔ ہمراہ انڈا پلانٹ کی ٹاپنگ تھی ان کے سامنے پروسا گیا۔ بچے رغبت سے کھا رہے تھے۔ گلناز بھی جٹ گئی۔ آج اس کا موڈ فلیش کر رہا تھا۔ لطیفے چھچھے۔

زریں نے توجہ ہٹانے کی خاطر اس کی باتوں پر کان دھرنے کی کوشش کی۔ فرما رہی تھیں۔

"ادھر مشہور ہے کہ جس گلی محلّہ میں چائنیز مکین ہوں۔ وہاں پر ایک ایک کر

کے پالتو بلیاں غائب ہونے لگتی ہیں۔ باٹم لائن یہ ہے کہ پلی پلائی مرغی یعنی پرڈیو چکن اور بلی کی ران کے گوشت میں کوئی خاص فرق نہیں ہے اور ذائقہ"۔ زریں چھپاکے کے ساتھ میز سے اٹھ کر بھاگی۔ چنگ۔ یو۔ ٹانگ چائنیز کے بیک یارڈ کی جانب۔ شاید تازہ ہوا کی خاطر۔ ادھر پچھواڑے کی چمنیوں سے اٹھتے ملے جلے مزولا آئل اور گلی سڑی تلی تلائی مچھلی جیسے بھبکے تھے۔ اس سرانڈ بھری فضا میں کنکریٹ کے فرش پر تین چار برے بڑے سیاہ بوسیدہ گاربج کین جے تھے۔ جن کے ارد گرد بھانت بھانت پرندوں اور جانوروں کے بریدہ انجر پنجر بکھرے پڑے تھے۔

کافی انتظار کے بعد وہ سب حیران و پریشان اس کے سر پر پہنچے تو دیکھتے کیا ہیں کہ نازک مزاج زریں ریسٹورنٹ کے بیک یارڈ میں گھاس کے قطعہ پر ایک کونے کھدرے میں اکڑوں بیٹھی چپ چپاتے ابکائی کر رہی تھی۔

اس ویک اینڈ پر میاں بیوی کا مین ہیٹن کے اندر بسیرا کرنے کا ارادہ تھا۔

"ادھر رات کسی سہیلی کے ہاں ٹھہرنے کا ارادہ ہے؟" زریں نے دریافت کیا۔ "یا کسی ہوٹل میں کمرہ بک کروا لیا ہے؟"

"نہیں تو۔ مین ہیٹن میں ہم دونوں اکثر اوقات بیک مین ٹاور ہوٹل میں قیام کیا کرتے ہیں۔ ہم ایسے ویسے ہوٹلوں میں ٹھہرا نہیں کرتے"۔ گلناز کے منہ سے نکل گیا۔ پھر اپنے جملہ کی نزاکت کو تفصیل و تعریف سے ڈھانپنے لگی۔" یہ ایک ملٹائی ملینئر پرسٹیج ٹائپ ہوٹل ہے۔ یونائیٹڈ نیشن سے ایک بلاک فاصلہ پر۔ یہودی اس کا مالک ہے۔ آرٹ گیلریوں۔ بوتیک۔ شاپنگ ڈسٹرکٹ سے قریب ترین واقع ہے۔ ہائی رائز بلڈنگ کی شکل میں ہے۔ لہٰذا نیویارک سکائی لائن پر اپنا ایک مقام رکھتا ہے۔ اس ہوٹل میں عموماً ہم سٹوڈیو کی بکنگ کروا لیتے ہیں۔ بڑا آرام رہتا ہے۔ ہوٹل میں رہتے ہوئے بھی گھریلو سا ماحول میسر رہتا ہے۔ کشادہ لگژری بیڈ روم۔ جس کے اندر تمام فیچرز۔ سموک ڈی ٹیکٹر۔ کارڈ کی۔ سیکورٹی سروس۔ موسمیات کنٹرول سسٹم۔ اے

ایم۔ ایف ایم کیبل ؟ ٹی وی۔ ڈیک سسٹم۔ ریڈیو۔ ڈائریکٹ ڈائل انٹرنیشنل فون پلس۔ صبح بیداری کی سہولت سب موجود۔ لونگ روم الگ۔ ڈائننگ روم کم کچن مکمل کوکنگ رینج کے ساتھ۔ لگژری باتھ۔ ویلے پارکنگ کی آسانی۔ فٹ نیس اور ورک آؤٹ کلب سے کوزیاں (گرمابہ) یعنی گرم پانی کے سوئمنگ حوض۔ لابی کے ڈسک سے آپ اپنے پسندیدہ تھیٹر کے لئے ریزویشن کروایئے۔ ایئرلائن ٹکٹ۔ بزنس مین کے لئے فیکس۔ آڈیو وڈیئل لوازمات اور سیکرٹریٹیل سروس۔ شاندار بال روم ہے۔ کشادہ بنکوئٹ ہال۔ فلور پر کانٹی نینٹل کوزین، جہاں ہر لمحہ گرم گرم اشتہا انگیز پکوان۔ ٹاور کے ٹاپ پر خوشنما ہرا بھرا گارڈن ہے۔ مکین فارغ اوقات چھت کے اس گارڈن پر نہال ہوتے اور مین ہیٹن سکائے لائن کے پر فشاں نظاروں کی آب و تاب تکا کرتے ہیں۔ فضاؤں کی باس اس سرسبز و شاداب چھت پر لوگ بانگ پرائیویٹ شادی پارٹیوں۔ کاک ٹیل پارٹیوں اور بنکوئٹ کا انعقاد کرواتے ہیں"۔

وہ تینوں آنکھیں پٹ پٹائے گلناز کی باتیں سن رہے تھے۔ شاید من ہی من میں یہ سوچ رہے ہوں گے کہ خالہ بی ایک ڈیڑھ روز کی اقامت کی خاطر اس سفید ہاتھی کی سواری پر پانی کی مانند ڈالرز لٹا کر آخر کس سے داد و تحسین وصول کرتی ہوں گی۔ گو یہ شاہ خرچیاں ان کے آئے روز کا معمول ہیں۔

کیرن ہر روز کی طرح گھر پر زریں اور اینا کی سنگت میں رہی۔ معلوم نہیں کیوں ان دو دنوں میں ان کو خصوصی سکون کا سا احساس رہا۔ اور زریں کو سوچ و فکر کے چند لمحے میسر آ گئے۔ وہ امریکہ کیا پلان لے کر آئے تھے۔ اور یہ موجودہ ہڑبونگ کب تلک ان کے سروں پر سوار رہے گی۔ قیمتی وقت کا یہ زیاں اور شدید بے اطمینانی۔ یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ ایسا تو کبھی نہیں سوچا تھا انہوں نے۔ سکون کے یہ لمحے بہت جلد بیت جایا کرتے ہیں۔ کٹھن اوقات صدیوں پر بھاری ہوا کرتے ہیں۔ گلناز واپس آ گئی۔

گلناز خوش و خرم گھر میں داخل ہوئی۔ خوب تازہ دم تھی۔ تکان اتارے بغیر

قصہ کہانی بیان کرنے بیٹھ گئی۔ کہ ان دو روز اور ایک رات میں انہوں نے مین ہیٹن میں فقط براڈ وے تھیٹر بینی کی ہے۔ پہلے روز "والٹر کار تھیٹر" اڑتالیسویں سٹریٹ "اینجلز ان امریکہ" شو دیکھا۔ یہ شو چار مرتبہ ٹونی ایوارڈ یافتہ ہے۔ اسی شام چوالیسویں سٹریٹ پر "فینٹم آف اپرا" سٹیج شو۔ ہفتہ کی رات واؤ! کیسی پر لطف رات تھی۔ جب انہوں نے شام کا شو۔ مشہور زمانہ میوزیکل سٹیج شو جی بھر انجوائے کیا۔ "لا مزرابل" جس کو اب تک دنیا بھر سے تیس ملین افراد دیکھ چکے ہیں"۔

"خالہ! آپ کیٹس دیکھیں"۔ اینا نے دلچسپی لیتے ہوئے حصہ لیا۔ "بڑی شہرت سنی ہے اس شو کی۔ دنیا کا بہترین ڈانسنگ انٹرٹینمنٹ شو ہے کیٹس"۔

" تمہاری مراد ونٹر گارڈن میں پرانے چلنے والے شو کیٹس سے ہے۔ اچھا ہے۔ مگر خالی خولی اچھل کود سے کیا ہوتا ہے۔ مجھے ذرا سوبر ٹائپ میوزیکل پسند ہیں۔ جیسے لامزرابل۔ ایویٹا۔ وغیرہ۔"

لو جی! آگے ہفتہ بھر گلناز نے جاب سے تعطیلات لے لیں۔ ظاہری عندیہ یہ تھا کہ ان پردیسیوں کو امریکہ کی سیر کروائی جائے گی۔

ایک سہانی دھوپیلی صبح بریز وے کی بدرنگ موٹی لکڑی کی بڑی گول میز پر ناشتہ کے بعد اتراتی وہ کاغذ پنسل تھامے آ بیٹھی۔ یہ سات روز سیر و تفریح کے پروگرام مرتب کرنے کا سمے تھا۔

وہ کوئی امریکی تعطیل کا روز تھا۔ لہٰذا اونیل کو بھی چھٹی تھی۔ زباندانی ٹوورز کے اس پلانی کے لئے اونیل گائیڈ تھا۔ اور گلناز لوکیشن وغیرہ سمجھنے کی خاطر نقشہ کا سکیچ تیار کر رہی تھی۔ صلاح و مشورہ کچھ دیر امن و امان سے سے جاری رہا۔

فوک میوزیم فیسٹیول کیسے رہے گا۔ یہ سٹونی بروک میوزیم کی گراؤنڈ پر منعقد ہوتا ہے۔ بچو! میں ہر سال بلاناغہ شرکت کرتی چلی آ رہی ہوں۔ شاندار انٹرٹینمنٹ پروگرام ہوتے ہیں۔ میوزیکل کنسرٹ ٹریڈیشنل کہنہ وضع سازوں پر بجائے جاتے ہیں۔

ٹوُرسٹ وہاں پر دو باتوں سے بے حد لُطف اندوز ہوتے ہیں۔ ایک تو پرانے وقتوں کی ریل روڈ ۱۸۹۰ء ماڈل ڈائننگ کار۔ جس کے اندر بیٹھ کر لوگ گرما گرم برائلڈ چکن۔ روسٹ بیف۔ اور برائلڈ فش کا لنچ کرتے سیر نہیں ہوتے۔ اور دوسرے تمہارے ہاں کے تانگے اور بیل گاڑیاں"۔

"کیا محض تانگے اور بیل گاڑیاں دیکھنے اور برائلڈ گوشت کھانے کی خاطر ہم وہاں جائیں گے؟" اینا نے بھولِن سے دریافت کیا۔ خالہ چونکہ خوشگوار موڈ میں تھی۔ بگڑی نہیں۔

"نہیں بیٹے! لنچ کے بعد ہم پورٹ جیفرسن ہاربر ٹاؤن کی جانب نکل کھڑے ہوں گے۔ تاکہ بوتیک۔ آرٹ گیلری اور این ٹیک دوکانوں سے خریداری کریں۔ میرے خیال میں یہی مقام بہتر ہے گا۔ اونیل ڈیئر! جلدی سے نقشہ سمجھا دو۔ کون سا روٹ لینا ہے"۔

"فوک میوزیم فیسٹیول کے لئے تم لوگ آج جا رہے ہو"۔

"اور نہیں تو کیا؟"

"یہ کون سا مہینہ ہے؟"

"ماہ جولائی"۔

"تمہاری اطلاع کے لئے ہن (ہنی)! فوک میوزیم فیسٹیول سٹونی بروک پندرہ ستمبر کو لگتا ہے۔ ماہ جولائی میں ہرگز نہیں"۔ یہ سن کر گلناز لاجواب سی سر کھجانے لگی۔

"خیر۔ اونسٹو بے کا میلہ اونسٹو فیسٹیول کیسا رہے گا۔ جدھر فارموں پر چلے ہوئے پم کن (حلوا کدو) کو اس کی بیل کی شاخوں سے اپنے ہاتھ سے جدا کرنے کا لطف حاصل کیجئے۔ دل چاہے تو دوسری سبزی ترکاری تازہ بتازہ پھل فروٹ کو ۔ نتوں پودوں اور سرسبز زمین کی جڑوں سے اکھاڑیئے۔ کس قدر تھرلنگ! میں ہر سال ٹوکرے بھر بھر خریداری کرتی ہوں۔ یہ لانگ آئی لینڈ کا سب سے بڑا سرسبز میلہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے اندر فوڈ فیسٹیول کے علاوہ موسیقی کے مقابلے۔ ریس۔ گیمز۔ آرٹ

اینڈ کرافٹ۔ پرانی وضع کے سٹیج شو۔ نٹ بھانڈ۔ مسخرے۔ گھڑسوار۔ ورلڈ کلاس بائیک ریس۔ اور۔ اور کیا کچھ نہیں ہوتا۔ اونسٹو (گھونگھوں کے آبی جانور) کو پکا پکا کا ابلتا کڑھتا اس کے نصف شیل کے اوپر پروس کر بطور ضیافت ہر کس و ناکس کو پیش کیا جاتا ہے۔ لوگ انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں"۔

"پمکن (حلوا کدو) کس سے مطابقت رکھتا ہے؟" اونیل نے مداخلت کی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔ مجھ کو یہ بھی معلوم نہ ہو گا گویا! پمکن کو حلوا (ڈیزرٹ) کے یعنی پائے بنانے کے کام لایا جاتا ہے۔ سمجھ کیا رکھا ہے مجھے۔ یہ اے بی سی والے سوالات مت کیا کرو میرے سے"۔

"بگڑو مت ہن! ذرا دم تو لو۔ مجھے کیرن سے دریافت کرنے دو۔ ہاں ہاں بتاؤ کیرن سویٹی۔ پمکن کو ہم کس موقع پر گھر لاتے ہیں؟""

"او ڈیم یو! اونیل! تمہارا یہ مطلب تھا؟" گلناز بیچ میں ٹپکی۔

"تم اب خاموش رہو سویٹی پائے۔ تم نے اپنا چانس مس کر دیا۔ بچی کو جواب کی مہلت دو"۔

"ہالوین ڈیڈی۔ ہالوین ڈے۔ جب ہم بھوتوں کے موافق فینسی ڈریس زیب تن کر کے۔ اور آپ اور مم پمکن کا سخت خول تراش کر اس کے پیٹ کے اندر موم بتی جلانے کے بعد پھر اس کھوپڑے کو باہر دہلیز پر رکھ دیتے ہیں۔ تاکہ اس رات آسمانوں سے نازل ہونے والے بھوت ہمارے گھر کے اندر داخل نہ ہو پائیں۔ ڈی۔ ڈا۔۔ ڈک۔۔ اور سہ پہر ہم بچے مل جل کر ہمسایوں کے ہاں ٹرک اینڈ ٹریٹ کی بھیک مانگنے جاتے ہیں۔ پمکن کے نارنجی رنگ اور شکل و شباہت والے بیگ اور باسکٹ بازوؤں پر لٹکائے ہر دروازے پر دستک دیتے اور مٹھیاں بھر بھر کینڈی بطور ٹریٹ وصول پاتے ہیں۔ ابا! سنو اس سال مجھے اتنی ساری کینڈی کی بھیک ملی تھی"۔ اس نے جھولی پھیلا کر بتایا۔ "اور ہاں۔ ہالوین کی ڈراؤنی رات ڈوڈھ! سنو تو سہی کیا ہوتا ہے۔ ڈانا کے بیک یارڈ میں تمام درختوں پر سفید ڈراؤنے بھوتوں کے سر لٹک رہے تھے۔ نائن

بھوت میں نے خود گنے۔ اور سنڈی کے ڈیڈ اور مم نے اپنے فرنٹ یارڈ پر بھوتوں کی تین عدد تازہ ترین قبریں سجائیں۔ یس! میں' سنڈی اور اس کے بھائی ٹونی ہم سب نے مل کر ان بیچاروں کی قبروں پر پھول چڑھائے۔ واؤ! لطف آ گیا تھا۔ اور وہ ہے نا بلانڈی لنڈا ان کے پوشیو پر ایک سر کٹا شیطان کئی روز تک ان کی جھولے والی کرسی پر جھولا جھولتا رہا۔ میں نے ایک لات اس کی ٹوشی پر رسید کی۔۔۔"

"بس۔ بس۔ بس"۔ گلناز نے ٹوکا۔ "کیوں یہ ہالوین کا ذکر خیر ماہ جولائی میں کس خوشی میں ہو رہا ہے"۔ اس نے ڈھٹائی سے اپنے میاں سے دریافت کیا۔

"آپ کی یادداشت کے لئے۔ مذکورہ اونسٹر پمکن فیسٹول جولائی میں نہیں بلکہ اکتوبر میں منایا جاتا ہے۔ ہالوین ڈے کی تیاری کے سلسلہ میں منایا جاتا ہے۔ ان تمام مقامات پر تم تقریباً ہر سال جاتی ہو۔ پھر بھی تواریخ بھول جاتی ہو"۔

"میں نے ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ ان فکنز امریکی تہواروں کا۔ او کے۔ فارگیٹ اٹ! ایک بڑی شاندار زیارت گاہ ہے۔ ٹیڈی روزویلٹ ہاؤس جو کہ ساگا موربل پر واقع ہے۔ ساتھ ہی اولڈ ویسٹ بری گارڈن کی سیر بھی ہو جائے گی۔ ٹونی روما کے ریسٹورنٹ پر لنچ ہو گا"۔

"خالہ یہ مقام مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ ہمارا دیکھا بھالا ہے۔ جب میں پہلی مرتبہ امریکہ آئی تھی۔ آپ' میں اور مم۔ ہم تینوں نے ٹیڈی روز ویلٹ ہاؤس کا دیدار کیا تھا۔ اس کی سوندھی سوندھی برساتی بو ابھی تک میرے حواس خمسہ پر سوار ہے"۔

"او کے"۔ خالہ نے جلدی سے موضوع بدل ڈالا۔

"سٹرابیری فیسٹیول جانے کو بڑا جی چاہ رہا ہے۔ کہنہ وضع کنٹری میلہ وہ جو لن بروک ٹاؤن میں لگا کرتا ہے۔ جہاں عام میلوں کے تمام انتظامات کے علاوہ جائنٹ سائز سٹرابیری کے ہاٹ کیک اور اور بابا! کیا کہنے! پکی پکی کھٹی میٹھی بڑے بڑے سائز کی سرخ سرخ سٹرابیری جھاڑیوں میں سے چن چن کھانے کا مزہ ہی نرالا ہے"۔

"لگتا ہے آج کل کھٹے میٹھے پھل فروٹ کی اشتہاء بڑھ گئی ہے تمہاری۔ آسان

حل بتاؤں۔ بیک یارڈ کی جھاڑیوں سے میری کاشت کی گئی تازہ بتازہ سٹرابیری جتنا دل چاہے چن چن کھا لو۔ قصہ ختم"۔ اونیل کا لہجہ پھبتی کا سا تھا۔ ماحول پر رینگنے والی کھچاوٹ کو دور کرنے کی خاطر زریں خوش دلی کے ساتھ درمیان میں ٹپک پڑی۔

"ارے گلناز! یاد ہے۔ گئے گزرے سالوں میں ایک مرتبہ ہم تم ساؤتھ ہمپٹن گئے تھے۔ وہ خوشگوار لمحات اکثر میرے ذہن پر گنگنایا کرتے ہیں"۔

"او۔ یس"۔ گلناز کو جیسے ماضی نے گدگدا دیا ہو۔

"وہ عجیب مسخرا سا نام تھا۔ اس ریسٹورنٹ کا" پوپ ڈیک ریسٹورنٹ" اور ہمپٹن بے کی کیا خوب سیر کی تھی اس روز۔ اس پر نظارہ ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر ہم کھانے کے ساتھ ساتھ جھیل کے نیلگوں شفاف پانیوں کا دیر تک نظارہ کرتے رہے۔ کیسی چٹ پٹی راک کارنش مرغی تیاری کی تھی ظالموں نے۔ انگلیاں کاٹ کاٹ۔۔۔"

"اور ہاں میں نے کہا تھا کہ پلا ہوا مرغی کا بچہ یعنی چوچا (چوزہ) ہے۔ اس پر ہم دونوں کی پسلیوں سے ہنسی کے فوارے ابل پڑے تھے"۔

"آں۔ ہاں بالکل یاد ہے۔ چو۔ چوچا"۔ گلناز پر ہنسی کا وہی بے ساختہ دورہ پڑ گیا۔ جیسے وہ شادی سے پہلے کھلکھلا کر ہنسنے کی عادی تھی۔ میاں ہونق شکل بنائے اسے ٹکر ٹکر تکنے لگا۔ اینا اور کیرن کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی قہقہوں میں شامل ہو گئیں۔

"چوچا۔ چوچا۔ کتنا کیوٹ سا لفظ ہے۔ کس زبان میں بولا جاتا ہے مم؟"

"اور یاد ہے وہ جاب لین پر واقع بوتیک سے میں نے جو ڈریس خریدا تھا۔ کس قدر شاندار تھا۔ ابھی تک میرے پاس محفوظ ہے"۔ زریں ان دنوں میں پہلی مرتبہ کھل کر بات کر رہی تھی۔ "اور ساؤتھ ہمپٹن کا تاریخی میوزیم ہم نے جی بھر کر دیکھا۔ پھر پوسٹ آفس گئے۔ سکول ہاؤس ملاحظہ کیا اور پرانے وقتوں کے لوہار کی چالو دکان پر رکے۔ آخر میں مونٹاک کے مشہور لائٹ ہاؤس کے ارد گرد خوب تصاویر اتاریں"۔

"وہ تصاویر۔ باجی میں نے کئی مرتبہ ان کے پرنٹ آپ سے منگوا بھیجنے کو لکھا۔ مگر آج تک آپ نے...."

"وہ تمام پرنٹ ضائع ہو گئے تھے گلناز! میں نے تم کو انفارم کیا تھا"۔

زریں اپنی چھوٹی بہن کی سرشت سے خوب واقف تھی۔ کہ کسی کی تمنا یا ترتیب دیئے گئے پروگرام پر عملدر آمد کرنا۔ گلناز اپنی توہین سمجھتی ہے۔ لہٰذا ساؤتھ ہمپٹن میں زریں کی دلچسپی کے اظہار پر اب موضوع کو ناخوشگواری کی جانب کھینچنے کی سعی کر رہی ہے۔

"ان لوگوں کو گولڈ کوسٹ رائیڈز پر لے جانے کے متعلق کیا خیال ہے؟" اونیل نے دریافت کیا۔ "اٹھارویں صدی کے پیڈل مارکہ سٹیمر پر ساؤتھ سٹریٹ مین ہٹن کی دو گھنٹوں کی رائیڈ۔ تاحد افق پھیلا ہڈسن کا شفاف سرمئی پانی۔ کنارے کے ساتھ ساتھ گولڈ کوسٹ مینشن اور اسٹیٹ بوٹ سیرگاہیں۔ راہ میں فشنگ کے مستانوں اور لائٹ ہاؤسز کا نظارا لیتے جایئے۔ آگے سٹیمر سے اتر کر ہم کلاک ٹاؤن۔ پھولوں اور کلیوں کے ونڈر لینڈ کے اندر داخل ہوں گے۔ اور جارج واشنگٹن مانز پر لنچن ہو گا"۔

گلناز خاموش رہی۔

"ہاں ایک اور آپشن بھی ہے ہمارے پاس"۔ اونیل دوبارہ بولنے لگا۔ "سٹیمر نہ سہی۔ نیویارک ہاربر پر سرکل لائن بوٹ کے ذریعہ سیر کی جا سکتی ہے۔ دریائی کروز کے ڈیک پر بیٹھ کر ہم تین ہلکے پھلکے پر مہک و پر فضا گھنٹوں کے درمیان تمام مین ہٹن کا دریائی راؤنڈ مکمل کر پائیں گے"۔

"اونیل! کئی مرتبہ ہم دونوں سٹیمر اور کروز کا ٹوؤر کر چکے ہیں۔ آج کل اس کا موڈ نہیں ہے اپنا تو"۔ گلناز نے کمال بدلحاظی کے ساتھ اس پروگرام کو رد کر دیا اور کہنے لگی۔

"سنو تو سہی ڈیئری! میرے ذہن سے یہ بات سرک گئی تھی۔ وٹ اباؤٹ؟ وڈبری کامن فیکٹری آؤٹ لیٹ۔ یہ دنیا کی وسیع ترین آؤٹ لیٹ ہے۔ جس کے اندر

ہائی کوالٹی فیکٹری سٹورز ہیں۔ ایک سو پینتالیس سے اوپر ٹاپ ڈیزائنر نام برانڈ مینوفیکچرز کا مال وہاں پر محض فیکٹری پرائس پر دستیاب ہے۔ مثلاً این کلائن۔ کل ون کلائن۔ مانڈی۔ مارک کراس۔ جون اینڈ ڈیوڈ۔ ڈانا۔ کیرن اینڈ نائیک وغیرہ۔ باجی وہاں جی بھر شاپنگ کریں گے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟"

"مگر خالہ ہماری تو پاکستان شاپنگ کرتے مت ماری گئی تھی۔ یہاں آتے ہی فی الحال کیا خریدنے کو کچھ باقی ہے۔ ہمارے پاس تو پہلے ہی انباروں کپڑے اور لٹرم پٹرم ہے۔ مما سے سوٹ کیس سنبھالنے دوبھر ہو رہے ہیں۔ ابلے پڑتے ہیں"۔ اینا سے نہ رہا گیا۔

"ارے بیٹے کن کپڑے لتوں کی بات کر رہی ہو تم۔ پاکستان سے ہمراہ لائی گئی وہ تھگلیاں۔ یہاں کے ٹاپ ڈیزائنر نام برانڈ مینوفیکچرز کی گرد کو نہ پائیں وہ گڈریاں"۔ گلناز نے اپنی خصوصی ہٹیلی گہری ٹون میں اینا پر آنٹ نکال دی۔ زریں نے بحث کرنا بے سود جانا۔ مگر اینا ڈٹ گئی۔

"خالہ کیا کہہ رہی ہیں آپ۔ تھگلیاں! گڈریاں!! یہ گراں بہا گارمنٹس اور دوسری اشیا یہ سب تو مم کی زندگی بھر کی تگ و دو اور شوق کا نتیجہ ہیں۔ یہ سچے و انمول کامدار۔ زربفت۔ بنارسی۔ کم خواب و اطلس ادھر گوریوں اور کالیوں نے خواب میں دیکھے نہ ہوں گے"۔ اینا ایک سانس میں کہہ گئی۔

"بیٹے دیکھ لینا۔ امریکہ میں یہ کپڑے تمہارے کسی کام نہ آئیں گے"۔ گلناز کے چہرے پر ایک بدخواہ چمک کوندی۔ زریں ہکا بکا سی موقع کی نزاکت کو سونگھ رہی تھی۔ وہ تو خیر ہوئی۔ جو اونیل اپنی ہی دھن میں بیٹھا کوئی عقدہ حل کر رہا تھا۔ ان باتوں کی بھنک اس کے کان میں نہیں پڑی۔

"گاٹ اٹ"۔ اس نے نعرہ لگایا۔

"لائک وٹ؟" گلناز نے چونکتے ہوئے استفسار کیا۔

"پنڈار وانٹوی"۔ اس کا جواب تھا۔

"کیا ہو گیا پنڈار وائنری کو۔ کیا وہاں پر نیویارک سٹیٹ پولیس کا چھاپہ پڑا"۔ گلناز نے تمسخر اڑایا۔

"چھاپہ کیوں پڑنے لگا۔ وہ ایف ڈی اے کی پاس شدہ وائنری ہے"۔ اس نے چسکیاں لے لے اپنا خمار آلود بیان جاری رکھا۔ "شیلٹر آئی لینڈ کا یہ پرخمار مقام۔ یاہو! دیکھنے اور چکھنے سے تعلق رکھتا ہے"۔

"کس زیارت گاہ کا ذکر خیر ہو رہا ہے ادھر"۔ اینا اپنے دھیان میں بولی۔

"نہیں بیٹی۔ یہ تو ایک پرسیاحت وائنری ہے"۔ اونیل کا جوا بتھا۔

"وائنری کیا؟"

"شش! تم چپکی رہو اینا۔ بچے دخل در معقولات نہیں کرتے اس طرح"۔ گلناز نے اسے ڈپٹ دیا اور بمن کی جانب مڑی۔

"یہ لانگ آئی لینڈ کی سب سے بڑی شراب کشید کرنے والی بھٹی کا ذکر کر رہا ہے باجی"۔ اور باجی اس انکشاف کر کسمسا کر رہ گئی۔

"پنڈار وائن یارڈ پر تلچھٹ بھری ننھی ننھی بوتلیں سیاحوں کو بطور سوغات دی جاتی ہیں"۔ وہ سگار کے مرغولے اڑاتا ماحول سے بے خبر جیسے عالم خواب میں اپنے آپ سے مخاطب ہو۔ "قریبی گرین پورٹ پر چھوٹے چھوٹے ریسٹورنٹ نما بار واقع ہیں۔ طعام سے زیادہ ادھر لوگ پینے پلانے کا شغف جاری رکھتے ہیں۔ کچھ من چلے وقفہ سے فشنگ کو روانہ ہو جاتے ہیں۔ ایک ہاتھ میں مچھلی کا کانٹا دوسرے میں بوتل۔ الغرض فیری کے مختصر سفر میں سینکڑوں ننھی ننھی تلچھٹ بھری بوتلیں منٹوں کے اندر تقسیم ہو جاتی ہیں۔ شیلٹر آئی لینڈ میں آمد پر کئی ایک متوالے منتظر کوچ کے ذریعہ جزیرہ کے برگ و اشجار کے نظارے لینے کو نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ کچھ اس انداز میں کہ بوتل کا ساتھ جانے نہ پائے"۔

"نو۔ نو"۔ زریں کا پیمانۂ صبر لبریز ہوا۔

"وٹ؟"

"ایسی گفتگو کے ہم لوگ متحمل نہیں ہوتے"۔ زریں نے لال بھبوکا چہرے کے ساتھ بسرعت اپنا جملہ مکمل کیا۔ مبادا کہ گلناز اسے ٹوک دے۔ "اور نہ ہی ایسی جگہوں پر سیاحت کی کوئی تمنا رکھتے ہیں ہم۔ ہم لوگ۔ سمجھے آپ"۔

"سو مَنس یور سیلف"۔ وہ کندھے اچکاتا اور چہرہ پر کھلی ناگوار حیرت کے آثار چڑھاؤ لئے اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور باغبانی کی غرض سے بغلی یارڈ سے ہوتا ہوا اصطبل کی جانب نکل گیا۔ اکثر گھریلو جھڑپوں کے بعد وہ باغبانی میں پناہ لینے کا عادی تھا۔

بہرحال اس روز کی سیاحت کا لمبا چوڑا پروگرام انجام کار "ٹھنڈے کھوہ" میں جا پڑا۔ یعنی گلناز کی تان اس بات پر ٹوٹی کہ کلیورٹن کی نیشنل سمیٹری (قبرستان) کی سیر کی جائے۔ وہ رستہ بھر اس شہر خموشاں کی تعریفوں کے پل باندھا کی۔

"بہت شاندار قبرستان ہے جس کے اندر شٹل کے ذریعے سیر کی جاتی ہے۔ اوہو! لنچ ہمیں ہمراہ لانا چاہیے تھا۔ قبرستان کے اندر ریسٹورنٹ تعمیر نہیں کیا کنجوسوں نے"۔ اسے شکایت تھی۔

یہ عقدہ چند روز کے اندر کھل گیا کہ گلناز کی ان کے اوپر اس خصوصی ذرہ نوازی یعنی سیر و سیاحت کے لارے لپے کا اصل مفہوم ہے کیا۔ اگلے ہفتے ان کی شادی کی چھٹی سالگرہ کی شاندار تقریب کا شاندار پروگرام تھا۔ جس کو دھوم دھڑکے کے ساتھ اس مرتبہ اپنے بنگلے پر ہی منانے کا پروگرام تھا۔ سوائے کھانے پینے کی کیٹرنگ۔ زیادہ تر انتظامات کا سہرہ زریں اور اس کے بچوں کے سر ٹھہرا۔ وِرا تعطیلات سے واپس آ چکی تھی۔

شمولیت کی خاطر مہمانان گرامی کی ٹولیاں ایک روز پہلے اترنا شروع ہوئیں۔ امریکہ کی دور دراز ریاستوں سے من چلے دوست و احباب مانو! جیسے کیٹرنگ کمپنی کا کھانا طعام کرنے ادھر چلے آئے۔ اونیل کے پرانے یار دوست بمعہ اہل و عیال۔ دور

و نزدیک کے رشتہ دار۔ عزیز (گلناز کے دوسرے رشتہ داروں نے اس پارٹی سے بوجہ معذرت چاہی کہ وہ پار سال اس کا تجربہ رکھتے تھے) البتہ اس کی کالج کے زمانہ کی پاکستانی اور امریکن سہیلیاں موجود تھیں۔ میاں بیوی کے بزنس کے شناسا اور سٹاف ممبران وغیرہ۔ گھر کے اوپر تلے تمام لیول کھچا کھچ بھر گئے۔

امریکی ریاستوں اور شہروں مثلاً اوکلاہاما۔ اوہائیو۔ سیاٹل۔ اٹلانٹا۔ ڈیلاویئر۔ نیو ہیمپشائر۔ ایریزونا۔ کولوراڈو۔ الینوئے۔ آئیڈا ہو (جہاں کے آلو مشہور ہیں)۔ ساؤتھ ڈیکوٹا۔ مونٹینا۔ مشاواکا۔ منی ایپ لیس۔ ڈیٹرائٹ۔ لو ووزی اینا۔ اومنی ٹوبا وغیرہ۔

عجیب الخلقت تھے وہ سب کے سب۔ ضدی اور بد دماغ بچے۔ افلاطون مغرور شوہر۔ چھریرے بدن۔ اترا ہٹ اور تیکھے انداز کی مالک تقریباً تمام تر شادی شدہ خواتین۔ ان دو ڈھائی دنوں کی ہڑبونگ کے دوران زریں کے کان جھنجھنا اٹھے۔ کچھ اس قسم کے کلمات سے:

''بہترین سلیکشن۔ ایکسائٹنگ پیٹرن۔ دا فاسٹ مشہور ڈیزائنو کے کپڑے لتے۔ لیسی نیشنگ فرنیچر۔ گرما گرم اٹالین پرنٹ۔ تین فٹ کا پارٹی ہیرو۔ (ایک قسم کا برگر جو پارٹیوں میں بانٹ کر یعنی اپنا اپنا حصہ الگ کر کے کھایا جاتا ہے) چھ فٹ کی حوگی (ہیرو کی شکل کی ملتی جلتی برگر کی بہن) ڈی ژان کا مسٹرڈ۔ لائف ٹائم کمفوٹ۔ ڈی لائٹ فل سرپرائز۔ ون ملین ڈالر ہاؤس۔ بی ایم ڈبلیو گاڑی۔ فنی کامیڈی۔ منی برگر۔ شکاری کتے۔ پالتو دیوزاد چھچھوندر اور سانپ۔ کرافٹ میلے۔ اصلی کیمیو کے پن (بروچ)۔ پاپا شیل۔ دو قیراط ہیرے کا ٹینس بریس لٹ۔ میوزیم سٹائل کی تیئس قیراط منقش جیولری۔ ہارس ریسنگ اور کار ریسنگ۔ ففتھ ایونیو کا ٹرمپ ٹاور۔ ملٹائی ملینئر۔ ٹرمپ کی طلاق اور نئی شادی کے سکینڈل۔ وائلڈ لائف کی نسل کشی۔ لائف سائیکل ایروبکس۔ سٹاک ایکسچینج۔ میڈونا۔ ٹی وی آپرا شو۔ نیل سیلان (ناخن تراشنے والے سیلون)۔ دنیا کے گلوب پر برساتی جنگلات کی بربادی۔ الیکٹرک ٹیننگ (غسل آفتابی)۔ گاڈائیوا بلجیم کے چاکولیٹ۔ چھڑوں کا ایمپٹی نیسٹ سنڈروم۔ بچوں کا باپ

اپ ہٹ (خیمہ)۔ بڑوں کا ذاتی یاٹ۔ سوکر۔ بولنگ (ٹائن پنز)۔ آئس ہاکی۔ منکی اور منکی سٹیڈیم۔ نیویارک سٹیٹ لاٹری۔ دس ملین ڈالرز لاٹو کے انعامات"۔

"چشم فلک نے اس ریس کالنسس سوسائٹی کے انداز تکلم کا ایسا وردناک منظر کہاں دیکھا ہو گا"۔ سہیل کہے بنا رہ نہ سکا۔

گو یہ کاسٹیوم یا ہالوین پارٹی نہیں بلکہ شادی کی سالگرہ کا اجتماع تھا۔ مگر ان امراء خواتین کے ڈریس اپ ہو کر شمولیت کا انداز ناقابل فہم تھا۔ ماسوائے گلناز سب نے بالکل عام مگر چست کپڑے پہن رکھے تھے۔ لگتا تھا گویا مراتھون ریس پر دوڑ لگانے آئے/آئی ہوں۔ ملاحظہ کیجئے:

ٹینک ٹاپ اور بلیو جینز۔ کالر ہالٹر منی جیکٹ ہمراہ فلالین کا پھولدار پاجامہ۔ فلیس ٹاپ اینڈ بائیک شارٹس۔ لاؤنج پینٹس کے ہمراہ ڈپلومیٹ فلالین نائٹ شرٹس۔ باڈی بریف اور سونٹوزرلینڈ کاٹن کا پاجامہ۔ ایک بڑھیا نے جمپ سوٹ پہن رکھا تھا۔ ایک جھابڑ جھلے بزنس مین نے پھولدار سپورٹس ویئر کے اندر پناہ لے رکھی تھی۔ ایک صحت مند خاتون نے کھمی ڈریس کے ذریعہ جسم خاکی (ٹین شدہ) کو ڈھانپنے کی سعئی لاحاصل کی۔ ایک خوبصورت بلانڈی بلا ہلمکٹ کیٹ سوٹ کے اندر سلی سلائی تھی۔ کچھ عمر رسیدہ حضرات نے کاک ٹیل ڈریس یا فل بلاؤز زیب تن کر رکھے تھے۔ درجنوں دھاتی بٹنوں والی لیدر جیکٹ بھی دیکھنے میں آئیں۔ مردانہ رنگی شرٹس۔ بریز ڈریس بلکہ لمبی ٹائی والے شاعر بلاؤز بھی موجود تھے۔

اونیل روز مرہ دفتری امور اور تقریبات کے معاملہ میں لباس کے چناؤ میں خاصی نفاست اور ذوق کا مظاہرہ کیا کرتا۔ مگر آج وہ بھی اس غیر سنجیدہ فضا کا باسی تھا۔ اس نے کاسموپولیٹن جیکٹ ٹاپ کے ہمراہ شارٹس پہن رکھے تھے۔ اور پاؤں میں چرچ انگلش شوز۔

خواتین میں اکثریت نے بیلا رینا جوتے جن کے پنجے پر کٹ ہوتا ہے۔ سنیکرز۔ لوفرز۔ ہراش سینڈل اور ڈاکٹر شوال کھڑاویں بھی دیکھنے میں آئیں۔

گلناز کی سج دھج حسب معمول سب سے الگ تھلگ تھی۔ اس نے روسی گور کی بھاری بھرکم ڈریس جولائی کے اس بے تکے موسم میں محض یہ اس وجہ سے زیب تن کر رکھا تھا۔ محض جتانے کو کہ پار سال وہ روس کا دورہ کر چکی ہے۔ اس کی قریبی سہیلیوں کی رائے میں وہ تقریبات اسی مقصد کے لئے منعقد کروایا کرتی ہے۔ تاکہ اپنے قیمتی پتھروں اور خالص تیئس قیراط سونے کی نمائش کر پائے۔ اس روز بھی اس نے چمکتے دمکتے سونے کے تین بھاری سیٹ لاد رکھے تھے۔

زولاٹاز کا تیئس قیراط سونے کا سیٹ۔ سیلنی اور ٹیفنی سے خریدا گیا بائیس قیراط کے درمیانہ اور ہلکے سیٹ۔ سونے پر سہاگہ کے طور پر فریش واٹر پرل۔ مارکسے۔ اوپل۔ ایمی تھیسٹ۔ ٹوپاز اور سبز اگیٹ کے ہاروں کی لڑیاں اوپر نیچے گلے میں لٹکائے پھر رہی تھی۔ چار قیراط ہیروں میں جڑا ٹینس بریس لٹ دائیں اور سیفائر و روبی ریسٹ واچ بائیں کلائی کی آب و تاب تھے۔

پارٹی گھنٹوں جاری رہی۔ سوئمنگ پول کے اور ٹیرس کے ساتھ ساتھ۔ بریز وے۔ پوشیو۔ فرنٹ یارڈ۔ ہر جگہ بیٹھنے اور کھانے پینے کا انتظام تھا۔

پروفیشنل کلپ سو گروپ بے سری دھنوں پر جاری و ساری تھے۔ معلوم نہیں کیوں۔ کسی کا دل ناچنے کی جانب مائل نہ ہوا۔ صرف میزبان جوڑا وقفہ وقفہ کے بعد درمیان میں آ کر ست روی سے ناچنے لگتا۔ پھر دوسروں کی شمولیت سے ناامید ہو کر واپس چیٹرنگ گروہ میں آ بیٹھتا۔

فوڈ کیٹرنگ لڑکیاں کھانے کے لوازمات بلاتکان اور بار بار سبھی کو پیش کئے جاتیں۔

"رب جانے وہ سب ادھر کیوں جمع ہیں"۔ زریں دل میں سوچ رہی تھی۔ "نہ کھانوں سے رغبت اور نہ ہی مہمانوں سے مطلب"۔ البتہ اپنے اپنے ٹائپ کے گروپوں میں بٹ کر ان تھک باتیں کئے جاتے ہیں۔ کس قدر باتونی ہیں ادھر لوگ۔ اپنے اپنے ڈھنگ کے لوگوں سے فوری مانوس ہو کر چیٹرباکس کا روپ دھار لیتے

ہیں۔

بچے سیر ہو کر کما رہے تھے۔ کیٹرنگ لڑکیوں کے باوجود ان پر اینا کی ڈیوٹی تھی۔ ان دو ڈھائی درجن کے لگ بھگ بچوں کا پارٹی روم بیسمنٹ (تہ خانہ) یعنی کیرن کے پلے روم کے اندر ترتیب دیا گیا تھا۔ ہر بچے کے لئے پیپر گڈیز۔ کاٹن کینڈی۔ رنگ برنگے غبارے۔ رنگ برنگی کاغذی ٹوپیاں۔ اینا ان کے بازوؤں پر رنگ دار فیک ٹیٹوز بنا رہی تھی اور ان کے درمیان "اولا" کی کینڈیز تقسیم کر رہی تھی۔ جوسی جوس۔ ڈرنکس۔ ڈرنکس۔ سالگرہ کیک کے ٹکڑے کمرے میں ہر جانب بکھرے پڑے تھے۔

بعد میں ورائٹی پروگرام شروع ہوا۔ اس کے اندر ڈیڑھ گھنٹہ کا ڈی جے تھا۔ جس کے ساتھ کوپ کرنا ان ننھے بچوں کے بس کا روگ نہ تھا۔ ویرا اور اینا ہر بچے کو زبردستی گھسیٹ گھسات ناچا ناپی پر مجبور کرتیں۔ مگر بچے مارے کاہلی دھپ سے واپس اپنی جگہوں پر جا بیٹھتے۔ شاید زیادہ شکم پری کا نتیجہ تھا۔

درمیان میں ٹی شرٹ پر کمپیوٹر تصاویر بنانے والے نے سکریننگ کمپیوٹر پر اپنی کارروائی شروع کی۔ تو دھینگا مشتی شروع ہو گئی۔ اور آخر میں جب بچوں کی ہر دلعزیز تفریح یعنی میجک شو۔ شعبدہ بازی اور کلاؤن لیڈی کے مظاہرے جاری تھے۔ آغاز ہی میں بچوں کو غنودگی نے آلیا۔ وہ تھکے ہارے ادھر ہی کارپٹ پر پڑے سوتے رہے۔

رات کے آخری پہر ایک ایک کر کے تمام مہمانان گرامی گھروں کو سدھار گئے۔ زیادہ تر فلائٹس کے ذریعہ۔

اگلا روز تحفے تحائف کی رسم کشائی کا دن تھا۔ ہر تحفہ ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر۔ روغنی پھولدار رنگین گفٹ ریپ اور اوریجنل ڈبوں کے اندر پیک شدہ تحفوں کے انبار تھے۔

سرخ لکڑی اور مہاگنی کے جیولری بکس۔ کمبرلینڈ کی پچاس سالہ پرانی این ٹیک کے انمول نمونے۔ اولڈ سٹائل بھاری وال کلاک۔ کرسٹل کے نفیس ترین ڈیکوریشن پیس۔ ایک پیکج گھریلو ایکوریئم کے لئے مچھلی کو خوراک کھلانے والا خودکار آلہ تھا۔

آپ بے شک ہفتہ دو ہفتہ کے لئے سیاحت یا بزنس کی غرض سے ٹرپ پر جائیں۔ آپ کی پالتو مچھلیاں بھوکوں نہیں مریں گی۔ آپ کی غیر موجودگی میں یہ آلہ ان کے لئے بی کھلائی کا کردار ادا کیا کرے گا۔

ایک ڈبہ کے اندر کیڑے مکوڑوں کی ہلاکت کا سامان تھا۔ آٹو جنک ویکیوم پاور جو منٹوں کے اندر کیڑوں کے غبار کو نگلنے کے بعد خود بخود ہضم کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ یہ میاں بیوی کو دیر سویر سوئمنگ پول کے کنارے ڈیک چیئرز پر براجمان رہنے کی عادت تھی۔ اور پھول پتے اور جھاڑیوں کی پیداوار سینکڑوں کیڑے مکوڑے ان پر حملہ آور کی صورت محو پرواز رہتے۔ اس نوع کا کیڑے مار آلہ ان کے لئے بے شک سودمند تھا۔

ایک پیک کے اندر پورٹیبل ساؤنڈ مشین تھی۔ جو ماحولیاتی شور کو جذب کے کے آپ کو قابل قبول آوازوں مثلاً سمندر اور دریاؤں کے شور۔ ہوا کی کوکیں۔ جنگل۔ بارش۔ گرجتے بادلوں کی موسیقی اور پرندوں کی سریلی بولیوں کی لوری سناتی ہے۔ خصوصی طور پر بے خوابی کے شکار افراد کے لئے یہ سکھ کی نیند کا پیام ہے۔

بھاری بھر کم پیکج کے اندر گارمنٹس کی بھرمار تھی۔ بروکس براورز۔ اینی کلن۔ بربریز۔ اور امریکانوز شاپنگ سنٹروں سے خریدے گئے مہنگے مہنگے لوازمات۔ جیکٹ۔ ڈریس۔ کارڈیگن۔ پل اوور۔ مفلروں کے ڈھیر۔

جے کریو۔ برگ ڈارف۔ آسٹن ریڈ۔ پولو۔ بالی آف سوئٹزرلینڈ۔ لاف لارین جیسے سٹوروں کے زنانہ و مردانہ مہنگے مہنگے فیشن۔ یو وی کی سن گلاسز۔ ورتھ اینڈ ورتھ کی مردانہ بانکی کیپ۔ شنل کے زنانہ بیگ۔ پیری ایلس آف امریکہ اور کاٹمو کی رسٹ واچ۔ ورمیل سونے کی آرٹ جیولری۔

پرفیومز کی الگ آبشاریں پھوٹ رہی تھیں۔ بیولری ہلز۔ رافیلا اوپیئم۔ سکارپیو۔ ڈریکار۔ ویس سینٹ لارنٹ۔ بی جان۔ جوپ۔ کلوئی اور نینا رچی کے یہ بڑے بڑے سائز کی شیشیاں اور باسکٹ بھری پرفیومز۔

کلوئن کلائن۔ الیکنس۔ ویس سینٹ لارنٹ۔ لین کام۔ ایس ٹی لاؤر اور شنل کے میک اپ کا ڈھیروں سامان۔

ایک خوش نما ڈبے کے اندر چار اے بیٹری سے چلنے والا آڈیو وژئیل کمپونٹ سسٹم بند تھا۔ کمپیوٹر کے ذریعہ کنٹرول کیا گیا یہ دور جدید کا موثر ری لیکس انگ کمپونٹ ڈریم میڈیم کے کام آتا ہے۔ لہروں۔ روشنی اور آواز کی بنیاد پر قائم کیا گیا یہ آلہ انسانی مائنڈ کو بالکل فطرتی انداز میں مطیع کرتے ہوئے خواب کی پر سکون وادی کی جانب لے جاتا ہے۔

اس آلے کے اندر دستی کنٹرول سسٹم ہے۔ مختلف مگر انسانی ذہن کے ساتھ مطابقت کے پروگرام اس کے اندر فیڈ کئے گئے ہیں۔ ایک مرتبہ اپنے پسندیدہ پروگرام کا انتخاب کر لیا جائے۔ تو مسکن روشنیوں کے ایک سلسلہ کو بند آنکھوں کے ذریعہ دیکھا اور محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ہیڈ سیٹ کے ذریعہ خوش کن موسیقی بھری آوازیں چینل ہوتی ہیں۔ وہی پروگرام چنا جاتا ہے جو خواب دیکھنے والے کی ذہنی سطح کے ساتھ مکمل موافقت رکھتا ہو گا۔ میٹھی میٹھی نیند کا مزہ لوٹنا ہو تو پندرہ تا ساٹھ منٹ کا کوئی بھی پروگرام منتخب کیا جا سکتا ہے۔

خواب اور ماحول کی تان اس وقت ٹوٹی۔ جب گلناز اور اونیل کے درمیان اچانک یہ بحث چل نکلی۔ کہ اس کے اندر چار روشنی کے پروگرام اور چھ عدد ساؤنڈ پروگرام ہیں۔ گلناز اس حقیقت سے اس لئے منحرف ہو رہی تھی کہ دونوں پروگراموں میں برابری کیوں نہیں۔ تھوڑی دیر میں معرکہ شروع ہو چکا تھا۔ گلناز نے باری باری تمام تحفے اٹھا اٹھا کر پٹخنے شروع کر دیئے۔ زریں اور بچے یہ جانے بغیر وہاں سے کھسک پڑے کہ آیا کچھ سلامت بچا یا نہیں۔ اس لئے کہ نوک جھونک باقاعدہ کھڑاگ میں تبدیل ہو چلی تھی۔

معلوم نہیں رات کے کس پہر یہ گھمسان کی لڑائی تھی۔ پروا کسے اب۔ وہ صبح

ان کی روانگی کی خوش آئند صبح تھی۔ سلمان اپنی یونیورسٹی سے چھٹی کر کے تڑکے روانہ ہو چکا تھا۔ آج آخرکار اس کا پروگرام ان کو اس ہونٹڈ ہاؤس سے نکال کر فلی (فلاڈیلفیا) ان کے کرایہ کے اپارٹمنٹ میں سیٹل کرنے کا تھا۔

امید کے مطابق رات کے معرکے کی بازگشت سویرے سویرے کچن میں سے باہر آ رہی تھی۔ اس مبارک دن ان کو اس سوہان روح ماحول سے چھٹکارا ملنے والا تھا۔ کچن سے بدستور توڑ پھوڑ کی آوازیں جاری تھیں۔ مگر یہ گربہء کشتم آج آؤٹ آف ڈیٹ تھی کہ وہ روانگی کی تیاری میں جتے تھے۔ زریں خوش خوش اپنا بکھرا سامان سمیٹ کر پیک کر رہی تھی۔ اینا بیدار ہونے کے لئے کروٹیں بدل رہی تھی۔ سہیل شاور لے رہا تھا۔ اتنی دیر میں سلمان کی گاڑی پورچ میں آن رکی۔

وہ وقت سحر تین بجے روانہ ہوا تھا۔ اور اس وقت صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ وہ اتوار کا روز تھا۔ سلمان حسب عادت کھلکھلاتا۔ "ہائے بڈیز!" پکارتا پوشیو کے طوفانی دروازہ سے اندر داخل ہوا تو کچن سے سنائی دینے والی کھڑاگ سے زیادہ متعجب نہ ہوا۔ وہ اس روز روز کی ہلڑ بازی سے بخوبی واقف تھا۔ بھانجے کی آواز سن کر گلناز واری صدقے کہنے بے تابی سے بریز وے کی جانب لپکی۔

سب نے مل کر جلدی جلدی جلا بھنا ناشتہ میز پر لگا دیا۔ آج کا ناشتہ گلناز اور اونیل نے ذاتی دنگے فساد کے بیک گراؤنڈ میں مل جل کر تیار کیا تھا۔ مہمانوں کی رخصتی کے آنر میں۔ نرم نرم سپیشل پین کیک تلے گئے۔ ہمراہ کاٹیج چیز اور بلیو چیز (کائی شدہ پنیر کے ٹکڑے) بٹر ملک (لسی)۔ کبھی چھنو کافی اور پین کیک کی ٹکیوں کے اوپر انڈیل کر طعام کرنے کے لئے خالص ہوم میڈ میپل سیرپ اور تازہ مکھن۔

گرما گرم خوشبودار کافی کے دو گھونٹ پیتے ہی گلناز کی کھولن عود کر آئی۔ اس نے جنگ و جدل کا تانتا وہیں سے جوڑا جہاں پر کچن کے اندر اس کے ہاتھ سے کھسک پڑا تھا۔

"اس وقت ہم سفر پر روانہ ہو رہے ہیں۔ کم از کم ہمیں تو ذرا سوجھ بوجھ کے

ساتھ جانے دیا ہوتا"۔ زریں نے دبی زبان کے ساتھ کہہ دیا۔

"باجی اسی بات کا تو دکھ ہے مجھے۔ یہ گھمنڈی بس یہی چاہتا ہے کہ گھر کے اندر لگاتار ایسا بے سکون ماحول پیدا کیے رکھے کہ میرے رشتہ دار افروختہ ہو کر ادھر سے کھسک جانے ہی میں اپنی عافیت جانیں۔ اور اس کے بر خلاف جب اس کی چمتال بنیں گاہے بگاہے بن بلائے آن ٹپکتی ہیں۔ تو اس کی خوش اخلاقی کا منظر دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔

"یہ بات نہیں ہے۔ ادھر ہم فالتو روز تمہاری مجبوری اور تمہاری خواہش پر رکے تھے۔ ورنہ کون کسی کے در پر بیٹھ رہنے میں مسرت محسوس کرتا ہے"۔ زریں نے جلے بھنے پیک کیک کا ٹکڑا حلق سے اتارنے کی کوشش کی۔

"للہ باجی! اس کے سامنے اس طرح میرے گھر سے غیریت کا اظہار مت کیا کریں آپ۔ یہی تو اس کی دلی مراد ہے۔ تاکہ میں تن تنہا رہ جاؤں"۔ گلناز نے غم و غصہ میں بھرائی آواز میں کہا۔

"آج کل سٹاک ایکسچینج میں سنا ہے کہ مندے کا رجحان ہے"۔ سلمان نے اونیل کو مخاطب کر کے اس صبح کا موضوع تبدیل کرنے کی سعیء ناتمام کی۔ اونیل جیسے اسی کا منتظر ہو۔ جھٹ سے نیویارک ٹائمز کا پرچہ تھام سلمان کو اعداد و شمار بتانے بیٹھ گیا۔

"تم لوگ کچھ کھا نہیں رہے ہو۔ محض کافی کے گھونٹ پی رہے ہو"۔ وہ مہمانوں سے مخاطب تھی۔ کھاؤ گے بھی کیسے۔ اس بد طینت نے تو سارے پین کیک جلا ڈالے"۔

"تم خود تل لیتیں۔ میں کوئی تمہارا باورچی نہیں ہوں"۔ اونیل نے جلدی سے اس کی جانب جملہ پھینکا۔ اور پھر سلمان کے ساتھ ہنسنے ٹائپ گفتگو میں مشغول ہو گیا۔

"سنو! میں جا رہی ہوں"۔ یکایک گلناز نے پانسہ بدلا۔

"کدھر چلیں تم؟" وہ تھوڑا سٹپٹایا۔

"اپنی بہن کے ہمراہ"۔ گلناز کا یہ جواب ناہنجاز سن کر زریں سمیت سب کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی سرایت کر گئی۔ کسی کے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ دوبارہ گویا ہوئی۔

"میں ان لوگوں کو سی آف کرنے ان کے اپارٹمنٹ ذرا فلاڈیلفیا تک جا رہی ہوں"۔

"سوئٹس یورسیلف"۔ اونیل ہاتھ میں اپنی کڑوی کافی کا کپ اور اخبار تھامے ناراضگی کے موڈ میں میز پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"سلمان بھائی! تمہارا ہی حوصلہ ہے جو اکثر ویک اینڈ ان لوگوں کے ساتھ گزارا کرتے ہو"۔ کمرہ میں رخت سفر باندھتے ہوئے اینا نے بھائی کو چھیڑا۔

"ارے اتنے برے بھی نہیں ہیں۔ یہ دونوں جنے۔ فقط ان کا باوا آدم نرالا ہے"۔ سلمان نے بہن کے کان میں سرگوشی کی اور دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

"سنو! سلمان بیٹے!" گلناز نے دروازے کے اندر سے سر نکالا۔ "واپسی پر تم کو میرے ہمراہ میری گاڑی ڈرائیور کرنا ہو گی"۔

"کیا خالہ؟؟؟ یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ"۔ سلمان بدکتا کارپٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایسی کون سی انوکھی بات کہہ دی میں نے بیٹے! میں اس حال میں اتنی طویل ڈرائیو نہیں کرنے کے قابل۔ اور پھر اکیلے"۔

"خالہ! ویسے آپ اس قدر تکلف کیوں کر رہی ہیں۔ گھر پر آرام کریں"۔ سہیل نے درمیان میں مداخلت کی۔

"جس بات کی سمجھ بوجھ نہ ہو۔ اس میں اڑنگا نہ کرنا چاہیے۔ سہیل۔ میں تمہارے خالو کو اس بات کی اہمیت جتلا رہی ہوں۔ کہ میرے رشتہ دار اتنے گرے پڑے نہیں ہیں۔ میرا بھی فرض بنتا ہے کہ میں ان کو سی آف کرنے کی خاطر ان کے بسیرے تک جا پہنچوں"۔

"مگر خالہ ذرا غور تو کریں۔ ان کو ان کے اپارٹمنٹ میں سیٹ کرنے کے بعد رات واپس میری لینڈ کے روانہ ہو جاؤں گا۔ رات گئے ادھر پہنچو گا۔ سوچیں تو سہی! اور کل میرے دو ٹیسٹ ہیں۔ چار کلاسز ہیں۔ ایک پری زنٹیشن ہے۔ ذرا انصاف کریں۔ دونوں اطراف کل پندرہ گھنٹے ڈرائیو کر کے کل ٹیسٹ کیا خاک دوں گا۔ اور پھر واپس نیویارک آنا بالکل آوٹ آف دا وے بلکہ طویل تر سفر ہے"۔

"کیا تم میری خاطر ایک دو ٹیسٹ مس نہیں کر سکتے۔ میں بھی تو آخر تمہارے خاندان کی خاطر اس خستہ حال میں اتنی دور سفر کر رہی ہوں"۔ گلناز چمکی۔ سب ہکابکا اسے دیکھتے رہے گئے۔ جیسے کچھ کہنا چاہتے ہوں مگر کہہ نہیں پاتے۔

"مگر اپنی گاڑی کے بغیر میری واپسی کیونکر ہو گی؟" توقف کے بعد سلمان کے منہ سے نکلا۔

"ٹرین سے چلے جانا"۔ گلناز نے آسان حل بتایا۔"میں تم کو قریبی ٹرین اسٹیشن ڈراپ کر دوں گی"۔

"اور میری گاڑی۔ میری گاڑی اس صورت حال میں ان کے اپارٹمنٹ یعنی فلاڈیلفیا پر پارک ہو گی"۔ وہ روہانسا ہو رہا تھا۔

"تم وہ اگلے ویک اینڈ بذریعہ ٹرین جا کر پکڑ لینا۔ دونوں اطراف ٹرین کا کرایہ میرے ذمہ"۔ اس نے رعونت کے ساتھ جواب دیا۔ اور تیاری کے سلسلہ میں اپر لیول اپنے بیڈ روم کی جانب مڑی۔

"کچھ زیادہ برے نہیں ہیں۔ یہ دونوں میاں بیوی"۔ اینا نے بھائی کا منہ چڑا دیا۔ وہ اس سے ضرورت سے زیادہ سیریس تھا۔

"دوسروں کے معاملات میں اڑنگے لگانا۔ میری چھوٹی بہن کی بچپنے کی عادت بد ہے"۔ زریں آہستگی کے ساتھ بڑبڑائی اور دکھ و بے بسی کے ساتھ سلمان کی جانب دیکھتی رہ گئی۔

زندگی کا ایک نیا باب شروع ہو چکا تھا۔ نارتھ ایسٹ فلاڈیلفیا کے رہائشی علاقہ میں واقع یہ اپارٹمنٹ نہیں بلکہ ایک تو بیڈ روم ڈوپلیکس تھا۔ اولڈ سٹائل مگر تمامتر مکانیت کے ساتھ۔ الگ کچن معہ سہولیات۔ ڈائننگ کم لونگ روم۔ گھر میں ہر جگہ کھلی کلازٹ۔ صاف ستھرے غسلخانہ۔

"ان کا گھر اوپر کے لیول پر بے شمار کھڑکیوں کے ساتھ خوب ہوا دار تھا۔ گراؤنڈ لیول پر ایک بڑھیا تنہا مقیم تھی۔ بیسمنٹ نہایت کشادہ اور لانڈری کے ساز و سامان سے لیس تھا۔ مگر اسے استعمال کرنے کا ارادہ انہوں نے ترک کر دیا۔ کیونکہ در و دیوار کائی زدہ ہونے کی وجہ سے نرا ہونق تھا۔

نیو والنٹ گرین ایونیو پر واقع اس رہائش گاہ سے متعلق خرابی یہ تھی کہ تمام محلہ جات انتہائی متعصب۔ لوئر مڈل کلاس کے خالص قلی سٹائل امریکی گورے خاندانوں کی رہائش گاہیں تھیں۔ دور دور تک کہیں بھی ایشیائی خاندان کی آبادی نہ تھی۔ ایسے میں آپ سچ مچ اپنے تئیں آپ تنہا "ایلین" محسوس کرنے لگتے ہیں۔

نارتھ ایسٹ فلاڈیلفیا کی شیطان کی آنت کی مانند لمبی چوڑی گلیوں کا نقشہ سورج کی شعاعوں سے مشابہ ہے۔ روز ویلٹ مال اور دوسرے چھوٹے بڑے شاپنگ سٹوروں کے سنٹرل پوائنٹ سے نکلتی ہر جانب کو پھیلتی دور دراز تک کبھی نہ ختم ہونے والی الگ الگ ناموں سے منسوب گلیاں۔ گلی در گلی۔ در گلی۔ ایک دوسرے کے سنگ موتیوں کی لڑی کی مانند جڑے پروئے گئے دو۔ تین۔ چار منزلہ ڈوپلیکس اور اولڈ سٹائل ہونٹڈ قسم کے ترچھی آڑی چھتوں والے یونیفارم مکان۔ ہر مکان کے اندر سے بھونکتے بدوضع اور ہولناک کتے۔ ایک جیسے لیٹر بکس۔ تنی سجائی فرنٹ کھڑکیاں۔ گھنٹیوں سے آراستہ دروازے۔ خوبصورت لینڈ سکیپ۔ محنت سے اگائے گئے پھول و پودے۔ مخملیں گھاس سے ڈھکے صاف ستھرے فرنٹ یارڈ۔

زریں نے اپارٹمنٹ کو سیٹ کرنے کے بعد اولیں کام یہ کیا۔ کہ اپنا اور سہیل کے لئے یونیورسٹیوں میں داخلہ کی کوشش تیز تر کر دی۔ دونوں بچے چونکہ اپنے

سکولوں سے اچھے گریڈ میں پاس کر کے آئے تھے۔ لہٰذا داخلہ ملنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ مگر ٹیوشن فیس پناہ رب ذوالجلال! ٹیوشن فیس کے ڈانڈے ان پرائیویٹ امریکن تعلیم اداروں سے نکلتے آسمان کو جا ملتے ہیں۔ تعلیمی ایک سمسٹر چار ماہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک سال میں دو سمسٹرز ہیں۔ بقیہ مہینہ تعطیلات۔ سٹوڈنٹ چاہے تو گرمائی تعطیلات کے دوران کچھ مزید کریڈٹس پاس کر سکتا ہے جن کی فیس الگ لی جاتی ہے۔ ہر سال ٹیوشن فیس بہانے کیسے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ البتہ امریکن سٹوڈنٹ کے لئے تعلیمی قرضہ کے علاوہ ٹیوشن فیس فارن سٹوڈنٹ سے دو تہائی کم وصول کی جاتی ہے۔

الغرض دونوں بچوں کو فلاڈیلفیا ٹاؤن کی یونیورسٹی سٹی میں واقع پین یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا۔ فاصلہ بہت زیادہ تھا۔ کم از کم ایک گھنٹہ یک طرفہ مسافت۔ گو فلاڈیلفیا ڈاؤن ٹاؤن جس کے اندر یونیورسٹی واقع تھی۔ ادھر بھی کرایہ پر چھوٹا سا مکان یا اپارٹمنٹ حاصل کیا جا سکتا تھا۔ مگر نارتھ ایسٹ میں ان کی رہائش کا پلان ان کے نیوجرسی میں مقیم رشتہ داروں کی چودھراہٹ تھی۔ وہ اس وجہ سے دخل اندازی کے مرتکب نہ ہو سکے کہ شروع میں ہر پاکستانی خاندان کی طرح اس خاندان کو بھی اس ماحول کی اونچ نیچ سے لاعلمی کی بنا پر بلا کس و ناکس رشتہ داروں کے صلاح مشورے پر چلنا پڑا۔

ایک مرتبہ کرائے پر رہائش حاصل کر لیں تو ایڈوانس کرایہ کے ساتھ ساتھ سال بھر کے لئے لیز کے کاغذات کے لئے آپ پابند ہو جاتے ہیں۔

گاڑی خرید لی گئی۔ انتہائی عجلت اور پریشانی کے ساتھ زریں اور سہیل نے ڈرائیونگ کے امتحان پاس کر کے ڈرائیونگ لائسنس بھی حاصل کر لیا۔ امریکہ میں ڈرائیونگ لائسنس حاصل کرنا۔ ٹریفک رولز کی پابندی کرنا اور گاڑی کی انشورنس کی بھاری ادائیگیاں کرتے رہنا جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔ محض گاڑی خرید لینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

یہ موسم گرما کی تعطیلات کا زمانہ تھا۔ اینا اور سہیل کی کلاسز ماہ اگست کے آخر

میں شروع ہونا تھیں۔

ان اولیں ضروری فرائض کی انجام دہی کے بعد اچانک زریں بری الذمہ بلکہ بے کار مباش سا محسوس کرنے لگی۔ اس کیفیت نے اس کے مزاج پر اداسی اور تنہائی کا سا تاثر ڈالنا شروع کر دیا۔ وجہ یہ تھی کہ عدیم الفرصتی کا اس کے ہاں تصور نہ تھا۔ مصروف بھرپور بامعنی اور کار آمد زندگی گزار آئی تھی۔ موجودہ بے اہمیت اور بے کیفی کے اس گیپ کو پر کرنے کا اس نے ایک انداز سوچا۔ کہ جی بھر گروسری کی خریداری کیا کرے۔ کبھی گاڑی کے ذریعے کبھی پیادہ۔ وہ دن چڑھے قریبی سپر مارکیٹوں کی جانب نکل کھڑی ہوتی۔ دو گھنٹے کم از کم اپنے تئیں مصروف جان کر خوشی کا انوکھا احساس ہوتا۔ سپر مارکیٹوں کے اندر وہ خوب وقت برباد کرتی۔ ہر آئل۔ ہر ریک۔ ہر پیکٹ اور ڈبے کا تفصیلی مشاہدہ کرتی۔ ان کے مرکبات پڑھتی۔ اور نسبتاً بے ضرر فوڈ خریدتے ہوئے اسے عجیب علمیت کا احساس رہتا۔ ایکمی۔ فوڈ ٹاؤن۔ پیتھ مارک۔

خصوصاً" پیتھ مارک' سپر مارکیٹ کی شاپنگ۔ کاٹ کے ذریعہ گروسری کے خریدنے کا لطف ہی نرالا تھا۔ شاپنگ کاٹ کی ریلنگ پر سکرین کے ویڈیو ڈسپلے کے ذریعہ ہر آئل (ریکوں کے خانے) سے آپ کو اپنی مطلوبہ اشیاء کی ڈسکاؤنٹ قیمتیں اور دوسری معلومات اور یہ بھی کہ فلاں فلاں اشیاء اس ہفتہ کو پن سیل پر دستیاب ہیں۔ اس نوع کی تفصیلات لحہ بہ لحہ نظر آتی ہیں۔ شاپنگ کاٹ پر کندہ بٹن دبانے پر آئٹم بمعہ قیمت اور آئل نمبر سکرین پر نمودار ہوتا ہے۔ جس آئل کے سامنے سے گزر جائیے۔ اس کی لسٹ آپ کی نظروں کے سامنے۔

رجسٹر (کاؤنٹر) پر انتظار کے دوران کاٹ سکرین کے انٹرٹینمنٹ پروگرام آپ کی توجہ بٹائے رکھتے ہیں۔ لوکل اور ورلڈ نیوز۔ ہالی وڈ اپ ڈیٹ۔ تازہ موی ریویوز۔ شخصیات سے متعلق نت نئے سکینڈلز وغیرہ۔

زریں گھر میں اب گھریلوپن کی حد تک آمدن و اخراجات پر کنٹرول رکھا کرتی۔ تاہم خریداری جیسا کہ ادھر وبا ہے اس کا بھی" پاس ٹائم" بنتی جا رہی تھی۔ المونیم

فائل کے درجنوں پیکٹ۔ سینڈوچ زپر بیگ۔ انواع و اقسام کلینزر۔ ڈسپوزیبل فوم برتن۔ فیبرک سافنر۔ لانڈری ڈیٹرجنٹ۔ ہر ٹائپ ٹشو پیپرز کے درجنوں رولز۔ ایئرفریشنرز۔ صابن اور انواع و اقسام شیمپوز و کنڈیشنرز۔ ڈی اوڈرنٹ۔ ڈرائے لیمونیڈ۔ پاؤڈر کے ڈبے۔ آئس ٹی مکس کے ڈبے۔ ناشتہ کے لئے تمام اشتہاری سریل۔ طرح طرح کے پاستا اور سپیگٹی۔ آنٹ جمیمہ کے پین کیک مکس۔ اور انکل ٹام کا میپل سیرپ۔ گمی فروٹ رولز۔ پیپرتج فارم کی ککیز۔ ڈرائے فروٹ تلے تلائے بھرے لفنسے ٹن پیک۔ ٹیونا فش۔ سبزیوں اور فروٹ کے ٹن پیک۔ ے اوینز۔ پاستا ساس اینڈ ہیپ آف ٹریش۔ ایک ویک اینڈ پر بیٹا گھر آیا۔ تو یہ اچھا خاصا سٹاک دیکھ کر الجھن میں پڑ گیا۔

"سنئے مما! گاڑی آپ کے پاس ہے۔ گروسری سٹور اور سپرمارکیٹیں ہر گلی و محلّہ کے قریب تر۔ دراصل خریداری اکثر لوگوں کے لئے ڈپریشن سے نجات کا ایک ذریعہ بن جاتی ہے۔ یہ عادت ایک انتہائی کرانک صورت بھی اختیار کر سکتی ہے"۔

"یہ تم ڈاکٹر کب سے بن گئے"۔ پھر سنجیدگی سے کہنے لگی۔ "بیٹے دن تو مصروفیت میں جوں توں کر کے بیت جاتا ہے۔ مگر یہاں کی طویل روشن سرمائی شامیں بھاری ہیں۔ سرشام گھر کے اندر قلعہ بند ہو جانے سے طبیعت پر بہت زیادہ برا اثر پڑتا ہے"۔

"مگر مما نیچے گلی میں تو بے حد رونق رہتی ہے۔ آپ بھی فرنٹ یارڈ میں بیٹھ کر ہمسایوں کے بچوں کو کھیلتے کودتے دیکھا کریں"۔

زریں کچھ روز اسی فارمولا پر عمل کیا۔ فلاڈیلفیا میں موسم بہار کی آمد کے ساتھ ہی لوگ شاموں کا ہر لحہ جذب کرنے کی خاطر گھروں سے باہر نکل آتے ہیں۔ بچے۔ بوڑھے۔ جوان۔ ادھیڑ عمر سبھی اپنے اپنے گھر کے باہر سیڑھیوں' پورچ یا منڈیروں پر جم جاتے ہیں۔ بچے سائیڈ واک پر سائیکل چلاتے یا باسکٹ بال اور دوسری گیمز کھیلتے ہیں۔ مائیں ہمسایوں سے گپ شپ کے دوران بچوں پر بھی نگاہ رکھتی ہیں۔ مرد

حضرات آپس میں گاڑیوں کی مرمت۔ مہنگائی۔ میکنکوں کی لوٹ کھسوٹ اور اکانومی کی گرتی صورت حال پر تبادلہء خیال کرتے کبھی کبھی ایک دوسرے سے مکینکل ٹپس لیتے گاڑیوں کے انجن کھول کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اکثر خاندان مل جل کر یا دوستوں اور عزیز و اقارب کے ہمراہ اونچے ٹیرس پر " بار بی کیو" کرتے کھانے پینے میں ہمہ تن مصروف اور خوش باش نظر آتے ہیں۔ ہر گلی محلّہ کے اندر اندھیرا گہرا ہونے تک یہ رنگ برنگی ہماہمی اور گہما گہمی جاری رہتی ہے۔

زریں کچھ روز اپنے بیک یارڈ پر کرسی میں دھنسی بیٹھی ان گورے بچوں کی کھیل کود سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کرتی رہی۔ مگر جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ اس بستی کے مکین انتہائی متعصب۔ تنک چڑے اور سردمہر تھے۔ بلکہ اسی گھر کی گراؤنڈ فلور پر مقیم تنہا بڑھیا بھی الگ تھلگ اپنے پورچ پر جا بیٹھتی۔

زریں کو اس طرح خواہ مخواہ جی کے بہلانے کو یہ سلمان والا آئیڈیا زیادہ عرصہ نہ بھایا۔ کیونکہ اس طرز پر اس کمبخت احساس تنہائی اور اجنبی ہونے کی سوچ کو زیادہ تقویت ملنے لگی۔ اینا اور سہیل پہلے ہی سلمان کے اس مشورہ سے متفق نہ تھے۔ ان کا کہنا تھا۔

"ان متکبر ہمسایوں سے ہمارا کیا سمنبدھ۔ اپنے کوزی گھر کے اندر سنہری شاموں کے اوقات ہم توٹی وی سکرین کے سامنے زیادہ بھلے"۔

"میرا خیال ہے"۔ سلمان سوچ میں ڈوب گیا۔ "میرا خیال ہے وطن و گھر سے دوری۔ پروگرام کے برعکس اپنی پروفیشنل مصروفیات کا ناپید ہونا اور مزید تعلیم میں تاخیر۔ اوپر سے خالہ ہے ہاں گزرے صبرآزما وقت اور ادھر رشتہ داروں کی موقع پرستانہ خودغرضی اور بلاوجہ دھونس۔ یہ سب عوامل دھیرج کے ساتھ آپ کو اندرونی طور پر پژمردگی کی جانب دھکیل رہے ہیں"۔

"ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔

"ضرور ہے۔ اس کا اظہار آپ ہم بچوں کے روبرو اس وجہ سے کرنا نہیں

چاہتیں کہ ہماری ہمت و ارادے متزلزل ہونے نہ پائیں۔ سنئے! میں آپ کو ایسی ایک ترکیب بتانے جا رہا ہوں۔ جو سب کو یکساں بھائے گی۔ جو رقم آپ فالتو گروسری اور لانڈری کے فضول سٹاک پر ضائع کیا کرتی ہیں۔ کیوں نا اس کا بہترین استعمال کیا جائے کہ جس کے نتائج دوررس ثابت ہوں گے"۔

"وہ کیوں کر؟" سب نے یک زبان پوچھا۔

"یوں کہ گرمائی تعطیلات کی وجہ سے میرا ادھر کا ہفتہ دس روزہ چکر تو رہتا ہے۔ میری موجودگی پر ہم گھر میں دن بھر بیٹھے پکانے ریندھنے اور ٹی وی دیکھنے کی بجائے دور دراز کی سیاحت کے مقامات کی جانب کوچ کر جایا کریں گے۔ ہفتہ دو ہفتہ میں ایک ڈیڑھ روز کی یہ سیاحت ہم سب کے مزاج' ذہن اور صحت پر دیرپا خوشگوار اثرات مرتب کرے گی۔ ساتھ میں امریکہ کی سیر"۔

اس قدر باذوق مشورہ پر بھلا کس کو اعتراض ہو سکتا تھا۔ اور جہاں پر ہر فرد سیاحت کا کریز رکھتا ہو۔

سلمان کے پاس سیکنڈ ہینڈ آڈی کار تھی۔ فورویل ڈرائیو۔ ایک سو چوہتر ہائی پاور لائٹ ویٹ المونیم۔ چھ وی انجن۔ گلاس پینل چھت۔ منٹوں میں ہوا سے باتیں کرنے لگتی۔ سفر پر سلمان لگاتار ڈرائیو کرتا۔ چھوٹے بھائی پر فی الحال زیادہ بھروسہ نہ کر سکتا تھا۔ پیچ دار رستوں اور ایگزٹوں پر بھول چوک کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس سے گھنٹوں کا فرق پڑ جاتا ہے۔

شروعات ایک سو سالہ پرانی فیملی ریزارٹ اوشن سٹی سے ہوئیں۔ اوشن سٹی ریزارٹ امریکہ کے کیسنوز کے محلات کے شہر یعنی اٹلانٹک سٹی کی بغل میں واقع ہے۔

وہ فلاڈیلفیا سے مغربی جانب دریائے ڈیلا ویئر کو کراس کرتے ہوئے (والٹ وائٹ مین برج کے ذریعہ) اٹلانٹک سٹی ایکسپریس وے پر اتر آئے۔ آگے کشادہ صاف ستھرے۔ ہرے بھرے گارڈن تھے۔ پارک وے پر آرام دہ۔ گاڑی کی رائیڈ

سے نہال ہوتے جنوب کی اور چل دیئے۔ روٹ تیس کے اندر داخل ہوئے تو سامنے اوشن سٹی کا نظارۂ شام اپنے اندر پرتو جمال کی عجب شان و شوکت سمیٹے جھلمل جھلمل کر رہا تھا۔

ڈنر بریک کے لئے اوشن سٹی ڈاؤن ٹاؤن میں واقع "کالاباش" نامی ریسٹورنٹ کا انتخاب کیا۔ جہاں کا جڑی بوٹیوں میں بسا تھائی لینڈ کا چکن اور چکن مرسالہ مشہور ہے۔ بعد میں پورٹو ریکن فوڈ سٹینڈ سے ٹوفوٹی ڈیزرٹ خریدے اور دو میل لمبے بورڈ واک کی سیر کو روانہ ہوئے۔

ہر اوشن ریزارٹ کی مانند یہاں بھی رات اور روشنیوں کا فسوں تھا۔ خوشگوار ساحلی ہواؤں کا راج۔ یک طرفہ دوکانوں کی قطاریں۔ اور دوسری جانب ساحل سمندر کی مضبوط ریلنگ کا سلسلہ۔ ریت پر سیاحوں کے ہاتھوں بنائے گئے ریت کے دھندلے قلعے۔ جگہ جگہ پبلک کشتی ریمپ۔ دوکانوں اور سٹوروں پر ملک ملک کی ایگزاٹک شاپنگ کا ساز و سامان موجود تھا۔ فیشن آرٹ اینڈ کرافٹ اور بدستور ہر ملک کے کھانے پینے کے گرماگرم فوڈ سپاٹس۔

اینا کا جی للچائے جا رہا تھا کہ وہ ہر دوکان کی سج دھج اندر جا کر دیکھ لے۔ مگر بھائی خریداریوں سے خوفزدہ دکھائی تھے۔ لہٰذا کچھ خریدا نہ گیا۔ کیونکہ یہ سیاحت شاپنگ کے مرض کا تو علاج تھی۔

ایک مقام پر کچھ دیر وقفہ کر کے انہوں نے سدھائی گئی دیوزاد ویل پریوں کے آخری شو دیکھے۔ وہ بورڈ واک سے ایک سو چالیس فٹ آسمان کی جانب چھلانگیں لگاتیں اور بلندی پر پہنچ کر غوطہ کھاتے ہوئے دوبارہ شڑاپ سے پانی میں آن گرتیں۔ اس منظر کو قریب سے دیکھنے کے لئے جوق در جوق لوگ لپک رہے تھے۔

ایک جانب سینکڑوں بچے واویلا کرنے میں مشغول تھے۔ معلوم ہوا ادھر بچوں کی رائیڈز (جھولے) گیمز اور واٹر پارک ہیں۔

"نائٹ ان وینس" نامی دنیا کی عظیم ترین بوٹ پریڈ اوشن سٹی کے ہاربر کے اوپر

منعقد ہوا کرتی ہے۔

پرلی اور گولف کے شوقین حضرات دھند لکے تک بورڈ واک سے نچلی سطح پر گولف گراؤنڈ کے اندر منی ایچر گولف کھیلنے میں مگن رہتے ہیں۔

ذرا پرے دھوم دھڑکے کی آوازیں سن کر دوسروں کے ہمراہ بلا سوچے سمجھے وہ بے تابی کے ساتھ اس سمت میں بھاگے چلے گئے۔ اطلاع ملتی ہے کہ اوشن سٹی کا آکیسٹرا اس سے عروج پر پہنچ چکا ہے۔

ہر جگہ ہر مقام پر سیاحوں کا جم غفیر۔ مگر تقریباً ہر فرد سوجھ بوجھ کے دائرہ میں نظر آیا۔" وجہ یہ ہے"۔ سلمان نے بتایا۔ "یہ ایک ڈرائے ٹاؤن ہے۔ یعنی ادھر نہ تو شراب ہے اور نہ ہی شرابی کبابی۔ اس لئے ہر بندہ ہوش و حواس کے دائرہ میں گھوم رہا ہے"۔

آخر میں اوشن سٹی کے موی تھیٹر جانے کا پروگرام طے ہو رہا تھا کہ زریں نے اعتراض کیا کہ موویز تو وہ اندھیرے سویرے اپنے ٹی وی پر دیکھ لیتے ہیں۔ لہٰذا بہتر ہے جلدی سو کر صبح سویرے بیدار ہو جائے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ سیاحت کور کر لی جائے۔

وہ ایک صاف ستھری بیڈ اینڈ بریکفاسٹ سرائیں (موٹل) کے اندر اقامت پذیر ہوئے۔ کیونکہ اگلے روز انہوں نے دن بھر طویل سیرو تفریح کے سلسلہ میں باہر کاٹنا تھا۔

یہ لانگ ویک اینڈ یعنی جمعہ تا سوموار پر محیط تھا۔ کوئی نیشنل چھٹی درمیان میں آتی تھی اس لئے سلمان بے فکر تھا کہ اسے سوموار کی جاب پر نہیں پہنچنا تھا۔

آگے پروگرام تھا۔ اٹلانٹک سٹی کے دیدار کا۔ محض دیدار کا۔ اٹلانٹک سٹی دنیا بھر کے سٹہ بازوں کی جنت ہے۔ لوگ وہاں پر نائٹ لائف کی خاطر آتے ہیں۔ یہ لوگ چونکہ اس ساحلی علاقہ کی خوبصورت عمارتوں کی سائٹ سیئنگ پر نکلے تھے۔ اس لئے رات سے پہلے پہلے اس کے بیشتر حصے دیکھ ڈالے۔ تاکہ سرشام ہی واپسی ممکن ہو

سکے۔ بوسٹن ایونیو کا بالی کیسنو۔ پے سی فک ایونیو کا سیزر۔ اور الف لیلوی دنیا کا ٹرمپ "تاج محل" کیسنو ریزارٹ۔ اسے امریکہ کے شاہجہان "ٹرمپ" نے پانی کی مانند ڈالرز بہا کر تعمیر کروایا ہے۔ وہ تاج محل آگرہ سے بے حد امپریس تھا۔ یہ ماڈرن تاج محل بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ اٹلانٹک سٹی بورڈ واک کا ایک نگینہ ہے۔ برابر میں پرانا ٹرمپ پلازا ہوٹل اینڈ کیسنو اسی طرح قائم ہے۔ ٹرمپ کی اس نوع کی ایک اور لاجواب عمارت یعنی ٹرمپ کاسل کیسنو ریزارٹ ذرا پرے جھیل کنارے اپنا جلوہ دکھلاتی ہے۔

اٹلانٹک سٹی کا بورڈ واک اوشن سٹی کے مقابلہ میں زیادہ وسیع اور ٹھاٹھ باٹھ رکھتا ہے۔ ورلڈ کلاس ہوٹل اینڈ کیسنو جو ساتھ ساتھ آویزاں ہیں۔ یہ تمام عمارتیں زیادہ تر ادھیڑ عمر جوا بازوں سے رات گئے پیک رہتی ہیں۔ وہ سیاح جن کو جوا سے بالکل شغف نہ ہوا کرے۔ ان کی تعداد بھی کچھ کم نہیں۔ وہ جوق در جوق ادھر بورڈ واک پر واقع شاندار ہملٹن مال اور شور مال کی کشش میں کھنچے چلے آتے ہیں۔ جن کے اندر بھری پری دعوت نظارہ اور خریداری کا لالچ دلاتی ایک سو پچاس دوکانیں اور ڈیپارٹمنٹل سٹور ہیں۔ علاوہ ازیں میوزیم۔ آرٹ۔ وائلڈ لائف۔ ہارس ریس۔ کاؤنٹی پارک۔ سٹیج شو۔ میٹنگ۔ سیمینار۔ کانفرنسیں۔ پبلک گولف کورسز۔ انڈین سمر کرافٹ شو۔ کنسرٹ سالانہ بلیو بیری اور کرین بیری فیسٹیول کے مقابلے۔ پبلک شو۔ سپورٹس وغیرہ۔

ایک بڑی کشش مشہور زمانہ مس امریکہ پیجنٹ ہے۔ جو دوسرے ممالک کے اندر لوگ ٹی وی پر براہ راست دیکھا کرتے ہیں۔ یہ سالانہ اٹلانٹک سٹی کے بورڈ واک کی کنونشن سٹی سٹیج پر لائیو منعقد ہوتا ہے۔ ہزاروں شائقین ٹوٹے پڑتے ہیں۔

شام کا دھندلکا پھیلنے سے پیشتر انہوں نے دو ہزار کلونیل تاریخی گھر دیکھ ڈالے (کار کے اندر بیٹھے بیٹھے)۔ سکوت سے ڈھکے محلّہ در محلّہ گلی در گلی۔ پچھلی صدی کے گھروندے۔

اب رینٹل یاٹ کے اندر سوار ہو کر آبی سفر کو روانگی کا وقت تھا۔ ایک چھوٹے سے جزیرہ پر کچھ دیر کے لئے یاٹ رکی۔ تو معلوم ہوا کہ جزیرہ پر سمندری مخلوق کا بیوپار ہو رہا ہے۔ تازہ بتازہ آبی مال۔ لوگ مٹھیوں میں ڈالرز جکڑے خریداری پر پل پڑے۔ زریں اس مرغوب سمندری غذائی سرانڈ سے بچنے کی خاطر ناک کو رومال سے ڈھانپے جزیرہ کے کنارے جا بیٹھی۔ دور سرفنگ سے جھاگ اڑاتے نظارے تھے۔ جگہ جگہ پانیوں پر لوگ باگ کرائے کی رن بوٹ پر فشنگ اور کربنگ کر رہے تھے۔ قریب سے چارٹرڈ پارٹی یاٹ گزری۔ ڈیک پر ڈانس ہو رہا تھا۔ "مسٹک واٹرز" اور "ٹائم فش" سماعت اور روح کو سیراب کرنے والی موسیقی جزیرے کو چھو کر واپس پارٹی یاٹ کے ہمراہ چل دی۔

شام کے دھندلکے میں ان کا واپسی کا پروگرام تھا۔ گاڑی میں قدم رکھتے ہوئے انہوں نے پلٹ پلٹ اٹلانٹک سٹی کی سکائی لائن کو دیکھا۔

ضوفشاں رات کے نظارے ہر جانب دور و نزدیک تاحد نگاہ تھے۔ فضاؤں کے اردگرد اور پانیوں کے عکس میں رنگ برنگے روشنیوں کے شرارے جھپک رہے تھے۔ جھیلوں کے نیلگوں پانیوں میں عمارتوں کے چراغاں سے گرتی قوس قزح کے رنگوں کی چنگاریاں گویا ننھے ننھے تاروں کے برستے گل۔ افق تا افق روشنیوں کا سحر تھا۔

اگلی صبح ان کا ورنن ویلی گریٹ جارج سپر ریزارٹ کے ایکشن پارک کی سیاحت کا پروگرام تھا۔ سفر کا آغاز بہت سویرے ہوا۔ روٹ نمبر ۹۴ پکڑا۔ راہ میں تھوڑی بریک کر کے وہ ایکسپریس وے کے ریسٹنگ ایریا پر رکے اور رائے روجرز فاسٹ فوڈ سے گرما گرم بریک فاسٹ خریدے۔ وہ یہاں پر زیادہ وقت ضائع نہ کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا ناشتہ دوران سفر جاری رہا۔

ایکشن پارک برف ذخیرہ کرنے اور پانیوں کے جھولوں ہنڈولوں کی شاداں و فرحاں بستی ہے۔ **پچھتر** (۷۵) کے قریب آبی کریزی قسم کی رائیڈز ہیں۔ جن میں کمزور دل حضرات رائیڈز نہیں لے سکتے۔ ہارٹ فیل ہونے کا احتمال ہے۔ پانچ عدد لمبی

چوڑی پرائیویٹ جھیلیں۔ باون عدد سکیٹنگ سلوپ۔ چھتیس گولف سوراخ۔ بچے اور جوان ایکشن پارک کے جھولے ہنڈولوں کی دیوانگی میں سرشار اور ادھیڑ عمر و بوڑھے گولف کھیلنے میں سرگرداں۔

یہاں وہاں ڈائننگ اور پکنک سپاٹ۔ متمول لوگ ادھر ماؤنٹین والاز اور کانڈومینم (لگژری اپارٹمنٹ) کے اندر ڈیرے ڈنگے جمائے بیٹھ رہتے ہیں۔ یہ کانڈومینم جارج فیجر ڈیلیکس مکمل ساز و سامان سے لیس کرائے پر یا فروخت کے لئے دستیاب ہیں۔

ایکشن پارک کی خصوصایات یہ ہیں کہ ادھر دنیا بھر میں سب سے زیادہ برف ذخیرہ کرنے کا سسٹم موجود ہے۔ یہ برف موسم سرما کے دوران ڈھوئی جاتی ہے اور گرما میں اس کے اوپر سکیٹنگ کرنے والے ٹوٹے پڑتے ہیں۔

دوسرے ساحلی ریزارٹ ایریاز کی مانند ادھر بھی سٹیج شو۔ کنسرٹ۔ پولکا۔ جرمن اور آئرش فیسٹیول کی بھرمار رہتی ہے۔

آخرکار انہوں نے گھڑی دو گھڑی کے لئے کہیں جم کر اطمینان سے بیٹھنے کا قصد باندھ لیا۔ وہ کنسرٹ ہال میں داخل ہوئے۔ جہاں پر پہلے سے پانچ ہزار افراد فرحت و انبساط میں گم تھے۔ ان کے سٹیج کی جانب ساکت سروں پر ایک کیفیت نغمگی کا ہالہ تھا۔

کنسرٹ ہال میں اس سمے پاپولر برٹش سریلا گروپ "پنک فلائیڈ" نغمہ سرا تھا۔

واپس گھر لوٹے تو اس سیاحت کا کیف آگیں اثر ان پر اگلے کئی روز چھایا رہا۔ اب وہ شامیں گھر کے اندر یا گلی کی بظاہر شاداب مگر نفسیاتی طور پر گھمس بھری فضا میں بتانے کی بجائے قریبی پارک کی جانب نکل جاتے۔ اپنا جھولے جھولتی اور زریں اور سہیل آپس میں رگبی کھیلتے۔ کئی مرتبہ ادھر کھیلتے بچے بھی بلادعوت ان کے کھیل میں شامل ہو کر چہکنے لگتے۔

گلناز کی بلاناغہ کالوں کا سلسلہ لامتناہی جاری تھا۔ دو ایک مرتبہ اس نے کین کے ہمراہ اڑھائی گھنٹہ کا سفر کر کے چکر بھی لگایا۔ ہمراہ امریکی پہناوے۔ کوٹ۔ سویٹرس۔ کارڈیگن۔ کاسٹیوم جیولری۔ اور انٹ سنٹ لیتی آئی۔ بچوں کا خیال تھا۔ کہ خالہ زبان کی کڑوی سہی۔ مگر دل کی بری نہیں ہے۔ زریں اس کے بارے میں کوئی حتمی رائے دینے سے کتراتی تھی۔ آخر کو وہ اس کی بہن تھی۔ مگر وہ بہن کی حقیقی طینت اور خصلت باطنی سے ایک تیز فہم واقفیت رکھتی تھی۔ یہ کہ اس کی اس دست بردی۔ بے کار شاہ خرچی اور نمود و نمائش کے پردے میں ہمیشہ سے ایک عظیم نیش عقرب پوشیدہ رہی ہے۔ بلکہ خلوص نیت اور بے غرضی یا اقرباء پروری پر وہ سرے سے ایمان نہیں رکھتی۔

بچوں کی کلاسز شروع ہونے میں ہفتہ دس دن باقی تھے۔ سلمان کا پروگرام تھا کہ اس ویک اینڈ ان کو ایسے مقام کی سیاحت پر لے جائے کہ جس کی یاد ان کے دماغی نہاں خانوں کو منور کرتی رہے۔ چنانچہ اس نے اپنی یونیورسٹی جان ہاپ کنز واقع ہوم وڈ کیمپس بالٹی مور کا پروگرام بنا ڈالا۔

فلاڈلفیا سے کوئی اڑھائی گھنٹہ کا رستہ تھا۔ وقت بچانے کی خاطر انہوں نے یہ بہتر جانا کہ رات تین بجے سفر کا آغاز کیا جائے۔

جونہی گاڑی نیوجرسی ٹرن پائیک پر دوڑنے لگی۔ پچھلی سیٹ پر دراز زریں اور اینا کو نیند کے جھونکوں نے آلیا۔ ان کی آنکھ سویرے تب کھلی جب عظیم جان ہاپ کنز یونیورسٹی کی عمارتیں اور لینڈ سکیپ سامنے نظر آنے لگے۔ ڈرائیونگ کرنے والوں کے لئے بھی تھوڑی دیر ستا لینا ضروری ٹھہرا۔ فوری پروگرام یہ تھا کہ گھنٹہ دو گھنٹہ نیند کر لی جائے۔ تاکہ دن بھر تازہ دم رہ کر شہر نوردی کا لطف اٹھایا جائے۔

کیمپس کے ڈارم (ڈومیٹری) کی آٹھویں منزل پر سلمان کا کمرہ واقع تھا۔ تمام ضروریات و سہولیات سے لیس اچھا خاصا کشادہ کمرہ بمعہ اٹیچ باتھ و کچن۔ بستر۔

گدے۔ صوفے۔ ریک لانئو۔ جس کو جدھر ٹھکانہ ملا۔ گھوڑے بیچ کوئی تین گھنٹے پڑے سویا کئے۔

سب سے پہلے زریں بیدار ہو کر تیار ہونے لگی۔ باقی لوگوں کی تیاری میں مزید ایک گھنٹہ صرف ہوا۔ اس کے بعد سلمان کے ڈیپارٹمنٹ کے کیفٹریا میں ناشتہ کا پروگرام تھا۔ بالکل سادہ ناشتہ میں بھی لذت بھری تھی۔ شاید وہ سب اس بات پر دل ہی دل میں نازاں تھے کہ ان کا عرصہء دراز کا سہانا خواب تکمیل کو پہنچا۔ سلمان کی یونیورسٹی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا آنز۔ اس سے اس سادہ بریکفاسٹ میں کتنا لطف بھرا تھا۔ گرما گرم ریزن اوٹ میل کے بیگل جن کی اندرنی تہ میں فلاڈیلفیا چیز کریم کا لیپ تھا۔ ہمراہ سوندھی فولجرز کی تازہ کافی۔

بعدازاں گھوم پھر انہوں نے یونیورسٹی کی کئی عمارتیں اور ڈیپارٹمنٹ چھان ڈالے۔ سلمان نے ان کو اپنے اساتذہ اور فیکلٹی ممبران اور یونیورسٹی ڈین کے ساتھ ملایا۔ ہر منہ سے بیٹے کی تعریف سنتے ہوئے ماں پھولی نہ سمائی۔ سلمان نہ صرف بہت اچھا سٹوڈنٹ بلکہ اپنی بلڈنگ کا ریزیڈنٹ ایڈوائزر بھی تھا۔

ان کا اگلا پڑاؤ بالٹی مور شہر تھا۔ بالٹی مور ریاست میری لینڈ کا ایک پرفسوں شہر ہے۔ سیاحوں کے لئے اپنا اس کا ایک انداز خوباں ہے۔ بہار شروع ہوتے ہیں سیاح دیوانہ وار کھنچے چلے آتے ہیں۔ چہار جانب خوش باش۔ خوش لباس اور خوش اطوار لوگ۔

نیویارک اور فلاڈیلفیا جیسے متعصبانہ اور گھٹی گھٹی فضاؤں کے چڑچڑے اور بدمزاج ساکنان کے مقابلہ میں یہاں پر بالکل مختلف انوکھی شگفتگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔

ہر اجنبی چہرہ پرسکون۔ نورانی سا اور قناعت کی چمک دمک سے شرابور جیسے اجنبی نہ ہو۔ یہ شہر سیاحوں کے دم قدم سے آباد ہے۔ لہٰذا سیاحوں کو بالکل اطمینان سے گھومتے پھرتے دیکھا جا سکتا ہے۔ نیویارک اور فلاڈیلفیا کے اندرون شہروں جیسے

نیورانک یم پاگل۔ فریک اور چور اچکوں کے خوف و ہراس سے بالٹی مور کی فضائیں ناآشنا ہیں۔

وہ ایک روپہلی دوپہر تھی۔ شائقین گروہ در گروہ امڈے پڑ رہے تھے۔ ڈاؤن ٹاؤن کی رائیڈ (سیر) کے لئے انہوں نے بالٹی مور ٹرالی ٹورز کے ٹکٹ خریدے۔ گاڑی وہ پہلے ہی ایک پانچ منزلہ ویلے پارکنگ پر دن بھر کے لئے محفوظ کروا آئے تھے۔ یہ ٹرالی شہر کے ہر خوبصورت، پرکشش سپاٹ پر ٹھہرتی۔ سواریوں کو اتارتی چڑھاتی آگے بڑھ جاتی۔ ہر پندرہ منٹ کے بعد آپ کو خصوصی سٹاپوں سے اگلی ٹرالی مل سکتی ہے۔ اگر کہیں بھی اترنے کا رادہ نہیں ہو ت وہ آپ کی مرضے پر منحصر ہے۔ محض ٹرالی گائیڈ پرسن کے ذریعہ تمام مقامات کی سیر کرتے جایئے۔

بالٹی مور ایرینا۔ بالٹی مور سٹی ہال۔ بالٹی مور کنونشن سنٹر اینڈ میسٹویل ہال۔ بالٹی مور انٹرنیشنل کلی نیری کالج کوکنگ ڈیمانسٹریشن تھیٹر۔ آگے بالٹی مور کا زو تھا۔ یہاں پر یہ لوگ ٹرالی سے نیچے اترے۔ زو کے ٹکٹ گیٹ پر خریدے گئے۔ اندر کوئی بارہ سو کے قریب جانور ان کے استقبال کو مستعد تھے۔ سب سے زیادہ ان کو افریقین سیاہ پاپنگوئن نے محظوظ کیا۔ وہ زو کے اندر سینکڑوں کے حساب سے موجود تھے۔

واپس لوٹے۔ تو معلوم ہوا اگلی ٹرالی کی آمد میں دس منٹ کا وقفہ ہے۔ قریبی سٹور سے بھین اینڈ بھیری آئس کریم خرید کر کھانے لگے۔ ٹرالی کا یہ سٹیشن کوئی مشہور عالم کیتھڈرل تھا۔ گائیڈ بتا رہا تھا۔ کہ پورے یو ایس کے اندر یہ اکلوتا میٹروپولیٹن کیتھڈرل ہے۔ جدھر ہر قوم و ملت کے باشندے ایک صف میں کھڑے ہو کر یسوع کے حضور سر جھکا سکتے ہیں۔ (ورنہ ہر مقام کلیسائی کالوں اور گوروں کے کیتھڈرل اور چرچ جدا جدا ہیں گو یسوع سب کا ایک ہے!) آگے بروئر پارک تھا۔ آگے چارلس سٹریٹ۔ سل برن۔ پھر پرات فری لائبریری۔ اس کے بعد ایورگرین ہاؤس۔ یہ ہاؤس بلاشبہ اپنے طرز کی ایک میوزیم پیس عمارت ہے۔ اڑتالیس کمروں پر مشتمل اٹالین مینشن۔

اگلا سٹاپ فیل پوائنٹ۔ میری کا نیشنل یادگار قلعہ اور ہسٹارک شرائن۔ ہمپٹن

نیشنل ہسٹرائک سائیٹ۔ اس کے بعد ہاربر پلیس اینڈ گیلری۔ ادھر ان کا اترنے کا ارادہ تھا۔ مگر پھر سوچا پہلے ٹرالی کوچ کا ٹوور مکمل کر لیا جائے۔ واپسی پر ادھر ٹھہر کر بقیہ گھنٹے پرکشش ہاربر پلیس کی نذر کئے جائیں۔ آگے ہالوکاسٹ میموریل ہے۔ جو کہ چھ ملین یہودیوں کی نازیوں کے ہاتھوں ہلاکت کی یادگار ہے۔ اس کے بعد ہاپ کنز پلازہ۔ پھر از ہاربر۔ پھر لولی لین ہیتھا ڈسٹ چرچ۔ پھر مارکیٹ سنٹر۔ میری لینڈ سائنس سنٹر کا شاپ۔ ماؤنٹ کلیئر میوزیم ہاؤس۔ نیشنل ہیڈکوارٹر بلڈنگ۔ ناسا ڈاؤ میپس فلائٹ سنٹر۔ نیشنل ایکوریم ان بالٹی مور۔ پارک آف کیمڈن یارڈ۔ پی باڈی میوزک سکول (یو ایس کا قدیم ترین میوزک سکول)۔ ٹرالی ٹھہرتی سواریوں کو اتارتی چڑھاتی آگے بڑھنے لگی۔ لو جی! پرائڈ آف بالٹی موڑ ٹور کے نظارے جی بھر لیجئے۔ یہ رہا سینٹ جوڈ شرائن اور وہ رہا سینٹ ونس ڈی پال چرچ (پرانا ترین کیتھولک چرچ) شاٹ ٹاور۔ ایس ایس جان ڈبلیو براؤن (لبرٹی سمندر) ٹاپ آف دی ورلڈ۔ وار میموریل بلڈنگ اینڈ پلازہ۔ واشنگٹن مانیومنٹ۔ آخر میں ویسٹ منسٹرہال اور ساتھ مین سمیٹری (قبرستان)

ٹرالی سے اتر کر وہ سٹریٹ نوردی کرتے رہے۔ شام پڑ چکی تھی۔ ہاربر کی سیر کا پروگرام انہوں نے اگلے روز پر ڈالا۔

بھوک سے سب کا برا حال تھا۔ کیونکہ لنچ سکپ آف کر دیا گیا تھا۔

بالٹی مور کے ڈاؤن ٹاؤن میں ہوٹلوں اور ریستورانوں کا جال بچھا ہے۔ انٹرنیشنل، فرنچ، امریکن، اٹالین، ہوائی، انڈین، چائنیز، جاپانی، جرمن، گریک، افغانی، میکسیکن، فارسی، میڈی ٹرے نیئن، تھائی، ویت نامی اینڈ وٹ ناٹ۔

کسی ایک شہر کے اندر اس قدر بڑے سکیل پر بہتات اور ورائٹی اس سے پہلے ان کی نظر سے کہاں گزری تھی۔ پریشان ہونے لگے کیا کھایا جائے۔ آخر زریں کی فرمائش پر اکبر ریسٹورنٹ کی راہ لی اور آرام سے بیٹھ کر پاکستانی کھانے پر ڈٹ گئے۔

اگلی صبح انہوں نے احتیاط کے ساتھ ایسے پروگرام مرتب کئے کہ کم از کم جن

سائٹس پر جایں دھیرج سے اس کی تمام تفصیل دیکھ پائیں۔ اور ان میجر سائٹس کا انتخاب ہو۔ جو چاروں کی دلچسپی کا موجب بنیں۔

انر ہاربر اور ہاربر پلیس گیلری پر اتفاق رائے تھا۔ کہ ان دونوں پرسیاحت جگہوں سے خوب لطف اندوز ہونے کے علاوہ زیادہ سے زیادہ کور کر سکتے تھے۔ گاڑی انہوں نے ایک قریبی ویلے پارکنگ پر چھوڑی اور پیدل چلتے ہاربر پلیس اینڈ گیلری کے اندر داخل ہوئے۔ یہ کوئی آرٹ گیلری نہیں بلکہ شاپنگ اینڈ ڈائننگ سپاٹ ہے۔ اس کے اندر ڈیپارٹمنٹل سٹورز۔ میوزک۔ دوکانیں۔ پرکشش ٹھیلے۔ باافراط کھانا پینا۔ تھیٹرز۔ فوارے۔ ایسکی لیٹرز۔ اور سکائے واک ہے۔

شیشوں کی دیواریں اور سنگ مرمر کے فرشوں والی چمکتی دمکتی شرارہ بار عمارت کے اندر رنگ برنگے سٹورز اور بازار ہیں۔ ان لوگوں کو اس سے ادھر زیادہ کشش محسوس نہ ہوئی۔ کیونکہ اس نوع کی ایک گیلری وہ کئی بار فلاڈیلفیا سٹی کے اندر بھی دیکھ چکے تھے۔ اس وقت ان کی دلچسپی کا اصل سامان انر ہاربر تھی۔

انر ہاربر۔ سن ۱۷۲۹ء سے امریکہ کی سرزمین پر قائم ہے۔ یہ ایک واٹر فرنٹ پورٹ ہے۔ جنگ عظیم دوئم کے آخر تک یہ ہاربر تجارت کا منبع رہی۔ اس کے بعد اسے سیاحوں کی کشش کی خاطر ایک نئی انٹرٹینمنٹ کے سانچہ میں ڈھال دیا گیا۔ اور آج سائنس ایڈونچر۔ ہسٹری۔ فوڈ۔ فیشن اور فن کی آماجگاہ ہے۔

سلمان نے انر ہاربر کی مکمل سیر کے لئے " برنچ اینڈ لنچ ڈنر کروز" کا مشورہ دیا۔ مگر زریں متفق نہ ہوئی۔ اس کا کہنا تھا کہ آبی کروز پر شام چھ بجے ڈنر کے لئے بورڈنگ ہوتی ہے۔ اس طرح ان کو پابندی کے ساتھ کروز پر ہی رہنا پڑے گا۔ پھر ڈیک پر پینے پلانے والوں سے اٹھتی مکروہ بدبو نے فضا کو مکدر کر رکھا ہو گا۔ سفر بالکل بے کیف ہو جائے گا۔

" سلمان! ایک تو دن بھر کروز پر ٹنگے رہنے سے وقت برباد ہو گا۔ تکان۔ مصرف بے جا اور پھر ہمیں ان کے کھانے پینے اور میوزک و ڈانس سے کیا رغبت؟؟"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے"۔ سلمان بے چوں و چراں مان گیا۔ "فی الحال ہم خراماں خراماں بورڈ واک پر چلیں گے۔ اس کے بعد واٹر ٹیکسی یا ہاربر شٹل کے ذریعہ قابل دید آبی مقامات دیکھ سکتے ہیں"۔

اس مرتبہ انہوں نے خوب تصاویر اتاریں۔ سلمان بتا رہا تھا کہ تقریبات اس ہاربر پر ختم ہیں۔ چار جولائی یوم آزادی کی طویل بوٹ پریڈ۔ اور شام آزادی کو فائر ورک نائٹ ان وینس۔ جس کے نظارۂ پرتپاک کی خاطر یہ ہاربر خلقت خدا کا شعلہ جوالا بن جاتی ہے۔ دسمبر میں اولڈ سٹائل کرسمس بھی یہیں پر منائی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں سکائے ریزارٹ ڈمپلے۔ گرما کے کارنیوال۔ انڈین سمر ویک اینڈ۔

لوگ چار جولائی یوم آزادی کے لئے۔ مدر ڈے۔ ویلنٹائن ڈے۔ اور سال نو کی شام کے اہتمام کی خاطر مہنگی اور سپیشل کروز ریزرویشن ہفتوں پہلے کروا لیتے ہیں۔

"مارچ کے مہینہ میں رنگ لنگ برادرز سرکس بنام "گریٹسٹ شو آن ارتھ"۔" پار سال میں نے دوستوں کے ہمراہ وہ سامنے والی بالٹی مور ایرینا کے اندر بیٹھ کر دیکھی تھی۔ ہزاروں تماشائی"۔

"اور کیا کیا دیکھ ڈالا سلمان بھائی اکیلے اکیلے؟ اینا نے چھیڑا۔

"یہ کہو کیا نہیں دیکھا"۔ سلمان نے سینہ پھلاتے جواب دیا۔ "اپریل کے مہینہ میں ہاربر پلیس پر مداری نٹ بھانڈوں مسخروں اور جادوگروں کے ڈھول تماشے۔ مئی کے مہینہ میں بالٹی مور میوزیم آف آرٹ این ٹیک شو۔ جون میں کولمبیا فیسٹیول آف آرٹس کا ڈنکا تھا ہم دوست مل کر نصف گھنٹہ کی ڈرائیو پر کولمبیا پہنچے اور دن بھر اس فیسٹیول کی نذر کر ڈالا۔

"محض آرٹ ورک دیکھنے گئے تھے کتنے بدذوق ہو"۔ اینا نے دوبار چھیڑا۔

"نہیں"۔ سلمان اس کا مزاح نہ سمجھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔ "یہ فیسٹیول کوئی معمولی کھیل نہیں۔ دس دن اور دس راتوں پر محیط ہوا کرتا ہے۔ میوزک۔ فوک ڈانس۔ کنسرٹ۔ آرٹ و کرافٹ شو اور بیک گراؤنڈ میں بالٹی مور کا سمفنی اوکیسٹرا

مصروف رہتا ہے"۔

"یہ سب آپ ماہوار کیوں دیکھا کرتے ہیں"۔ سہیل نے بے خیالی میں ٹوکا۔

"ارے گوف! ان میلے ٹھیلے اور تقریبات کا سلسلہ موسم بہار اور گرما کے خاص الخاص دنوں اور قومی و مذہبی چھٹیوں پر حاوی رہتا ہے۔ روز روز عید نیست کہ حلوا خورد"۔

"بھائی مجھے تو بھوک لگ رہی ہے"۔

"سہیل! تمہاری بھوک میرے بس کا روگ نہیں ہے"۔ سلمان نے مذاقاً کہا۔ "کاش یہ مئی کا مہینہ اور چودہ پندرہ تاریخوں کی درمیانی رات ہوتی۔ تو آج تم کو مارکیٹ پلیس کی ورلڈ فیسٹ (دعوت) پر لے جاتا۔ تم رات بھر کھاتے سیر نہ ہوتے۔ ارے میرے یار! شب بھر لنگر رہتا ہے۔ بھنڈارا۔ خواص و عام کے لئے یکساں۔ کسی کا کشکول خالی نہیں جاتا"۔

"کیسی ندیدی باتیں کر رہے ہیں خدا نہ کرے ہم کبھی مانگے تانگے کا کھائیں"۔ ماں نے درمیان میں ٹوکا۔ تینوں ہنسی سے لوٹ پوٹ ہونے لگے۔

ہاربر شٹل کے ٹکٹ خریدے گئے۔ بے حد سستا ریٹ تھا۔ دن بھر کا سفر محض دو ڈالرز فی کس۔ شٹل میجر شاپ پر رکتی۔ شائقین اپنے فیورٹ ٹھکانوں پر اترتے چڑھتے۔ شٹل آگے چل پڑتی۔ آبی راہوں میں دو ایک مسافر پیڈل بوٹ (کشتیاں) الیکٹرک بوٹ رائیڈز اور واٹر ٹیکسی قریب سے گزرا کیں۔

فیل پوائنٹ سے ہوتی میری ٹائم میوزیم اور نیشنل ایکیوریم پر شٹل رکی۔ تو سلمان کے اشارہ پر وہ سب ساحل پر اتر پڑے۔ شیشے کے جائنٹ شوکیسوں کے اندر مقید پانی میں بہتے تیرتے کوئی پانچ ہزار جانور اس نیشنل ایکوریم کی زینت تھے۔ داخلہ بذریعہ ٹکٹ۔ ہلاکو شارک مچھلیاں۔ ڈولفن۔ کچھوے۔ پنگوئن۔ شوخ و شنگ رنگوں والے دیوزاد مینڈک اور چھچھوندر۔ آکٹوپس۔ دریائی گھوڑا۔ دریائی بلی۔ گولڈ فش اور کیا کچھ نہیں۔

واپس ہاربر شٹل سٹاپ پر پہنچے تو شٹل کی آمد میں بارہ منٹ باقی تھے۔ بطور سنیک ڈوریٹو۔ ٹارٹیلوز اور اناس جوس خریدے گئے۔

کونشن سنٹر اور ہاربر پلیس ابھی نظر سے اوجھل نہ ہوئے تھے کہ سلمان اچانک اٹھ کھڑا۔

"یہی ہماری منزل مقصود ہے"۔ اس نے تینوں کو نیچے اترنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ انر ہاربر آئیں اور میری لینڈ سائنس سنٹر کا دیدار نہ کریں تو سمجھ لیں کہ بے انتہا قسم کے نان سائنٹیفک افراد ہیں آپ سب کے سب"۔

"مگر بھائی! وہ فیڈرل ہل پارک اور میوزیم آف انڈسٹری کے سٹاپ تو ابھی بہت آگے ہیں"۔

"ارے سکپ آف کر دیں گے ان کو کوئی خاص نہیں یہ دونوں مقامات۔ چلو ادھر میری لینڈ سائنس سنٹر۔ میں تم لوگوں کو آج ایک سرپرائز دوں گا"۔

میری لینڈ سائنس سنٹر ڈیوس پلانٹریم کے لئے داخلی دروازے پر ٹکٹ آفس سے سلمان نے چاروں کے لئے ٹکٹ خریدے۔

اندر ہال میں ذرا مختلف نظارا تھا۔ سائنس و ہسٹری کے امتزاج سے آنے والے کل کے لئے ایجادات کا سہل ترین ڈسپلے تھے۔ کمرہ در کمرہ گھوم پھر وہ دیکھتے رہے۔ کہنہ ہسٹری کو سائنٹیفک سانچہ میں ڈھالا گیا تھا۔ مثلاً ہلتے جلتے چیختے چلاتے دیو جثہ قبل از تاریخ جانور۔ ڈائنوسارس وغیرہ۔

"سلمان بھائی وہ سرپرائز کیا تھا؟" اینا کو کھوج لگی تھی۔

"رکو سب۔ ایک دائرہ بنا کر کھڑے ہو جائے"۔ سلمان نے تمہید باندھی۔

"بیٹے! ڈرامہ نہیں چلے گا۔ جلدی سے بتا بھی دو"۔ زریں نے ڈپٹ کر کہا۔

"یہ ٹکٹ مما"۔اس نے جیب سے ٹکٹ نکال کر ان کے سامنے بڑھائے۔

"یہ دنیا کے مشہور ترین تھیٹر یعنی آئی ایم اے ایکس تھیٹر واقع ڈیوس پلانٹریم کے دو عدد

شو کے ٹکٹ ہیں۔ چار اور پانچ بجے والا شو"۔
بہن بھائی مسرت سے اچھل پڑے۔
تھیٹر ہال پیک تھا۔ زریں کا خیال تھا۔ شاید ناچا ٹاپا کے شو ہوں گے۔ مگر وہ سائنٹیفک شو تھے۔ بے حد آرٹ فل۔ اور قابل تعریف۔ اس سے پیشتر اس نوع کے شو ان کے دیکھنے میں نہ آئے تھے۔ شاندار جوتی اثرات۔ جائنٹ سکرین۔ پینورامک وژن۔ ہر ایک شو ایک گھنٹہ پر مشتمل تھا۔ وہ اپنی سیٹوں پر دم بخود بیٹھے رہے۔
پہلا شو دنیا کے برساتی جنگلات کے سلسلہ ہائے کی دردناک تباہی و بربادی کے نظاروں پر مبنی موقع پر فلمائی گئی ایک دلیرانہ سچائی تھی۔ زبردست پینورامک وژن اثرات کے تحت ان کو گویا یوں لگتا۔ جیسے اڑن کھٹولے پر سوار کھلی فضاؤں میں اور کبھی گھور جنگلات کے اوپر تیر رہے ہوں۔ کھائیاں۔ چٹانیں۔ اور آسمان سے جھڑتی آبشاریں۔ سب ان کی راہ میں ہیں۔ آسمان پر محو پرواز پرندے ان کی سنگت میں۔
ان فسوں کاریوں سے تب چونکے جب دوسرے شو کے لئے وقفہ پر ہال منور ہو گیا۔ دلنشین تاثر لئے وہ چند لمحوں کے لئے دوبارہ ایگزٹ سے ہوتے ہوئے نئے کیو کے ساتھ جا ملے۔
اگلا شو سمندری ہلاکو مچھلی وہیل اور شارک کے بارے میں حقیقت پر محیط تھا۔ والنٹیئر سکوبا ڈائیورز پر فلمائی گئی ریسرچ سٹڈی کی حقیقی فلم تھی۔ مگر ایسا معلوم ہوا۔ جیسے مشہور موی بنام جاز پارٹ ون دیکھ رہے ہیں۔ والنٹیئر جس انداز میں جان پر کھیل کر ہلاکو وہیل مچھلیوں کے ساتھ دھینگا مشتی کرتے ہیں۔ رونگٹے کھڑے کر دینے کے لئے کافی تھا۔ اور پھر صوتی اثرات۔ ساؤنڈ اور پینورامک وژن کی جادوگری جیسے یہ آبی دیوہیکل بلائیں ناظرین پر ٹوٹ کر چڑھائی کر رہی ہوں۔ ہال میں بچے چیخ چلا رہے تھے۔ اور بڑے دم بخود۔
ڈنر انہوں نے شو کے آخر میں سائنٹفک سنٹر کے اندر واقع مشہور چین

ریسٹورنٹ فرینڈلیز آئس کریم پارلر اینڈ ریسٹورنٹ کے اندر بیٹھ کر تناول کیا۔ چکن گرل اینڈ فرنچ فرائیز۔ ہف مشک اینڈ بیک آلو ہمراہی سب کے لئے فری میڈیم سوڈا۔

یکسانیت۔ مصروفیت اور سرمائی سیزن شروع ہو چلا تھا۔ بچے کلاسز اٹنڈ کرنے۔ سٹڈی۔ لائبریریوں کے چکر اور یونیورسٹی آمد و رفت کی طویل مسافت کے اندر گم ہو کر رہ گئے۔

صرف پہلا سمسٹر پاس کرتے ہوئے ان کا بیشتر سرمایہ کام آ چکا تھا۔ سلمان نے سہیل کو مشورہ دیا کہ وہ پڑھائی لکھائی کے ساتھ پارٹ ٹائم جاب کی جانب بھی دھیان دے ڈالے۔ خواہ انڈر دی ٹیبل جاب ہی کیوں نہ ہو۔ جو ادھر کی ریت ہے۔ کیونکہ اس مہنگے ملک کے اندر زندگی بھر کی سیونگ سے خرچہ چلانا ناممکن ہے۔ اپنے پرائے سے فنانشل تعاون کی توقعات خودی پر زبردست چوٹ کے سوا کچھ نہیں۔ بلکہ اپنے دکھ درد کو سوائے اپنے خاندان دوسروں بلکہ قریبی رشتہ داروں کے قبضہء اختیار میں بھی جانے سے روک۔ وگرنہ سازش اور ڈنک مارنے کے سوا کچھ ان کی جانب سے حصول نہ ہو گا۔ اچھے وقت میں رخنہ اندازی کی اور برے وقت میں پہلوتہی کی ہموطنوں کے درمیان رسم چل نکلی ہے۔

سلمان کو کسی دوست نے ایک قابل امریکہ لیڈی وکیل سے مشورہ کی راہ سجھائی۔ اور ساتھ ہی اس بات پر زور دیا کہ ہم وطن وکیل کے پاس ہرگز نہ جانا۔ وہ کھال کھینچ لیتے ہیں۔ مگر امیگریشن میں ان سے کچھ بن نہیں پڑتی۔ البتہ بنی بنائی بگڑ جاتی ہے۔

ایک سہ پہر لیڈی وکیل سے اپائنٹمنٹ لی۔ اور کام کی نسبت سے تیاری شیاری کر کے۔ ٹرنچ کوٹ اوڑھے۔ بھلے مانسوں کے انداز میں مین ہیٹن میں واقع اس کے آفس جا پہنچے۔ تیس چالیس کے پیٹے میں انتہائی شاندار و مدبر امریکن خاتون سے وہ

امپریس ہوئے۔ بلکہ چار پانچ عدد قیمتی پاکستانی سوغات بھی بطور چڑھاوا دان کر دیں۔

اس امریکن وکیل صاحبہ نے تھوڑے ہی عرصہ میں بالکل قانونی انداز میں ان کو جاب پرمٹ دلوا دیئے۔ وہ خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ مگر جب اگلے ماہ اس کی فیس کا بل ان کے پاس پہنچا تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ کئی ہزار ڈالرز۔ بلکہ اولیں روز کی چند منٹوں کی تحفوں کے ہمراہ مہذب گپ شپ کو بھی اس بل میں قانونی مشورہ کے نام پر سینکڑوں ڈالرز کے ترازو میں تولا گیا تھا۔ گلناز اور اس کے میاں سے اس مد کے اوپر سرسری صلاح لینے کی جسارت کی۔ تو انہوں نے یہ کہہ کر ان کا منہ چڑا دیا۔ کہ اول تو جاب پرمٹ حاصل کرنے کا ان لوگوں کو یہ حوصلہ قابل تحسین نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرز پر امریکی شہریت رکھنے والے بچوں کا حق مارا جاتا ہے۔ دوسرے وکیل کو اس کا پورا معاوضہ ادا کرنا رول ہے۔ ورنہ وہ "سو" کر دے گی۔

مرتا کیا نہ کرتا اس میں ملک رہنا جو تھا۔ اپنا بچا کھچا سرمایہ اس سفید ہتھنی کے قدموں پر نچھاور کرنا پڑا۔ یہ حقیقت دو اڑھائی سال کے بعد ان پر عیاں ہوئی کہ اس مہذب اٹھائی گیرن نے ان سے رائج الوقت فیس سے چار گنا وصول پائی۔ ان کی لاعلمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے۔

سہیل پڑھائی کے بوجھ کے ساتھ ساتھ جاب کی تلاش میں مارا مارا پھرا۔ جاب دلانا وہاں پر مقیم امریکی شہریت رکھنے والوں ان کے بارسوخ رشتہ داروں کا بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ الٹا انہوں نے اڑچن کی اور ان کی ہمت و ارادوں کو پاش پاش کرنے کا وطیرہ اختیار کئے رکھا۔ بلکہ آئے روز ان سے نہ ملنے ملانے اور ان کے نئے پرانے رکے ٹھہرے روز مرہ کام کاج میں ہاتھ میں نہ بٹانے کے گلے شکوؤں کا دفتر ان تینوں کے آگے کھول کر بیٹھ جاتے۔

جانے کیسے اور کیونکر ایک روز بالکل اچانک انہوں نے ایک ہنگامی فیصلہ کر ڈالا۔ یہ کہ دوبارہ نیویارک کوچ کر لیا جائے۔

ایک تو اس جھمیر سے چھٹکارا۔ دوسرے سہیل کو وہاں پر معقول جاب ملنے کی آس تھی۔ کم از کم وہ اپنی بھاری ٹیوشن فیس کا ایک حصہ بنا سکتا تھا۔

زریں نے سوچا۔ نیویارک میں گلناز ضرور بستی ہے۔ مگر سارے نیویارک کی مالک و مختار تو نہیں۔ کہ جس کے سم میں آکر وہ ترقی و سہولیات اور روزگار کے مواقع کھو دیں۔ سلمان کا پروگرام تھا کہ آنے والے موسم گرما کے دوران گریجویشن کے فوری بعد وہ بھی ان کے پاس نیویارک شفٹ کر جائے گا۔

اگر کسی خاندان کے اندر آپس میں اتفاق کا گوہر موجود ہو۔ تو ہزار کھٹنائیاں پار کر کے منزل مقصود کا گوہر پا لیا جاتا ہے۔ انہوں نے قصد کر لیا۔ مدعی ہزار برا چاہے وہی ہو گا جو منظور خدا ہو گا۔ وہ چاروں مل کر دشواریوں کو ہموار کرنے کی ہمت مرداں رکھتے ہیں۔

انہوں نے پلین ویو ٹاؤن کے اندر فیملی علاقے گرین ماؤنٹ ایونیو پر ایک چھوٹے سے سنگل ہوم کی گراؤنڈ فلور کرایہ پر حاصل کر لی۔

اب اینا اور سہیل کو سب سے پہلے نیویارک یونیورسٹی میں داخلہ کے عمل سے گزرنا تھا۔ دونوں کے کریڈٹس امتحان کے نتائج اور ٹرانسکرپٹ ان کی پرانی یونیورسٹی فلاڈیلفیا سے منگوا بھیجے۔ یہ بھی اچھا خاصا آفیشل طرز کا کٹھن کام ثابت ہوا۔

ایک سے دوسری یونیورسٹی ٹرانسفر ہونے کی کئی ایک رسمی و غیر رسمی بلکہ کانفیڈنشل دشواریوں کو طے کرنا پڑتا ہے۔ پرانا کالج آفس ایک سیل بند لفافہ کے اندر طالب علم کے ضروری کریڈنشل کے ہمراہ تین عدد اعترافی یا تعریفی خطوط نئے کالج کے ڈین آفس کو ڈائریکٹ پوسٹ کرتا ہے۔ یہ طالب علم کے حق یا خلاف کسی نوع کے دباؤ کے بغیر شخصی یا پروفیشنل کمپنی تیار کرتی ہے۔ یہ ٹیم طالب علم کے اساتذہ یا پروفیشنل ساتھیوں کے درمیان سے ڈین کے چناؤں کے ذریعہ عمل میں آتی ہے۔ ان لوگوں کو طالب علم کی قابلیت و صلاحیت کی پوری جانچ ہوا کرتی ہے۔

اس نئے داخلہ کے لئے طالب علم کے پاس شدہ امتحانات کا جی پی اے فور

پوائنٹ او (4.0) ہونا لازم ہے۔ اور ساتھ میں گریجویٹ امتحان پاس کرنے کی شرائط موجود ہوں تو جی آر اے کا سکور لازماً گیارہ سو پچاس کے لگ بھگ ہو۔ یہ ریکارڈ آپ کا یونیورسٹی ڈین سٹیٹ کے ایجوکیشنل ٹیسٹنگ سروس سے ڈائریکٹ منگواتا ہے۔ اس کے بعد مرحلہ آتا ہے۔ امیگریشن کے ساتھ دست بری کا۔ دوبارہ وکیل کا للوا لینے سے بہتر ہے کہ نئی یونیورسٹی (جو معمولی فیس لے کر بخوشی اور بالکل لیگل طرز پر یہ کام سرانجام دینے کی اہل ہے) آپ کے حاصل کردہ سٹوڈنٹ ویزا کو بذات خود امیگریشن آفس بھجوا کر اپ ڈیٹ کروا دے۔

اصل مقصد آپ کو تب حاصل ہوتا ہے۔ جب بھاری بھرکم ٹیوشن فیس جس کے ڈانڈے آسمان سے جا ملتے ہیں۔ آپ کالج کے بھرسار آفس میں ادا کر کے کلیرنس کی پرچی ہاتھ میں تھامے خوشی خوشی گھر سدھارتے ہیں کہ واقعی اب آپ صحیح معنوں میں اس کالج کے طالب علم ہیں۔ تعلیمی میجر مضامین کا انتخاب تو معمول مرحلے ہیں۔ آپ کی رجسٹریشن کا عقدہ فیس کی ادائیگی کے ساتھ ہی حل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد بقیہ رسومات مثلاً سٹوڈنٹ پکچر آئی ڈی۔ کمپیوٹر انٹری۔ پارکنگ لاٹ پاس اور لائبریری پاس وغیرہ آپ کے دائیں ہاتھ کا کام ہے۔

گلناز ان کی نیویارک واپسی پر شاداں و فرحاں چکر پر چکر لگانے لگی۔ کوئی فرصت کا وقت۔ چھٹی کا دن۔ ویک اینڈ۔ سویرے اندھیرے اسے چین نہ تھا۔ گاہے بگاہے آن دھمکتی۔ عموماً" بن بلائے۔

سردی اور برفباری کا سیزن شروع ہو چلا تھا۔ گلناز اپنی زچگی کے ساتویں ماہ میں داخل ہوئی۔ ہر بیتے دن کے ساتھ اس کے پرانے چڑچڑے پن کو تقویت ملنے لگی۔ دوسروں پر گاہے بگاہے احکامات صادر کرنا۔ ضرورت سے زیادہ دخل در معقولات اور خواہ مخواہ توقعات رکھنا اس کا معمول بن چلا تھا۔ یہاں تک کہ ان کی عام روٹین کے ہر لمحہ کی کاروائی کی روداد گلناز کے حضور لازم ٹھہری۔ فلاں وقت فلاں پہر ان کو کس

کس فون نمبر پر ملایا جا سکتا ہے۔ تاکہ کسی بھی ساعت ان تینوں میں کسی کی ضرورت اسے پیش آئے تو وہ اس کی سروس کے لئے بنفس نفیس موجود ہوں۔

سہیل کو ایک کمپیوٹر کمپنی میں جاب مل گیا۔ اینا پڑھائی کے ساتھ ساتھ اپنی یونیورسٹی کی لائبریری میں پارٹ ٹائم جاب کر رہی تھی۔ ساتھ ہی آئے روز کے تعلیمی ٹیسٹ۔ ہوم ورک اور پھر لازمی کمیونٹی سروسز والنٹیئر پروگرام کے سلسلہ میں کیمپس پر کلریکل جاب۔ گلناز ان کی مصروفیات کو خاطر میں نہ لاتی۔ اس کے سندیسے ان کو کسی پل چین لینے نہ دیتے تھے۔ ہر فون گھنٹی پر وہ بدک اٹھتے۔ اپنی ڈومینئرنگ ماں کی آواز نت ان کے کانوں پر گھمیری ڈالے رہتی۔ گلناز کو ان کے منصب یا مجبوری کا قطعی کوئی احساس نہ تھا۔ اسے تو اپنی پہلی ضرورت پر ان کی جانب سے لبیک کی آواز سنائی دینا چاہیے۔ ورنہ وہ ہسٹریکل ہو کر واویلا مچانے لگتی۔

''گلناز وہ شخصیت ہے جس کو بامروت اور حلیم طبع لوگوں پر مکمل حاوی و مسلط ہونے کا ایک خاص سلیقہ ء بد ہے۔ یا ادھر امریکہ میں یہی ریت ہے''۔ زریں ایسا سوچتے ہوئے کوشاں رہتی کہ جہاں تک ممکن ہو۔ وہ بچوں کے آڑے آتی رہے۔ اور اس ترچھے پھٹے میں اپنا پاؤں پھنسائے رکھے۔ تاکہ بچوں کے تعلیمی شب و روز متاثر ہونے نہ پائیں۔ کبھی وہ یہ سوچ کر پشیماں ہونے لگتی کہ شاید دوبارہ نیویارک شفٹ کر کے انہوں نے حماقت کی ہے۔ کہیں یہ فرائنگ پین سے گرا اور آگ میں اٹکا والا سنجوگ ثابت نہ ہو۔

وہ کرسمس ہالیڈیز کی ہماہمی کا زمانہ تھا۔ بچوں کو چھٹیاں تھیں۔ اپنی نوع کے دوسرے پاکستانی امریکنوں کی مانند گلناز بھی ہر امریکی قومی و مذہبی دن کے منانے کا اہتمام پوری شان و شوکت کے ساتھ کرنے کی عادی تھی۔

اب کے کرسمس شاپنگ اور کرسمس گھریلو سجاوٹ کی خاطر وہ اینا اور زریں کو بلاناغہ دن چڑھے اپنے ساتھ لے جاتی اور ان کی منت و ساجت کے بعد بمشکل تمام رات گئے ان کو واپس ڈراپ کرنے پر آمادہ ہوتی۔ متعدد بار ان کو وہیں رکنا پڑتا۔

کیونکہ گلناز ورپردہ اسی بات کے لئے کوشاں رہتی کہ وہ مجبوراً" رات ادھر ہی سو رہیں۔ تاکہ صبح ان کو دوبارہ پک اپ کرنے کی زحمت اسے بذات خود گوارا نہ کرنا پڑے۔ اور اس طرح اس کی کرسمس کی تیاریاں زور و شور کے ساتھ جاری رہیں۔

اس روز روز کی تناویری سے یہ لوگ اوبھ چکے تھے۔ مگر وہ ان کو کسی پل آرام سے جینے نہ دے رہی تھی۔ ایک دو مرتبہ آپس میں اس مسئلہ پر تبادلہ خیال بھی بچوں نے کیا۔ کہ آخر مما چھوٹی بہن کے سامنے کیوں اس طرح بے بس ہو جاتی ہیں۔

"شاید خالہ نے ان کو اس تاثیر میں مبتلا کر رکھا کہ وہ ہم چاروں کو امریکہ سے باہر نکالنے پر زبردست قدرت رکھتی ہیں"۔ اینا کے اس اظہار خیال پر سہیل بہن کا مذاق اڑانے لگا۔

"ارے نہیں گوف! بات فقط اسی قدر ہے کہ ہماری ماں ہماری خالہ کے برعکس بے حد بامروت واقع ہوئی ہیں"۔

امریکہ میں پرانے آباد پاکستانی دھن دولت والے اپنے تئیں آپ عجیب گھمیڑوں میں پھنسائے رکھنے میں شاید ایکسائٹمنٹ یا ڈیپریشن سے نجات حاصل کیا کرتے ہیں۔ کچھ اسی نوع عارضہ میں گلناز بھی مبتلا رہی ہو گی۔

"آج کیرن کو بیلے سکول ڈراپ اور پک اپ کرنا ہے"۔

"کل کیرن کو فرنچ کلاسز اور پینٹنگز مقابلہ میں بٹھانا ہے"۔

"پرسوں کیرن کو پلے ڈیٹ پر لے جانا۔ اور شام سے پہلے پک کرنا ہے۔ راہ میں راک باٹم رک کر اس کے لئے جنک فوڈ ضرور خریدتی جایئے گا۔ بچے شوق سے کھاتے ہیں"۔

"فلاں تاریخ جاز فلوٹ کا ماہر ماسٹر ڈیوڈ ویلن ٹن وہاں اولڈ کنٹری روڈ کے اوپر واقع ڈیپارٹمنٹل سٹور بنام فارچون آف کی لابی میں پاپا۔ ڈو کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ میری بیٹی اس سے محروم نہ رہ جائے۔

"فلاں تاریخ پورٹ واشنگٹن لائبریری کے اندر "پی چن" صاحب پیانو پر بچوں کے لئے موسیقی بجائیں گی۔ مائیں پاپولر سکرین پر ہنگ پن کروارو ہوں گی۔ میری غیر حاضری آپ پوری کر دیجئے گا"۔

"آج جونز بیچ پر بے بی پریڈ ہے۔ سینکڑوں بچے مہنگے مہنگے کاسٹیوم پہنے بینڈز اور فلوٹ کے ہمراہ مارچ کرتے گروہوں میں آئیں گے۔ کیرن بھی حصہ لے رہی ہے۔ اس کے پہناوے کے قرینہ اور وقت کی پابندی ضروری ہے"۔

"پرسوں۔ نہیں شاید ترسوں ایسٹ کینان ٹاؤن کے اندر ہاٹ ائیر بیلون شو ہو رہا ہے۔ کیرن اس شو کی کریزی ہے"۔

"آج کل میں میری بچی کا یکی گیمز ڈے۔ آنے وال ہے۔ آپ اور اینا مل کر براہ مہربانی اسے خوب ریہرسل کروائیں۔ اس مرتبہ پرائز اسے جیتنا چاہیے"۔

یکی گیمز ڈے سکولوں کی دل پسند گیم ہے۔ حصہ لینے والے بچوں کے منہ کے اندر فارایسٹ کے غلیظ اور مکروہ قسم کے بدمزہ کھانے ٹھونس دیئے جاتے ہیں۔ جو بچہ آخر تک ہولڈ کئے رکھے وہ گیم جیت جاتا ہے۔ (اکثر بچے موقع پر ہی قے کر دیتے ہیں ")۔

"اس قسم کی ایک دوسری گیم ہے جس میں مقابلہ پر آنے والے بچوں کے بائیں پاؤں کے تلوے پر پی نٹ بٹر چپڑ دیا جاتا ہے۔ اس لیپ کو شیشہ کی مانند صاف کرنے کی خاطر بچے کو اپنے چپڑے تلوے کو چاٹنا پڑتا ہے۔ پار سال ایک بچہ چیٹنگ (نقل مارتے ہوئے) کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ وہ اپنی شارٹس کی جیب کے اندر اپنی پیڈگری ذات کی بونی پالتو کتیا اس مقصد کے لئے چھپا لایا تھا۔ تاکہ گیم کا یہ چاٹنے والا پارٹ کتیا لمحوں میں مکمل کر کے اسے گیم کے جیت جانے میں معاونت کرے گی۔ مگر الٹا اسے مقابلہ سے ڈس کوالیفائے ہونا پڑا"۔

"آج کیرن بذریعہ پوسٹ سینٹا کو سلف ایڈریس لفافہ بھیج کر سوالات کے جواب مانگے گی۔ لکھنے میں اس کی مدد کرنا۔ انہیں کوئی گستاخی نہ کر بیٹھے۔ پار سال اس

نے لکھا تھا۔ سینٹا! آئی ہیٹ یور لشی!"

کرسمس کی کریزی شاپنگ اور کریزی ڈیکوریشن شروع ہو چلی تھی۔ سب سے پہلے بیرونی کھڑکیوں کی سجاوٹ شروع کی گئی۔ تاکہ راہ گیر طمانیت محسوس کریں۔ داستانیں جیسے سنڈریلا کا بال روم۔ میڈانا اینڈ چائلڈ۔ عیسیٰ اور سولی (منور)۔ ڈیئر سینٹا میوزیک پیس زیادہ تر مجسّے خالص کرسٹل سے تراشے گئے اور رات بھر بیٹریوں کے ذریعے جھلمل منور رہتے۔ پیتل اور تانبا کے موم بتی دان۔ فریہ انداز پرانے سینٹا اور نئے سینٹا کے پھولے ہوئے بت۔ ستارے۔ فرشتے۔ میوزیکل ڈسکو لائٹس۔ سرائک کے ننھے ننھے منور ولاز۔ اور ہٹ۔ دوسری کھڑکیوں کی منڈیروں پر دوبارہ سینٹا کلاز۔ اور مسز سینٹا کے قد آدم بت رنگ برنگے اور لائٹوں سے منور۔ اینجل اوکسٹرا کا جنت المکانی ہارپسٹ۔ کرسمس بلی۔ کرسمس چوہا۔ کرسمس بٹر فلائے۔ کرسمس فش۔ ایلس ان ونڈر لینڈ کا ڈسپلے۔ جسکلا سارا۔ جوائے۔ (گڑیوں کے نام) روشنیوں سے منور جگمگ جگمگ کرتی گڑیاں۔ ٹاپ سی گڑیاں۔ ہالی ڈے سیزن دوڑ میٹ۔

کھڑکیوں سے ابھی فرصت ملی نہ تھی کہ موسمیات سے متاثر نہ ہونے والی یارڈ اور گارڈن ڈیکوریشن شروع کر دی گئی۔

بیرونی دروازوں پر پائن ریتھ (پھولوں کے ہالے ٹانگ دیئے گئے) اور سرخ پھولوں والے اصلی کرسمس پودوں "پا ان سی شیا" بش سے سجے بڑے بڑے تازہ سرخ گملے قطار در قطار۔

پورچ اور پوشیو پر قد آدم بیٹری چارج رنگ برنگی کوائر گرلز اور کوائر بوائز سے جگمگاتے بت۔ باغ میں باغبان کا سامان تمام تر سرخ۔ سرخ بیلچے۔ سرخ کھرپے۔ سرخ کونڈی۔

اندر کھانے کے کمرہ کچن کی زینت پر سرخی کی چھاپ۔ سرخ گرم بھمن دار

ٹوپی اور سرخ گرما گرم گاؤن اور سبز مفلر لپیٹے رسوئی میں براجمان سینٹا۔ ہاتھی کے پاؤں کے برابر کرسمس سٹلو (کرسمس خیرات جمع کرنے والی روایتی سرخ سٹاکنگ یا جراب)۔ کرسمس آمیز کراکرای۔ کٹلری۔ ایش ٹرے۔ ٹوکریاں۔ پیالے اور گلاس۔

ادھورے کاموں کے ساتھ کرسمس گفٹس کی شاپنگ بھی جاری تھی۔ ہر ہر موقع و محل پر گلناز کچھ اس طرح بے قرار ہو جاتی۔ گویا بروقت تمام تیاری مکمل نہ ہونے پر وہ امریکہ سے ڈی پورٹ کر دی جائے گی شاید۔ صبح آغاز کے وقت وہ نہایت گرم جوش اور شام تک کرھنکی ڈھیری کا روپ دھار لیتی۔

روغنی رنگ برنگے سرخ اور سبز گفٹ ریپ۔ کرسمس کارڈز۔ گلدان چھوٹے بڑے کرسمس چھاپ بک شیلف۔ گفٹ باسکٹس۔ کرسمس چھاپ کے پرفیوم۔ صابن اور ٹالکم پوڈر اور باڈی لوشن۔ کرسمس کینڈی۔ ہالی ڈے چھڑیاں۔ جن کی ڈنڈیوں کے ٹرانسپیرنٹ خول کے اندر رنگ برنگی کینڈی ڈھلکیاں مارتی ہیں۔

ہر دن روز ویلٹ فیلڈ مال۔ سٹورز۔ ہالی ڈے بازاروں اور میلوں۔ کارنیوالوں اور فلی مارکیٹوں کے چکر پر چکر لگائے جاتے۔ کیرن ہمراہ رہتی۔ کیونکہ شاپنگ مالوں کی یہ کرسمس رونقیں اس کے ذہن نشیں کروانا اس کی تربیت کا لازمی جزو تھا۔

مالوں پر سینٹا کا مارچنگ بینڈ۔ اس کے چھ سات فٹ بت۔ پورے قد کاٹھ کے منور کی اینڈ کی۔ چھت سے باتیں کرتی مون لائٹ کون آئس کریم۔ منقش لکڑی سے تعمیر کئے گئے بڑے بڑے ولنگٹن لاج۔ مکل گیٹ اینڈ این ٹیک۔ ہنی مون موٹل وغیرہ جن کے اندر باہر مصنوعی برف بچھا کر اور مصنوعی درختوں کی ٹہنیوں پر براجمان مشف شدہ بیڑی جارج جانوروں سے وقفہ وقفہ میں کیرل گوائے جاتے ہیں۔

جتنی دیر شاپنگ جاری رہتی کیرن دنیا و مافیہا سے بے نیاز کرسمس ہٹ کے سامنے بیٹھی ان کے کیرل میں گم رہتی۔

کرسمس ٹری (درخت) کی آمد کی مبارک صبح بھی آ گئی۔ ہر چھوٹے بڑے سٹور کی پارکنگ لاٹ چھان ماری گئی۔ محض سیٹرز اور پینتھ مارک کے پارکنگ لاٹوں کے

اندر دس بیس ہزار فی سٹور کے حساب سے قدرتی ایکس ماس اور کرسمس ٹری کے درختوں کے ٹال لگتے ہیں۔ ایک ماہ پر محیط ہر شب ان ٹالوں پر مکمل چراغاں ہوتا ہے۔ اونیل کے انتخاب پر ہزاروں میں ایک درخت پورا نہ اترا۔ آخرکار فارچون آف ڈیپارٹمنٹل سٹور کا کرسمس ٹری ان کے لونگ روم کی زینت بنا۔

لمبی چوڑی اونچی قیمتی کرسٹل ٹیبل پر وہ (کرسمس درخت) جلوۂ افروز ہوا۔ پھر اس کو دلہن کی مانند سجانے کا ان تھک مشغلہ جاری رہا۔

شعلے اگلتی رنگ برنگی میوزیکل کرسمس لائٹوں کے ہار اس پر نچھاور ہوئے۔ سرخ اور سبز کانچ کی گیندیں سرخ و سبز ربن اور ڈوریوں کے سہارے اس کی ٹہنیوں پر لٹکائی گئیں۔ یہ کام خاصا محنت طلب تھا۔ ٹری کی سجاوٹ سے کسی کا جی نہ بھرا مزید سجاوٹیں کرسمس جیولری۔ انواع و اقسام گھنٹیاں۔ سہرے اور موتیوں کی لڑیاں۔ اینا نے اپنے دوپٹوں کے لئے ہمراہ لائی گئی تمام گوٹے اور کناریاں اس کی نذر کر دیں۔

"غسل خانوں اور بیڈ روم کو تاحال سجایا نہیں گیا"۔ ایک صبح گلناز بدکی۔ کرسمس ٹری کے نیاز ادھورے چھوڑ وہ سب مارشلز کے سٹور جا پہنچے۔

سرخ قرمزی اور سبز رنگوں کے میچ سے غسل خانوں کی اندرونی سجاوٹ کا ساز و سامان باسرعت شاپنگ کاٹ کے اندر جمع کرتی گلناز ہر ریک سے اشیاء گھسیٹتی چلی جا رہی تھی۔ پردے۔ کرسمس تولئے۔ باتھ میٹ۔ شاور کرٹن۔ آئینے۔ کنگھے۔ برش۔ منجن دانیاں۔ صابن دانیاں۔ سٹینڈ اور بیڈ رومز کے لئے۔ ڈریسر سیٹ۔ شیٹ۔ تکئے۔ موم بتی دانیاں۔ کشن۔ بستر۔ دلائی۔ رضائی۔ تکیہ کورز۔ سرخ روبز۔ نائٹ گاؤن۔ کمبل۔ بیڈ روم۔ سلیپر۔ سویٹر۔ کارڈیگن۔ پاجامے۔ نائٹی۔ ہالی ڈے ٹوپیاں۔ غرضیکہ ہر شے کرسمس زدہ۔ ہر آئیٹم پر سنٹا اور اس کی ہشت پشت کی چھاپ۔

"پناہ رب ذوالقرنین!" زریں ادبھ چکی تھی۔ سرخ رنگ اس کو اپنی نس نس میں سرایت کرتا محسوس ہونے لگا۔

کرسمس پر یسوع سے زیادہ سنٹا کا راج ہے۔ گو مذہبی طور پر یہ یسوع کا یوم

پیدائش ہے مگر لگتا ہے کہ عوام و خواص یسوع سے بے نیازی اور ناواقفیت کی حد تک سینٹا۔ لیڈی سینٹا سمیت اس کے تمام اہل خاندان کے گن گانے میں کریز کی حد تک مگن رہتے ہیں۔

یہ شب و روز سینٹا سے تحفے تحائف وصول کرنے کے مبارک مواقع ہیں۔ بزنس مارکیٹ کرسمس سیل کو دیوانگی کی حد تک بڑھانے کی خاطر سینٹا کی بساط بچھاتی ہے۔

سائیڈ واک پر۔ پارکوں۔ مالوں اور پلازاؤں پر۔ جیتے جاگتے موٹے تازے سینٹا کے ڈیرے جمائے جاتے ہیں۔ جہاں وہ مخملیں سرخ و سبز ملبوس میں شاندری کٹری کے اندر براجمان ننھے ننھے بچوں کو بار باری اپنی گود میں بٹھانے کی زیارت کرواتا اور تصویریں اترواتا ہے۔

آج یسوع کا یوم پیدائش ہر یورپی اور ہر امریکی کے لئے بلا امتیاز مذہب و ملت ایک بلومنگ بزنس سمبل اختیار کر رچکا ہے۔

کرسمس ڈے سے دو تین روز پیشتر کی مصروفیت کا عالم مت پوچھئے۔ سینکڑوں تحفوں کو سرخ پیکٹوں کے اندر پیک کرتے ہوئے سرخ و سبز ربن سے مزین دوبارہ کرسمس ریپ کے اندر لپیٹ کر کرسمس ٹری کے تنے کی چھاؤں میں ڈھیریوں کی صورت میں سجا دیا گیا۔ یہ تحفے گلناز نے کمال خلوص اور بڑائی کے احساس کے تحت اپنی ہمجولیوں اور ملنے جلنے والیوں بمعہ ان کے اہل خاندان مہنگے داموں خریدے تھے۔ کیونکہ یہاں کرسمس نوازی کا جذبہ کارفرما تھا۔ آخرکار آ گئی وہ شام جس کا بے چینی سے انتظار تھا۔

کرسمس ایونگ!!

ڈنر کے لئے زریں اور اس کے بچے لازما مدعو تھے۔ مگر انہوں نے بوجہ معذرت کرلی۔ گلناز نے اس کے بعد دوسرے رشتہ داروں کو اسی خدشہ کے تحت مدعو کرنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ کہ یقینا وہ بھی کچھ اسی طرح کے خیالات کا اظہار کریں

گے۔ بعد ازاں یہ طعن و تشنیع وہ گھول گھول بچاری زریں کے دماغ میں ڈالتی رہی کہ وہ (زریں) کس قدر تنگ نظر واقع ہوئی ہے جو امریکہ میں رہتے ہوئے کرسمس منانا کسر شان گردانتی ہے۔

القصہ! کرسمس نے نیویارک کے بند بند کو جکڑ رکھا تھا۔ زمین و زماں۔ فرش تا عرش جب کرسمس کے چیختے چلاتے رنگوں اور برق و تجلی کی سنوار اپنے عروج پر تھی۔ کرسمس پر شام چھانے لگی۔

کرسمس کی آخری کلبلاہٹ' رات بھر جاری رہنے کے بعد اگلی صبح دم توڑ گئی۔ اچانک سب چوپٹ۔ یسوع اور سینٹا کلاز نہایت بے ترتیبی کے ساتھ ادھڑے ڈبوں اور نوچے کھسوٹے پرنٹڈ کرسمس گفٹ ریپ روغنی پیپروں میں بند ہر گھر کے بیسمنٹ کے کونے کھدروں میں پھنکوا دیئے گئے۔ اگلی کرسمس شاید گیراج سیل تک کی مدت کے لئے۔

یارڈز۔ باغوں۔ کچن۔ کھڑکیوں۔ بیڈ روم۔ ڈرائنگ روم سمیت تمام کمروں سے کرسمس سجاوٹیں نہایت عجلت میں اکھاڑ دی گئیں۔ کرسمس پیچھے اس کا کوئی نشان گویا بدسلیقگی اور پھوہڑ پنے کی علامت ہو۔ سب سے دلدوز منظر گھروں کے باہر۔ سامنے۔ ہر سائیڈ واک پر ٹریش کین کے قریب اوندھا پڑا۔ لٹا لٹایا ویران بدوضع کرسمس ٹری اور ایکس ماس ہے جو اپنی اس آفٹر کرسمس' کی عزلت پر ٹریش ٹرک کے انتظار میں رات بھر برفباری میں دبا سسکتا رہتا ہے۔

پھر رت بدلی۔ اور برف باری کا موسم آن پہنچا۔ گلناز کے گھر فرنٹ برآمدے پر لکڑیوں کے گھٹے جمع ہونے لگے۔ لونگ روم کے آتش دان میں جب سوکھی لکڑیوں کے الاؤ جلتے کڑکڑاتے۔ تو مکینوں کو کمال آنند کا احساس رہتا۔ گرمائش کی وجہ سے نہیں (کیونکہ قاعدہ کے مطابق گھر سینٹرل ہیٹڈ تھا) بلکہ خوشحالی کی نخوت کے مارے۔

بڑے بڑے گھروں کے آتش دان کے اندر لکڑی کا جلانا سٹیٹس سمبل ہے۔ عام لکڑی بھی مہنگے داموں دستیاب ہے۔ مگر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی خاطر امراء

صندل کی لکڑی تک جلانا شان سمجھتے ہیں۔

جس گھر کے بیرونی برآمدے میں جاڑے کے دنوں میں لکڑیوں کا تراشیدہ نفیس گھٹا بندھا پڑا ہو۔ اور چمنی سے دھواں کے مرغولے اٹھ رہے ہوں۔ سمجھ لیجئے۔ کہ اہل خانہ کھاتے پیتے اور لکڑیاں جلاتے متمول حضرات ہیں۔ یہاں پر آتشدان میں جلانے کے لئے لکڑی ٹال کے اندر نہیں۔ بلکہ فلوریسٹ (پھولوں کے سٹور) کے ہاں بکاؤ ہے۔ کبھی کبھی پھیری والے بھی یہ بزنس کرتے ہیں۔

نئی آمد آمد کو خوش آمدید کہنے کی خاطر گلناز پوری تیاریوں میں جٹ گئی۔ جاب سے اس نے ان دنوں میٹرنٹی چھٹی لے رکھی تھی۔

الٹرا ساؤنڈ نے بہت پہلے پیش گوئی کر دی تھی کہ آنے والی روح حوا کی بیٹی ہے۔ گلناز خوشی سے پھولی نہ سماتی۔ الٹرا ساؤنڈ کا وڈیو جو اس کے گائناکالوجسٹ نے اسے پیش کیا تھا۔ اپنی سہیلیوں کے ہمراہ بار بار گھریلو وی سی آر پر دیکھتے سیر نہ ہوتی۔ ادھر بیٹے اور بیٹی میں کوئی تخصیص نہیں کی جاتی۔

گلناز کی کریزی شاپنگ کا ایک اور دور شروع ہوا۔ آنے والے بچہ کے لئے پمپرز۔ کاٹن بال۔ ہینڈی وائپ آف۔ کامفٹو (بچے کی رضائی)۔ کمبل۔ دلائی۔ انواع اقسام ننھے ننھے کشن اور تکیئے کنورٹیبل کریڈل سونگ (جھولا) کاؤ سٹولر(بچہ گاڑی)۔ نومولود کار سیٹ۔ نومولود کرب۔ ٹاڈلر پلے ٹوائے یارڈ۔ درجنوں پوشاکیں۔ بمعہ بے بی جاگنگ سوٹ۔ بے بی ہوزری۔ گڑیوں کے پٹولے رکھنے کے لئے ننھے ننھے لکڑی کے ٹرنک۔ نئے زمانہ کے سیل سے چلنے والے انواع و اقسام جھنجھنے۔ کھلونے اور ٹیڈی بیئر۔ ننجا ٹرٹل۔ مکی ماؤس۔ مس پگی۔ لونی ٹون۔ بگ برڈ۔ بارنی۔ ڈفی ڈک۔ مائٹی ڈکز۔ بگز بنی وغیرہ۔ گو اس نوع کے منف شدہ قد آدم کھلونے اور دوسرا اوٹ پٹانگ (کیرن کے سلسلہ کا) اس کے بیسمنٹ کے اندر پہلے سے اٹا پڑا تھا۔ جس کو کھوجنے کی اس نے زحمت گوارا نہ کی۔ اس لئے کہ ان دنوں میٹرنٹی شاپنگ ہی اس کی تفریح تھی۔ اور اس قسم کی خاص الخاص شاپنگ کے مواقع روز روز ہاتھ نہیں

آتے۔

اینٹی نیٹل تو باقاعدگی کے ساتھ جاری تھے۔ اب باری تھی تربیت حاصل کرنے کی۔ گو ادھر ایک تجربہ کار میڈیکل ڈاکٹر تھی۔ مگر ہر محب الوطن امریکی کی طرح اس کا اشتہاری چیزوں پر ایمان تھا۔ لہٰذا وہ ہفتہ میں دو بار نہایت باقاعدگی کے ساتھ ایک مہنگی میٹرنل ٹریننگ اکیڈمی میں خاص طور پر ممتا کی تربیت کے حصول کی خاطر حاضری دینے لگی۔ جہاں پر ہونے والی ماں کو سکھایا جاتا ہے کہ کس طرح نوزائیدہ بچے کے ساتھ محبت پالی جائے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ ممتا ایک قدرتی جذبہ نہیں بلکہ تعلیم و تربیت کے ذریعہ ماؤں کے کلیجہ کے اندر پیوست کیا جاتا ہے۔ اگرچہ ہونے والی ماں کو پہلے سے اس کی ناکافی سمجھ بوجھ ہو گی۔ تب یقیناً اسے اپنے بچے سے محبت کرنے کا ڈھنگ نہ ہو گا۔ ممتا کی ٹریننگ کے فقدان سے وہ بچے کے ساتھ انجانی نفرت میں بھی مبتلا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ہینڈسم نقدی خرچ کرنے پر ممتا ٹریننگ حاصل کی جاتی ہے۔ نذیدی مائیں بھاگ دوڑ کر کے رجسٹریشن کرانے اور سہیلیوں کے درمیان ڈھینگیں مارنے پر نازاں۔ بچے کی پیدائش سے ہفتہ عشرہ پیشتر وہ شدید قسم کے اعصابی ہیجان میں مبتلا ہو چکی تھی۔ بذریعہ فون یا بہ نفس نفیس ہردم ان لوگوں کے سروں پر معلق رہنے لگی۔ کبھی ملتجیانہ اور کبھی حاکمانہ یہ امیدیں وابستہ کئے رہتی کہ ہر دن کا ہر لمحہ یہ لوگ یا تو اس کے ہاں اور یا پھر فون کے سرہانے گزاریں۔ اس کی بے بی کی آمد کے سلسلوں کے انتظامات کے احکامات جاری ہونے کے منتظر رہیں۔

اینا اور سہیل کا موسم بہار کا سمسٹر شروع ہو چکا تھا۔ نہ تو وہ اپنے قیمتی وقت کا پامال کر سکتے تھے۔ اور نہ ہی ان پر اس نوعیت کی کوئی ذمہ داری عائید ہوتی تھی۔ لہٰذا اس مرتبہ بھی زریں کو ڈھال بننا پڑا۔ اس کے ہسپتال داخلہ سے لے کر نئی روح کے ہمراہ گلناز کی گھر آمد کے کافی روز بعد تک زریں نے یہ جاں گسل طویل گھڑیاں اس کے چڑچڑے پن کی نذر کیں۔ درمیان میں کئی مرتبہ کلاسیں سکپ آف کر کے سہیل اور اینا کو بھی اس تھلتھل میں شامل ہونا پڑا۔ بیچاری ویرا پر الگ سراسیمگی کا عالم

طاری تھا۔ تقریباً ہر شخص ادھر گلناز کے پوسٹ مارٹم (بعد از زچگی) عتاب کی زد میں تھا۔ ماسوائے اونیل۔

یہ کھاگ بندہ اس نازک موقع پر احباب کے ہمراہ اپنے سالانہ سرمائی تعطیلات کے پروگراموں پر سختی کے ساتھ کاربند ہو چلا تھا۔ آج یہاں۔ کل وہاں۔ ہارس ریسنگ۔ کبھی فشنگ۔ کبھی شکار۔ کسی روز ساحل سمندر بیچ ہائٹس پر۔ یا برج پورٹ سپیڈ وے پر موجود مانسٹر ٹرک شو میں دیوزاد ٹرکوں کی دوڑ کے مقابلے دیکھ رہا ہوتا۔ شام ڈھلے اودھر ٹھہر کر سپورٹس۔ گیمز۔ کلاؤن شو۔ آؤٹ ڈور شاپنگ۔ کلچرل سی فوڈ۔ ڈرنکس اور میوزک میں مست رہتا۔ رات گئے گھر پہنچتا اور اپنے کمرہ میں بند دن چڑھے تک پڑا سویا رہتا۔ گلناز کا پارہ ہائٹس پر چڑھا۔ تو اونیل کے نیوجرسی کے دورے شروع ہو گئے۔ سی سائیڈ ہائٹس ٹیلر ایونیو (نیوجرسی) پر دو ہزار کلاؤن دنیا بھر کے ممالک سے ادھر جمع ہوتے ہیں۔ یہ بھانڈ مراثی اس زیارت کے زائرین کے سامنے خرمستیاں کر کے ان کے لوٹ پوٹ کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ معلوم نہیں اونیل کو اس مسخرہ پن کی کشش کیونکر پیدا ہوئی۔

اونیل این ٹیک جمع کرنے کا انتہائی دلدادہ تھا۔ برانٹین پارک کے کولڈ سپرنگ ویلج (کیپ مئے) پر پچاس کے لگ بھگ این ٹیک ڈیلرز چشم براہ ہوتے۔ وہ اس شام امریکن انڈین پاؤ۔ ماؤ فیسٹویل سے پرانے زمانے کے "آپاچی" جنگجوؤں کے ساز و سامان سے لیس گھر پہنچا۔ تو بچے اس کا حلیہ دیکھ کر چند لمحوں کے لئے بولائے رہے۔ وہ ٹھٹھے مارتے ہاؤ ہو ہاؤ کرنے لگا۔ وہ سچ مچ امریکن انڈین آپاچی دکھائی پڑا۔ گلناز ان دنوں اس کا سامنا کرتے ہوئے بری طرح کتراتی۔ اس کا کہنا تھا "نہ کتا دیکھے نہ کتا بھونکے"۔ وہ بیچاری عجیب جھاڑ جھنکی سی وضع اختیار کر چکی تھی۔ اور زچگی سے پیشتر کی اپنی نہایت سمارٹ فگر کی تصاویر کا البم دیکھ دیکھ بیٹھی گھنٹوں دھارم دھار رویا کرتی۔ ایسے موقعوں پر اس کی تسلی تشفی کرتے رہنا بھی زریں ہی کے فرائض میں شامل تھا۔ ہاں تو بات ہو رہی تھی اونیل کے این ٹیک جمع کرنے کے مشاغل خاص

کی۔ نیوجرسی کے شہر پاسٹو پر نادر اشیاء کے میلہ لگا۔ لکڑی اور گلاس۔ تانبے اور اونیکس سے بنی اشیاء اور ڈھیروں جیولری وہ سمیٹ لایا۔ اپر سیڈل لائن کے ٹاؤن پر لیک سیڈل ریور روڈ کے کنارے کنارے این ٹیک فیسٹو سجا۔ وہ دن بھر اس میلے کی چھان پھٹک میں مصروف رہا۔ شہر کلنٹن میں کسی آرٹ سنٹر پر جمع ہونے والے این ٹیک ڈیلروں سے اس کی گاڑھی چھنتی تھی۔

شین ہوپ کے مقام پر ان دنوں واٹر لو این ٹیک شو منعقد ہوا۔ یہ شو شین ہوپ کے گاؤں واٹر لو ویلیج کے اندر تھا۔ اونیل نے ان تھک خریداری کی۔ دو سو ڈیلرز اس کے پکے یار بن گئے۔ اگلے جمعہ وہ میڈولینڈ پر دیکھا گیا۔ وہاں میڈولینڈ کونشن سنٹر پر دو سو پچاس این ٹیک ڈیلرز اس کے آگے پیچھے پھر رہے تھے۔ اس سے اگلی صبح وہ ریڈنگ ٹن شہر کے ایئرپورٹ پر نیوجرسی فیسٹیول آف بیلونگ کا تماشہ دیکھنے جا پہنچا۔ یہ ہاٹ ایئر بیلون کا عظیم ایئر ڈسپلے تھا۔

ایک رات زریں کی آنکھ لگی تھی کہ اسے گلناز کی ہسٹریکل چیخم دھاڑ سنائی دی۔ زریں بستر سے پھلانگی۔ اندھیرے کوریڈور کی جانب بھاگی۔ جدھر سے یہ دلدوز آوازیں آ رہی تھیں۔ ادھر گلناز بے قابو تھی۔ اور شیشوں کی پرلی جانب اشارہ کر رہی تھی۔ وہاں ڈرائیوے کی دھندلی روشنی میں اونیل ایک عجوبۂ روزگار لمبوتری سی کالی شے پر ٹیک لگائے کھڑا دور سے ہاتھ ہلا ہلا کر اسے کچھ سمجھانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ زریں نے اپنی ہتھیلی کو گلناز کے دہاڑتے منہ پر رکھ دیا مبادا کہ خوابگاہ کے اندر سوئے بچے بیدار ہو کر خوفزدہ نہ ہو جائیں۔ بعد ازاں اطلاع ملتی ہے کہ نیو جرسی کے شہر کیپ مئے کے اندر چسٹو کاؤنٹی پر این ٹیک آٹو کا بھاری میلہ لگا کرتا ہے۔ اونیل دو چار روز سے ادھر دھرنا مارے بیٹھا تھا۔ نتیجہ کے طور پر وہ این ٹیک گاڑیوں کے جم غفیر سے یہ کالی بلا 1905ء ماڈل رولز رائس۔ انتہائی مہنگے داموں خرید لایا۔ جو آئندہ سالہا سال ان کے ڈرائیوے کی زینت ہوشربا بن کر گلناز کے سینہ پر مونگ دلتی رہے گی۔ الحاصل گلناز کے نزدیک ڈالر کا اس سے زیادہ بے رحم اور بے جا تصرف اور کچھ

نہ ہو گا۔

اونیل اپنے تئیں آپ این ٹیک کا ڈیوک مانتا تھا۔ سولھویں۔ سترھویں اور اٹھارویں صدی نوادرات اکٹھی کرنا اس کا اہلِ لنشائن مشغلہ تھا۔ فلاں ملکہ کی ڈریسنگ ٹیبل۔ فلاں نائٹ کا صوفہ۔ جنگجوؤں کے زرہ بکتر۔ کنٹری لائف کے تور۔ کڑاہی اور توے پراتیں۔ چائنا کے بادشاہ کی چلم۔ جاپان کے شہزادہ کا خودکشی خنجر۔ ریڈ انڈین کا آلودہ تیر کمان۔ ہر میلے ٹھیلے سے خریدے گئے سامان کے ساتھ اس کی ایگل وڈن گاڑی کا کشادہ ٹرنک ٹھنسا ہوتا۔ "نری آخور کی بھرتی"۔۔ عمومی رائے تھی۔

اس کا گھر ایک کنٹری میوزیم لگتا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس قدر کشادہ۔ وسیع و عریض گھر ایک عجیب کہنہ پژمردگی اور یاسیت کے غلاف میں لپٹا بوریت کی آماجگاہ تھا۔ کبھی ایسا بھی معلوم ہوتا۔ جیسے یہ شخص گھر میں داخل ہوتے ہی پچھلی صدیوں میں بسیرا کرنے لگتا ہے۔

خدا خدا کر کے اس ڈرامہ کا ڈراپ سین ہوتا ہے۔ یہ ڈرامہ جو کہ گلناز کے بعد از زچگی کے مراحل اور اونیل کی اندھی این ٹیک شاپنگ کے خلجان سے وجود میں آیا تھا۔ اونیل نے ہار مان لی۔ اور اس ہار کا ثبوت مہیا کرنے کی خاطر وہ اگلی دوپہر نیوجرسی کی بجائے مین ہیٹن ففتھ ایونیو پر جا اترا۔ کارٹیئو بلڈنگ سامنے تھی۔ اس نے ایک زنانہ کارٹیئو واچ دیکھی۔ مگر اچانک یاد آیا کہ کارٹیئو گھڑی تو پہلے ہی گلناز کے پاس موجود تھی۔ وہ وہاں سے پارک ایونیو کی جانب روانہ ہوا۔ اور مہنگے سٹور بنام مارکھا انٹرنیشنل کے شوکیس پر ایک اٹھارہ قیراط گولڈ کی "ناٹ آف لو" کو الٹ پلٹ دیکھنے لگا۔ پرانے افریقی باشندے گڈلک کی خاطر اسی وضع کی ناٹ آف لو کو بڑی محنت اور کاریگری کے ساتھ ہاتھی کے بالوں سے گوندھ کر بریس لیٹ کی شکل دیا کرتا اور تمام حیات پہنے رکھنے میں رومانویت محسوس کیا کرتے۔ اب یہی صناعی سٹرلنگ، سلور اور اٹھارہ قیراط گولڈ میں مارکھا انٹرنیشنل پر گراں بہا دستیاب ہے۔ اونیل نے یہ بریس لیٹ خرید تو لی۔ مگر اس کی تشفی نہ ہوئی۔ سوچا دنیا کے مہنگے ترین جیولری سٹور بنام

ہیری ونسٹن جیولرز کے چکر لگائے جائیں۔ دوبارہ ففتھ ایونیو کی اور چلا۔ اور اس سٹور سے بنام کی ماٹو جاپان کے وضع کردہ اصلی کلچرڈ پرل کا سیٹ جو کہ تئیس قیراط گولڈ میں پرویا گیا تھا۔ کریڈٹ کارڈ پر دھروا لیا۔ راہ چلتے اس کی نگاہ ٹفنی اینڈ کمپنی پر پڑی۔ ریموٹ کنٹرول سیکیورٹی دروازہ سے اندر داخل ہوا اور زنانہ کانکورڈ کی سارا ٹوگا واٹر پروف ریسٹ واچ جو کہ اٹھارہ قیراط گولڈ اور دو قیراط ڈائمنڈ سے مزین تھی۔ چار ہزار پانچ سو ڈالرز کے عوض اپنے گولڈ کارڈ کے کھاتے پر حاصل کرلی۔

"یہ گھڑی" ڈیلر نے بیان کیا۔ "سوئٹرز لینڈ میں خصوصی ماہرین ہینڈ کرافٹ کرتے ہیں۔ زندگی بھر اس کا کوئی ڈائمنڈ گرتا یا کریک نہیں ہوتا"۔

بیوی سے صلح و آشتی کے اس پرمسرت موقع پر اونیل نے بڑی فراخدلی کے ساتھ سب کو مین ہیٹن میں ہیلی کاپٹر کی سیر اور اس سے اگلے دن برانکس چڑیا گھر دیکھنے کی دعوت دی۔ اینا اور سہیل تو ٹیسٹ کی آڑ میں کھسک گئے۔ گلناز کا بس پر بس چلتا تھا۔ زریں کو ہاں کہتے بنی۔ چھوٹی بے بی جس کا نام کیرل اونیل رکھا گیا۔ وہ ویرا کی نگہداشت میں تھی۔

بارھویں ایونیو مغربی تیسویں سٹریٹ پر دریائے ہڈسن کے کنارے جاکوب (یعقوب) اینڈ جاویٹ (شاید جاوید) نامی کنونشن سنٹر کے اندر ہیلی کاپٹر کا اڈہ ہے۔ ادھر درجن ہیلی کاپٹر تین سو پینسٹھ دن سالانہ چوبیس گھنٹے۔ شب و روز۔ فضائے بسیط پر محیط رہتے ہیں۔ مین ہیٹن کے برڈ آئی ویو سے خوب لطف اندوز ہونے کا یہ سیاحوں کا دل پسند ذریعہ ہے۔

سکائے سکیپر پرشکوہ عمارتوں کا آسمانی نظارہ۔ بروز آف نیویارک۔ ایلس آئی لینڈ۔ کراسلر بلڈنگ۔ یو ایس ایس انٹرپیڈ اور ٹائم سکوائر۔ گلناز اس حالت میں اس سے زیادہ دیر ہیلی کاپٹر کے سفر کی متحمل نہ ہو سکتی تھی۔ لہٰذا یہ پروگرام مختصر تھا۔

اگلے روز این وائے کا برانکس چڑیا گھر دیکھنے کا پروگرام تھا۔ پوری تیاری۔ ساز و سامان یعنی پکنک باسکٹ۔ خادمہ ویرا۔ ننھی کیرل بمعہ فیڈرز اور پمپرز (پوتڑے)۔

ویرا کے کندھے پر دو چار گدیلے بیگ اور دوسرے کندھے پر بید کی تیلیوں سے نبی منی سی پنجرہ نما باسکٹ تھی جس کے اندر نرم مخملیں بستر میں دھنسی دنیا و مافیہا سے بے خبر کیرل بند تھی۔ جو فرشتوں کی نیند سو رہی تھی۔ وہاں برانکس زو میں کیو پر منتظر کھڑی رنگ برنگی سیاح خواتین اسے ایک نظر دیکھنے کو ٹوٹی پڑ رہی تھیں۔ اس نظارہ پر گلناز کے چہرہ سے دنیا جہاں کا نور برسنے لگا۔

بس اسی متوقع منظر دلنشین کے حصول کی خاطر آج وہ اس نومولود معصوم روئی کے پھوہہ کو ادھر چڑیا گھر میں اٹھا لائی تھی۔ کہ لوگ اس کی بچی کے حسن کی داد دیتے تھکیں نہیں۔ واہ ری خود ستائی!

اس حقیقت سے زریں قریب تر تھی۔

برانکس چڑیا گھر اور سفاری پورے یونائیٹڈ سٹیٹس میں بڑا میٹروپولیٹن زو ہے۔ دو سو پینسٹھ گرین ایکٹر رقبے پر پھیلا یہ چار ہزار جانوروں کا گھر ہے۔ زیادہ تر چرندے۔ باہر گاڑی کھڑی کرنے کے لئے کشادہ پارکنگ لاٹ ہیں۔ اس سفاری کے جنگلوں اور پہاڑیوں کا سفر بذریعے سکائی فیری ایریئل ٹرام وے طے ہوتا ہے۔ اونٹ کی سواری اور زو شٹل بھی موجود ہیں۔ دنیا کے مختلف ممالک کے چرند و پرند کو قریب سے دیکھ کر سنسنی سی محسوس ہونے لگتی ہے۔ یقین نہیں آتا کہ اس قدر قریب ہونے پر بھی وہ اپنی فطرت کے مطابق حملہ آور کیوں نہیں ہو رہے۔ بنگالی ایکسپریس وے پر مونو ریل کے ذریعہ گائیڈز ٹوؤر سے دل بہلائیے۔ اور وائلڈ ایشیا خصوصاً" بنگال کے چرند پرند آنکھوں سے دیکھئے۔

پرے جنگل ورلڈ ہے جہاں پر ان ڈور جنگلی برسات برسائی جاتی ہے۔ بھری برسات میں بھیگتے آپ ایشیائی وائلڈ ورلڈ کی ہولناکیوں سے قریب تر ہوتے جائیے اور بارش میں رونگٹے کھڑے کر لیجئے۔

ہمالہ کے سفر پر جانا ہو تو آپ سے کچھ فاصلہ پر گھومتے پھرتے خطرناک برفانی چیتے۔ سرخ پینڈا اور کرین۔ مقابل کھڑے آپ کو گھور رہے ہوں گے۔ سفاری تو

ایشیا۔ بنگالی ایکسپریس مونو و ریل ٹرین آپ کو انتہائی خطرناک مگر بالکل محفوظ سفر پر لے جانے کے لئے آپ کے سامنے پلیٹ فارم پر آ ٹھہری ہے۔ لیجئے وہ سفر پر روانہ ہوئی۔ گھور اندھیرے جنگل سے ہوتے ہوئے درمیان میں سرسبز و شاداب حد افق کھلتی چراگاہیں۔ اچانک آپ کی آنکھوں کے لئے ٹھنڈک کا سامان مہیا کر جاتی ہیں۔

ہاتھی۔ رائنو سارس۔ انمول سیکا ہرن۔ سائبیرین ٹائیگر ادھر چہل قدمی کرتے ہیں۔

بے بون یزرو کی شان نرالی ہے۔ وسطی حصہ میں افریقی چرند پرند اور اندرونی حصہ میں شاندار افریقن مارکیٹ ہے۔ اس مارکیٹ کے اندر مٹی۔ لکڑی۔ گلاس۔ کھدر۔ بانس سے بنی انواع و اقسام پرانے اور پراسرار افریقن آرٹ کی بھرمار ہے۔ (اونیل بے ساختہ ادھر ٹوٹ پڑا)۔

دن کے وقت گھپ اندھیرے میں کوئی ٹاکک ٹوئیاں مارنا چاہے تو "اندھیاری نگری" کے اندر داخل ہو کر رت جگا کرنے والے اور شب خوں مارنے والے جانوروں کے ہمراہ کچھ پل بتا لے۔ ادھر بلی کے سائز کے برابر چمگاڈر۔ بش بے بی۔ اور شوگر گلائیڈر دندناتے پھرتے ہیں۔ "اندھیار نگری" میں بچوں کا جھمگٹا رہتا ہے۔

جتنی دیر باقی لوگ فیری رائیڈز ایریئل ٹرام وے کے ذریعہ فضاؤں سے آسمان کی کھلتی نیلاہٹ اور شفق کی کرشمہ سازیاں دیکھ مبہوت ہوا کئے۔ اونیل اس سے دوسری جانب فلیمنگو کی بار پر پہنچ چکا تھا۔

خواتین اور بچیوں نے ریسٹ رومز کے اندر کچھ وقت بتایا۔ کیرل کے پیمپرز تبدیل کئے گئے۔ اس کے بعد سنیکس کی خاطر کیفے ٹیریا کی راہ لی۔

تھکے ماندے رات کو گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ کیرل کے دشمنوں کی طبیعت ناساز ہے۔ وہ قے پر قے کئے جا رہی تھی۔ زریں کے رگ و ریشہ میں خوف حلول کر گیا کہ حسب عادت گلناز آج اس کی ریکری ایشن کی ذمہ داری بھی زریں کے سر ڈالے گی اور ایسا ہوا بھی۔ گلناز پھنکار رہی تھی کہ کم از کم زریں ان کو کیرل کے وہاں لے

جانے کی مخالفت کر دیتی تو یہ سانحہ ہرگز نہ ہوتا۔ بھاڑ میں گئی یہ سیر و تفریح وغیرہ وغیرہ۔

ہر انسان کے صبر و شکیب کی کچھ حد ہوتی ہے۔ پیمانہء صبر لبریز ہو جائے تو چھلک جانا زیادہ بہتر ہے۔ بہ نسبت پھٹ کر تار تار ہو جانے کے۔

ایک ویک اینڈ سلمان ان کے پاس آیا تو فیملی میٹنگ طے پائی۔

"مما!" سلمان مخاطب تھا۔ "بہت ہو چکی اب تو۔ ایک سال اختتام پذیر ہے۔ آپ کا قیمتی وقت۔ رشتہ داروں کی اندرونی سٹرائف اور خودغرضی و موقع پرستیوں کی بھینٹ چڑھ گیا"۔

"کیا آپ محض اس لئے آئی تھیں کہ خالہ کے بچوں کی نگہداشت کریں اور ان کو پال پوس کر جوان کریں"۔ سہیل کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"مجھے امریکہ آنے کے لئے آمادہ کرنے سے لے کر۔ ہمارے دوبارہ نیویارک سیٹل ہونے کے شواہد بتاتے ہیں کہ گلناز من میں یہی جوت جلائے بیٹھی ہے"۔ زریں نے دبی زبان سے جواب دیا۔

"وٹ؟ آر یو سیریس مما؟؟" سلمان میز پر آگے کو جھکا۔

"اس میں کوئی شک نہیں"۔ اینا نے اطلاعا" کہا۔ "اسی لئے تو خالہ تمام میل جولیوں کے آگے مما کی زندگی کے اس پہلو کے متعلق تعریفوں کے پل باندھ دیتی ہیں کہ انہوں نے کس قدر محنت لگن کے ساتھ اپنے بچوں کی نگہداشت کی ہے۔ ان کی تربیت بے مثال ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور عارتا" یہ بھی کہہ دیتی ہیں کہ کاش ان کی بچیوں کے سر پر بھی ایسی ٹھنڈی اپنے کسی پیارے کی چھاؤں آ جائے"۔

"او.... " سہیل درمیان میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر اینا نے اسے بولنے کا موقع نہ دیا اور جاری رکھا۔

"یہ ورد تو ہر لحظہ ان کی زبان پر جاری رہتا ہے کہ اللہ! دیکھو تو کیسی پیاری

پیاری میری کیرن اور کیرل جیسے کنٹری ڈالیاں (گڑیاں) اور اتنا خوبصورت میرا یہ شاندار کنٹری ہوم۔ کس کا جی نہ چاہے کہ ادھر ہی کا ہو نہ جائے"۔

"کہہ دیجئے گا ان سے صاف صاف۔ اب مہلت دیں ہم کو بھی۔ مما! فار گڈنیس سیک! آپ خالہ سے کوئی کم تعلیم یافتہ ہیں۔ بلکہ زیادہ گریس۔ عزت و تکریم کی مالکہ ہیں۔ پھر خالہ کی یہ کریزی ٹائپ ہائی راکلاڈ توقعات میری سمجھ سے بالا تر ہیں"۔

"مسئلہ یہ ہے کہ جس قسم کا نفسیاتی استحصال خالہ نے ہماری ماں کے ساتھ روا رکھا ہے۔ ہم سے یہ لاکھ چھپائیں مگر ہمیں اپنی جگہ ہر دم احساس رہتا ہے"۔ سہیل آزردگی کے ساتھ بولا۔

"ایسا کرنے سے ماسی کا مقصد ان کو مطیع کرنے کے سوا کیا ہو سکتا ہے"۔ ایلا کہہ رہی تھی۔ "جب کہ آئندہ دنوں میاں بیوی کی طویل سالانہ سیر و سیاحت کے پلان ہیں۔ افریقہ۔ برازیل۔ اٹلی۔ سپین۔ ناروے۔ لندن۔ وہ اپنی بچیوں کو ویرا کے پاس تنہا چھوڑنے کے لئے خائف ہیں"۔

"بل شٹ!" سلمان چڑ گیا۔ "اس کا مطلب ہے کہ آپ غیر محدود برسوں کے لئے اسی نوع کے جنجال میں پھنسی رہیں گی۔ ہر والدین کے لئے ان کی اولاد ان کی نجی ذمہ داری ہے۔ اور پھر آپ کے اپنے پلان؟ آپ کا اپنا قیمتی وقت۔ آپ کسی اعلیٰ مقصد کے حصول کی خاطر وطن سے دور یہاں بیٹھی ہیں۔ آپ کو ادھر وائٹ کالر جاب مل سکتا ہے۔ آپ کے مزید تعلیم حاصل کرنے کے ارادے اور ولولے؟ کیا یہ سب اسی رفتار سے خالہ کی خودغرضانہ بھینٹ کے تیز دھارے میں بہ جائے گا۔ اس سے پیشتر کہ وہ اپنی مطلب براری کی خاطر آپ کے ہمت و ارادوں کو پاش پاش کر ڈالیں۔ گلو خلاصی کروا لیجئے ان سے۔ ایک دم۔ پورا ایک سال آپ کا ضائع ہو چکا ہے۔ اس سے زیادہ زیاں کی آپ ہرگز متحمل نہیں ہو سکتیں"۔

"گلو خلاصی؟ یہ اتنا بھی سہل نہیں ہے"۔ زریں نے اداسی کے ساتھ جواب

دیا۔

"مما! آخر یہ کشاکش پنہاں چہ معنی دارد؟" سلمان تڑخ کر بولا۔

"مما پلیز! ہم سے آپ کچھ پوشیدہ مت رکھیں۔ آخر آپ جیسی باصلاحیت و مدبر خاتون ان ڈومینشونگ خالہ صاحب کی کھوکھلی اکڑ فوں اور دھاکڑی کے آگے سرنڈر کیوں ہو چلیں؟"

"ہاں مما! یہ سب لگاتار سہتے اب تو جی سنسنا گیا اپنا تو"۔ سہیل بولا۔ "مما! آج آپ کو بتانا پڑے گا۔ آخر کیا مصلحت ہے۔ جو آپ نے ہم سے میخہء راز رکھ چھوڑی ہے"۔

"گلناز سے میرا وعدہ تھا۔ کہ...."

"فار گڈنیس سیک مما!"

"تو سنو۔ گلناز نے بطور بڑی بہن مجھے سپانسر کر رکھا ہے"۔

"کیا۔ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ پچھلی مرتبہ کئی سال پہلے جب میں امریکہ آئی تھی۔ گلناز کے بیان کے مطابق اٹارنی کے ذریعہ اپنی جانب سے میری سپانسرشپ کے تمام کاغذات مکمل کروا کر امیگریشن آفس مین پیٹشن داخل کروا دیئے تھے۔ اس نے میرے گرین کارڈ کے لئے فائل کر رکھا ہے مجھے"۔

ٹوٹل نٹس!" سلمان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ "آپ نے اس سے متعلقہ عرضداشت کا فام پر کر کے دستخط کئے تھے؟"

"افلاطون کہیں کے! مجھے فارم وغیرہ بھرنے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تو بعد کا مرحلہ ہے۔ پٹیشن تو گلناز کی جانب سے فائل ہوئی تھی۔ اولیں اس نے اپلائے کیا تھا۔ میری باری تب آئے گی جب "کٹ آف ڈیٹ" کے اعلان پر مجھے امیگریشن آفس پہنچ کر ذاتی طور پر عرضداشت اور دوسرے لوازمات بھرنا ہوں گے"۔

"پھر بھی آپ کے دستخط ضروری نہ تھے؟ بہرحال اب معاملہ کہاں تک پہنچا

ہے؟"

"وہ کوئی ڈھنگ سے جواب نہیں دے پا رہی۔ جب بھی دریافت کروں گی۔ جھنجلاہٹ بھرا جواب ملتا ہے۔ یہ کہ ابھی کٹ آف ڈیٹ آنے میں کچھ عرصہ درکار ہے"۔

"غیر محدود ڈیئر مما! جب تک وہ آپ کی پرسکون نفسیات کو جھاڑ جھنک اپنے مطابق ہموار نہ کرلیں گی"۔

"ڈونٹ بی ناسٹی۔ سلمان! ٹائم تو درکار ہوتا ہے۔ امیگریشن کے معاملات خاصے حوصلہ شکن ہیں آج کل امریکہ میں"۔

"رہنے بھی دیں۔ ایک ایسے جھمیلے میں بلا سوچے سمجھے آپ جکڑی جا رہیں جس کا سر ہے نہ پیر"۔

"ایک بات نوٹ کی تم نے سلمان بھائی"۔ سہیل بے صبری سے بولا۔ "خالہ اس بالکل قانونی کاروائی کو ہم سب سے صیغہ میں راز رکھتی چلی آ رہی ہیں۔ آخر مقصد کیا تھا ان کا"۔

اچانک ایک انجانے کھٹکے کا احساس کھٹ سے ان سب کے ذہنوں میں ہمہ وقت وارد ہوا۔

"ہم چل رہے ہیں۔ کل صبح سویرے مین ہیٹن امیگریشن کے آفس۔ امریکہ میں بالکل سہل ہے۔ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ یاس و آس کے جھولے پر لٹکنے کی بجائے جس طرح چاہے جب چاہے اپنے متعلق تمام حقیقی شواہد حاصل کر سکتا ہے"۔ سلمان اٹھ کھڑا ہوا۔

اگلی صبح سوموار کا دن تھا۔ وہ آٹھ بجے کے قریب مین ہیٹن کے امیگریشن آفس میں داخل ہوئے۔ اور اپنی باری کا نمبر حاصل کیے عجب کشش و پیچ کی کیفیت میں غلطاں اپنی سیٹوں پر گھنٹوں منتظر رہے۔ جب زریں کا نمبر پکارا گیا تو انفارمیشن ڈسک پر وہ چاروں جا پہنچے۔ انفارمیشن آفیسر نے زریں کا امریکی آئی ڈی چیک کیا۔ اور ان کے

تمام سوالات کا جواب دھیرج اور اخلاق کے ساتھ دیتا رہا۔ اس نے انواع و اقسام فائل اور کمپیوٹرز کھنگال مارے۔ دوسری ریاستوں کو فیکس روانہ کئے اور ان کو مزید چند گھنٹے انتظار کرنے کے مشورہ نیک دیا۔ آخر تین بجے آفس بند ہونے کے نزدیک ان کو دوبارہ انفارمیشن ڈسک پر پکارا گیا۔ اس اطلاع پر یہ خاندان بھونچکا رہ گیا کہ گلناز اونیل نے اپنی بڑی بہن زریں روحیل کو نہ تو کبھی سپانسر کیا تھا اور اس کی مکمل امریکی سکونت (گرین کارڈ) کے حصول میں معاونت کی خاطر پٹیشن فائل کی۔ بلکہ اس نے کسی خونی رشتہ کو سپانسر کرنے کے لئے کبھی کوئی عرضداشت کہیں بھی کسی امریکن ریاست کے امیگریشن آفس میں داخل نہ کروائی تھی۔

انفارمیشن آفیسر نے ان کی تسلی کی خاطر ایک ٹائپ شدہ بیان آفس کی جانب سے ان کے حوالہ کیا۔ یہ تحریر گلناز کے فریب پیہم کی قلعی کھول دینے کا مظہر تھا۔

شام چار بجے کے قریب وہ آفس سے باہر نکلے تو چاروں شانت تھے۔

"برڈ فری مما"۔ سلمان نے ماں کا بازو پرجوش تھامے بچوں کی سی بشاشت بھری آواز میں خوش خبری سنائی۔

"یے.... یس!!" اینا نے ہوا میں مکہ لہرا کر مسرت کی پھریری لی۔

"وی آری برڈ فری"۔

آس پاس سے گزرتے راہی سمجھ رہے ہوں گے۔ شاید انہوں نے گرین کارڈ حاصل کر لیا۔

"برڈ فری۔ برڈ فری۔ بڈیز!" سہیل کھل کر چہچہایا۔ "اوپن یور ونگز اینڈ فلائے"۔

"فلائے رابن۔ فلائے۔ اپ۔ اپ۔ ان دا سکائے"۔

وہ چاروں عالم سرشاری میں ہنستے کھکھلاتے ہاتھوں میں ہاتھ تھامے قدم سے قدم ملاتے سنٹرل پاک کی اور روانہ ہو گئے۔ جہاں پر ڈال ڈال موسم بہار کے برگ و بار پر مہک کے ڈیرے تھے۔

"گلناز کے اس نیش عقرب کے بعد ہم آئندہ کبھی بھی اپنوں پر بھروسہ نہ کریں۔ زندگی کی ہر تگ و دو میں اپنی سوچ و فکر اور زور بازو پر تکیہ کریں گے"۔ انہوں نے یک زباں عہد کیا۔

"مما"۔ اینا کو شرارت سوجھی۔ اگر سدا کی جھنجلاتی تلملاتی خالہ جانی گرین کارڈ کی اس تلخ حقیقت کے سرنگوں ہونے کے بعد آپ کے روبرو آ جائے۔ تو۔ تو آپ کے اوپر اچانک کیا رد عمل ہو گا۔ کیسے تخاطب ہوں گی آپ ان سے؟"

"میں۔ میں اسے کہوں گی۔ بر گرچہ دور است! در فتنے منہ"۔

بچے پہلے تو اپنی سنجیدہ متین ماں کے منہ سے یہ ناقابل توقع الفاظ سن کر چند لمحے خاموش رہے۔ پھر جانے کیا ہوا۔ جیسے چاروں کو اپریل کی لدھی پھندی ہواؤں نے گدگدا دیا ہو۔ وہ۔ وہ یک زباں چہچہائے گئے۔ ان قہقہوں میں ان کا ساتھ کیاریوں کے بھرے پرے سفید قرمزی۔ سرخ اور نیلے پیلے کھلتے ڈیفوڈل کے پھولوں نے دیا۔ چہار جانب ماہ اپریل کی نت بدلتی رنگ آرائیوں کا سماں تھا۔

خدائی خدمت گار

خدائی خدمتگار

خدائی خدمتگار

خدائی خدمتگار

خدائی خدمتگار

جاگتی آنکھوں کا عفریت

ہوم الیون بچہ

خدائی خدمتگار

خدائی خدمتگار

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

(اقبالؒ)

امریکہ ایک ایسا ملک ہے۔ جہاں پر حقوق انسانی کا ڈنکا بجتا ہے۔ بچوں کے حقوق۔ مردوں کے حقوق۔ عورتوں کے حقوق۔ کرایہ داروں اور مالک مکانوں کے حقوق۔ کالے اور گورے کے حقوق۔ لزبیئن اور "گے" کے حقوق۔ بلکہ تارکین وطن اور مہاجرین کے حقوق۔مگر ایک ہستی ایسی ہے۔جس کے حقیقتاً کوئی حقوق نہیں ہیں۔ اور وہ ہے ماں۔ خصوصاً" ایسی ماں جو اپنے بچوں کو مکمل پروان چڑھانے کے بعد اپنے فرائض سے فراغت کے شب و روز بتا رہی ہو۔ اور بچوں کو مزید اس سے مطلب براری نہ رہ گئی ہو۔ ایسی ماں یہاں پر بیکار محض متصور ہوتی ہے۔ خصوصاً" جب بیمار اور بے کس ہو جائے۔ کوئی عدالت اس بڑھیا کے حق میں اس کے بچوں کی لاپرواہی۔ بے نیازی اور سردمہری پر اس کے قدرتی حقوق کی پاسباں نہیں۔ مدرز ڈے پر یہاں بڑی ہما ہمی رہتی ہے۔ لگتا ہے جیسے آج کے روز ہرامریکی ماں پرور بن چکا ہے۔ پھولوں کے گلدستے اور گملے اس کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے جاتے ہیں۔ تحفے تحائف سے اسے نہال کرنے کے لئے کوشاں۔ بیٹے۔ بیٹیاں۔ بہوئیں کمال سخاوت کا اظہار کرتے ہوئے ماں کو عمدہ ڈنر کھلانے کسی اچھے ریسٹورنٹ لے جاتے ہیں۔ پر ماں کی خوشیوں کے یہ تابش لمحے چند گھنٹوں پر محیط ہوتے ہیں۔ رات گئی۔ بات گئی۔ اگلی ویران صبح اس کی اولاد کو مزید ایک برس کے لئے اس سے جدا کر دیتی ہے۔ ہزاروں۔

لاکھوں مائیں ایسی بھی ہیں۔ جو اپنی زندگی کے ان اہم ترین گھنٹوں کا ہرپل اپنے سر پر پہاڑ بنائے اگلی صبح سحر ہونے کے تک سر تاپا منتظر رہتی ہیں۔ کہ شاید اس کی کوکھ سے جنا بیٹا یا بیٹی چند لمحوں کو ہی سہی اس کے اندھیرے در پر روشنی کی کرن بن کر نمودار ہو جائے۔ ایسی نادار مائیں اگلی صبح سے آنے والے اگلے سال کے مدرز ڈے کی گھڑیاں دوبارہ گننا شروع کر دیتی ہیں۔ کہ اس برس نہیں تو شاید اگلے برس ان کے من کی مراد بر آئے گی۔

امریکہ میں آج کل جوان نسل بلکہ ادھیڑ عمر کے لوگ بھی میڈیکل سائنس کی ان خدمات سے نالاں ہیں۔ جن کے ذریعہ انسانی اوسط عمر میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ پینسٹھ سال عمر والے اب اٹھائیس ملین سے تجاوز کر کے (1980ء) آئندہ سن 2000ء تک پینتیس ملین تک پہنچ جائیں گے اور لوگوں کی اوسط عمر ایک سو دس سال ہو جائے گی۔ خیر تو جوانوں کا کہنا ہے کہ "بڑھاپا" میں اضافہ سے خود ان کے مسائل میں گوناگوں اضافہ ہو رہا ہے کیونکہ نہ صرف ان کے والدین بلکہ دادا۔ دادی۔ نانا۔ نانی۔ بھی قبر کے بورئیے سمیٹ بیٹھے رہتے ہیں۔ اور اسی آس پر جیتے ہیں کہ بیٹا بیٹی یا پوتا پوتی۔ ان کے گھرداری اور گروسری وغیرہ کروانے میں ہاتھ بٹائیں۔ ادھر نوجوان سخ پا ہیں کہ اپنی تعطیلات وہ بذات خود اپنے عیش و آرام کی خاطر ریزرو رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ ہفتہ میں پانچ طویل روز و شب محنت کی چکی میں پسنے کے بعد لازما" ان کا جی چاہتا ہے کہ ویک اینڈ یا تعطیل پر دوستوں یا گرل فرینڈ یا بیوی کے ہمراہ ہب۔ ڈانس گھر۔ بیچ۔ پکنک یا کیمپنگ اور لانگ ڈرائیو جیسی تفریحات کو انجوائے کریں۔ نا کہ والدین یا بوڑھے کھوسٹ گرینڈ والدین کے گھروں کی سرانڈ برداشت کرتے پھریں"۔

ایسے میں خوشی ناخوشی اگرچہ چند گھڑیوں کے لئے ان کو وزٹ بھی دیں گے تو یوں جیسے ان کے بے آرام بوسیدہ صوفے میں دھنسے سولی پر لٹکے بیٹھے ہوں۔ بھولے بھالے والدین اس موقع پر پھولے نہیں سماتے کہ ان کا چاند ان کو دیدار دینے کی خاطر

اس سے زمین پر اترا ہے۔ چالیس تا ساٹھ کے پیٹے میں ادھیڑ عمر اولاد کی سوچ بھی والدین کے بارے میں نوجوانوں سے قریب تر ہے۔ وہ شاکی ہیں کہ وہ بھی تو بڑھاپے کی جانب رواں دواں ہیں۔ ان کے قویٰ اتنے مضبوط نہیں رہ گئے۔ اس بے ہمتی کے عالم میں ضعیف العمر والدین کا بوجھ اٹھائیں یا اپنی گرتی صحت کو سنبھالا دیں۔ ریت و رواج یہ ہے کہ جس طرح عاقل و بالغ اولاد کا والدین کے ہمراہ رہائش پذیر ہونا باعث تمسخر خیال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ادھیڑ عمر اولاد کا ضعیف والدین کو ہمراہ رکھنا "عجب" گردانا جاتا ہے۔ ادھر گھروں میں آگ لگنے کے زیادہ تر واقعات سموکرز کے علاوہ ضعیف لوگوں سے سرزد ہوتے ہیں۔ گھروں کے اندر قتل ہو جانے کے زیادہ حادثات نوجوان غیر شادی شدہ لڑکیوں کے تن تنہا رہنے سہنے کے علاوہ یکہ و تنہا ضعیفوں کے ساتھ پیش آتے ہیں۔

ایسی بال بچے دار مگر بوڑھی لاوارث ماؤں کے گھر بدبودار۔ غیر ہوادار (کہ وہ سردی کے خوف سے دریچے وا نہیں کرتیں)۔ کچن کے بیسن کے اندر غلیظ۔ جھوٹے برتنوں کے اوپر "روچز" کا جمگھٹا۔ جوتے۔ کپڑے بغیر لانڈری دنوں ادھر ادھر بکھرے رہتے ہیں۔ پردے اور صوفے وغیرہ عرصہ دراز صفائی ستھرائی کے بغیر تقریباً نم آلود اور کائی آلود ہو کر سرانڈ پھیلا دیتے ہیں۔ سنگل ہومز یا ڈوپلیکس کے مکین ضعیف بدتر حالات سے دوچار رہتے ہیں۔ ان کے گھروں میں داخل ہونے کے تمام رستے پر خودرو جھاڑیوں اور کانٹے دار جھنکار کا قبضہ رہتا ہے۔ ضعف اور نقاہت کی وجہ سے وہ اپنے گھربار کو سنبھالا دینے کے ناقابل ہو جاتے ہیں۔

جس ہسپتال میں میں ان دنوں میں کام کر رہی تھی۔ وہاں پر اس نوع کی بے شمار ناتواں اور مسکین صورتوں نے والنٹیئر سروس میں کام کرنے کا میرے اندر جذبہ بیدار کر دیا۔ ان مسکین صورتوں میں ضعفاء بھی تھے۔ ستم رسیدہ ادھیڑ و جوان عورتیں۔ بیمار' لاغر اور لاوارث بچے۔ معذور اور ہوم لیس اور سوسائٹی کے دھتکارے ہر کلاس سے متعلق کج ادا فرینک۔ بھی شامل تھے۔ ہسپتال کی جانب سے میری ڈیوٹی

یہ تھی کہ ایسے مریضوں کا بلڈ پریشر۔ ہارٹ ریٹ اور مفصل فزیکل معائنہ کرنے کے بعد ان کی ادویات و ضروریات کے بارے میں ہسپتال کو رپورٹ کیا کروں۔

وہ کہتے ہیں کہ نا کہ ہر شے مکمل سیاہ یا مکمل سفید نہیں ہوا کرتی۔ اس قطعہء زمین پر جہاں عام نوجوان جذبہء انسانیت سے بالکل عاری ہو چکے ہیں۔ وہاں مٹھی بھر خداترس اور انسانیت پرور بھی موجود ہیں۔ جو ان نصیب تیرہ و تاز میں جکڑے انسانوں کو اپنی ان تھک خدمات سے فیض یاب کرنے کی بے پناہ سدھ بدھ اور حوصلہ رکھتے ہیں۔ ان کو آپ "خدائی خدمتگار" کہہ لیں۔ گو ان بے نوا۔ ضعیفوں اور بوڑھوں۔ معذوروں۔ مظلوموں اور یکہ و تنہا لوگوں کے مقابلہ میں ان خدائی خدمتگاروں یا والنٹیئرز کی تعداد اونٹ کے منہ میں زیرہ کے برابر ہے۔ مگر ان کا جذبہ ترحم۔ ان کے ناخلق بھائی بندوں کے مقابلہ میں ہر طرح قابل ستائش ہے۔ نفسانفسی اور آپا دھاپی کی لپیٹ میں آئے اس خطہء زمین پر یہ خدائی خدمتگار جو عموماً" جوان طبقہ اور ٹین ایجز سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمہ وقت اپنے فرائض میں جتے دکھائی پڑتے ہیں۔ بے غرض۔ بے طمع و لالچ۔

اس سلسلہ کی ایک آرگنائزیشن کے ساتھ کام کرنے کا بھی اتفاق ہوا۔ جس کا نام "سلیف ہیلپ ٹیم" ہے۔ یہ ٹیم ۱۹۴۱ء سے کیمونٹی سروس خوب وسیع پیانہ پر سرانجام دے رہی ہے۔ نیویارک سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ آف ہیلتھ کی جانب سے اس ٹیم کے ہمراہ مجھے بھی چند ایک سچویشن پر بھیجا گیا۔ کام کرنے والوں میں ڈاکٹرز۔ نرسیں۔ کوالیفائڈ ہیلتھ کیئر پروفیشنلز اور سوشل ورکرز شامل ہیں۔ یہ رفاہی ڈاکٹرز تو محض سپروژن کی حد تک فیلڈ میں آتے جاتے ہیں۔ اس کڑی کا بقیہ وقت ان کو اپنے ہسپتال میں ہی رہ کر ان حاجت مندوں کا بطور رفاع عام علاج معالجہ کرنا پڑتا ہے۔ نرسیں علاج کے پلان اور پروگریس سے متعلق ڈاکٹروں کو مطلع کرتی ہیں۔ ورکرز البتہ بالکل صحیح معنوں میں والنٹیئر جاب کے تقاضے پورے کرتے ہیں۔ وہ عموماً" اپنی تعطیلات۔ ہالیڈیز۔ اور ویک اینڈ۔ اس عظیم مقصد پر وار دیتے ہیں۔ خدمت خلق کے

لئے ان کا جذبہء دلگداز دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کمپلیکس اور عموماً" ٹیکنیکل قسم کے کاموں کے دوران ان کا تجسس اور جوش و خروش اور لگن قابل ستائش ہے۔

میں والنٹیئر اور رفاہی اداروں کو بے حد قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتی ہوں۔ وہ دم توڑتی انسانیت میں نئی روح پھونکنے پر قادر ہیں۔ یہاں کسی بھی خیراتی اور رفاہی ادارے کے اندر فنڈز اور گرانٹ بالافراط موجود رہتے ہیں۔ مگر ایک پیسہ کا خرد برد نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ والنٹیئر سروس پر عوام کا اندھا بھروسہ ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ بہرحال والنٹیئر جاب نے نہ صرف میرے جذبہء خدمت کو تقویت دی۔ بلکہ اس سوسائٹی کے تار و پود کو چند مہینوں میں میرے آگے سرنگوں کر دیا۔

فی الحال میں یہ بتانے جا رہی ہوں کہ آخر وہ کون کون سے عوامل ہیں جنہوں نے اس مادہ پرست اور ٹائم کانشس سوسائٹی کے طول و عرض کو خدائی خدمتگارں کی وافر خدمات حاصل کروا رکھی ہیں۔ امریکی زندگی کے گنجلک بڑے طویل ہیں۔ ماٹ گیج۔ کریڈٹ کارڈ اور گاڑی کی اقساط کی ادائیگیاں۔ ناشتہ میں جلے ٹوسٹ۔ ڈیٹنگ۔ سالہا سال میں ایک آدھ بچے کی پیدائش اور پھر نگہداشت کے اٹھارہ سالہ کٹھن ترین مراحل۔ سویرے سویرے بیوی سے لڑائی اور گاڑی کے انجن کے ساتھ ہاتھا پائی۔ پارک وے کی جام ٹریفک۔ جاب پر تاخیر۔ باس کے بگڑے تیور۔ گاڑی کی پارکنگ کے مراحل۔ اکثر گاڑیاں چوری ہو جاتی ہیں۔ مثلاً کوئینز (نیویارک) کے" ناسو" اور سفک کاؤنٹی میں پچھلے سال ڈیڑھ لاکھ گاڑیاں چوری ہوئیں۔ ون ملین گاڑیاں پورے امریکہ سے ۱۹۹۳ء کے دوران اٹھالی گئیں۔ فلاڈیلفیا سٹی جسے وہاں کے مکین پیار سے فلی کہہ کر پکارتے ہیں۔ جرائم کے لحاظ سے نمبرون ہے۔ اور لاس اینجلز کے کیا کہنے۔ جہاں اکثر ایمرجنسی کے سے حالات رہتے ہیں۔ امریکہ میں ہر جگہ لوگوں کے لاشعور پر گھر سے باہر قدم دھرتے ہی ایمرجنسی کا خوف سوار ہونے لگتا ہے۔ کہ ادھر روزانہ کوئی پچیس ہزار لوگ ایمرجنسی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ ایکسیڈنٹ۔ آگ۔ ڈوبنے کے واقعات۔ ہارٹ اٹیک۔ سٹروک۔ روڈ ایکسیڈنٹ یا قتل و غارت۔

امریکہ کے گنجلک ہر کس و ناکس پر بھاری بھر کم ہیں۔ زنانہ اناٹومیکل کپلیکس سے چور چور یہ سوسائٹی مختلف النوع مسمومیات سے دم پخت سی ہے۔ پرانے ہائی رائز کمپلیکس بلڈنگوں یا بوسیدہ سنگل ہومز۔ اینڈ ڈوپلیکس کے کے در و دیوار کے اندر زہریلے فنگس نما سیاہ مولڈ کے انڈوں کا زہر۔ دریائے ہڈسن جس کا پانی نیویارک۔ نیوجرسی اور کینکٹکٹ کی ریاستوں میں کھانے پینے کے کام لایا جاتا ہے۔ اس کی تہوں میں ڈوبے کناروں اور چٹانوں پر چمگادڑوں کی مانند چپٹے کریہہ المنظر غلیظ ننھے ننھے آبی مسل (آبی جانور) کی بھرپور افزائش ہو رہی ہے اور یہ زہریلی افزائش غیرمرئی انداز میں انسانی اجسام کے اندر سرائیت کئے جا رہی ہے۔ فضائی آلودگیوں اور ٹریش سے مینوفیکچر ہونے والے وافر مقدار کے زہریلے مادوں کا تو پوچھئے مت۔ دنیا کا خیال ہے کہ امریکہ اپنا ٹریش تھرڈ ورلڈ ممالک کو کوڑیوں کے بھاؤ فروخت کر کے نہال ہو جاتا ہے۔ یا خود محض انڈسٹریل اور آٹوموبائیل دھواں میں سلگنے پر اکتفا کر رہا ہے۔ حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ ٹریش اس قدر زیادہ مقدار میں پایا جاتا ہے کہ تھرڈ ورلڈ کے ساتھ بیوپار میں جانے والا تو کسی کھاتے میں نہیں آتا۔ مجبوراً انہیں گھریلو اور انڈسٹریل ٹریش کو جلا کر راکھ میں تبدیل کر کے اٹلانٹک اوشن میں ڈبونا پڑتا ہے۔ اور کوئلہ جلے تو راکھ بھئی کہنا بڑا شاعرانہ ہے پر یہ راکھ اپنے اندر بے انتہا زہریلے مادے مثلاً لیڈ۔ کیڈمیم۔ مرکری اور آرسینک مخفی رکھتی ہے۔ سنا ہے کہ آئندہ یہ راکھ غریب ممالک پر یہ جھانسا دے کر فرخت کی جائے گی کہ کنکریٹ کے ساتھ اگر اس کو مکس کر کے عمارت کی تعمیر کے کام لایا جائے تو فن تعمیر میں نکھار آ جاتا ہے۔ شاید اسے کہتے ہیں آموں کے آم اور گٹھلیوں کے دام۔

انسان کے جسم کے اندر جب مختلف النوع زہر لگاتار سرایت کر رہے ہوں تو وہ زہریلا ہو جاتا ہے۔ اور ہر دم نشیب و فراز تیرہ و تاز میں جکڑا انسان صرف بے اطمینان و بوجھل نہیں بلکہ بدحواس بھی رہنے لگتا ہے۔ یہاں فرد اور فرد کا ماحول بدحواسیوں میں جتلا ہیں۔ جیسے صبح میٹنگ اور رات خود بخود فریج ڈی فراسٹ ہو گیا۔

خاتون کے تین کوئی مسکارا اور دفتر میں قدم رنجہ فرماتے ہی چھینک۔ کام سے تھکے ہارے اپارٹمنٹ میں داخل ہوئے تو لاڈلا کتا چہل قدمی کروانے کو مچل اٹھا۔ جبکہ باہر موسلادھار بارش کا سماں ہے۔ صبح ماؤتھ واش منہ میں انڈیلا پر وہ جلد کا لوشن نکلا۔ شکر کریں کہ کپڑوں کے داغ دھبہ مٹانے والا شاؤٹ آؤٹ منہ میں انڈیلا نہ گیا۔ جینز اور سوٹ شرٹ پہن کر آفس میں گئے۔ کہ اندازہ کے مطابق باس وہاں موجود نہ ہو گا۔ مگر نہ صرف وہ موجود تھا۔ بلکہ عملہ کی "ڈریس کوڈ" میٹنگ جمائے بیٹھا تھا۔ صبح کی پہلی منحوس کال "امریکن ایکسپریس نے آپ کا کارڈ بوجہ کینسل کر دیا"۔ دفتر میں تاخیر سے پہنچے۔ کسٹمرز کی لمبی کیو سے پہلا بندہ داخل ہوا تو اچانک آپ کو یاد آگیا کہ گھر پر استری کا پلگ آف کرنا بھول آئیں۔ بس کی سیڑھی پر قدم رنجہ ہوئے تو پتہ چلا کہ آپ کے والٹ میں چھ سینٹ اور ایک سو ڈالر کا نوٹ ہے۔ سلیکس کا زپ اچانک ادھڑ گیا۔ جب کہ آپ اوپر ٹینک ٹاپ پہن کر آئی تھیں اور آپ کے سٹور کی انسپکشن کرنے والی ٹیم ابھی آیا ہی چاہتی ہے۔

کچھ ایسے مسائل بھی جو ان لوگوں نے اپنے اوپر زبردستی لاد رکھے ہیں۔ ہمسایہ کا چہرہ " ٹین " ہے۔ تو اپنا چہرہ جھلسا کر ٹین کر لو۔ (ہمسایہ کا چہرہ گرچہ سرخ ہے تو اپنا چہرہ تھپڑ مار کر سرخ کر لو والا محاورہ ادھر نہیں چلتا)

موسم گرما کے شروع ہوتے ہی ہر فرد واحد کو اس بات کا غم کھانے لگتا ہے کہ وہ دوسری کی نسبت زیادہ گورا کیوں ہے۔ ہے نا عجیب! کالے امریکیوں کے ساتھ صدیوں کا تعصب اور منافرت محض ان کی چمڑی کی رنگت کی بنا پر ہے۔ تاہم گورے اپنے گورے پن سے نجات پانے کی خاطر سالانہ ایک سو پینسٹھ سو (۶۵۰۰) ملین ڈالرز ٹیننگ لوشن وغیرہ پر خرچ کر ڈالتے ہیں۔ تاکہ وہ کالے نظر آئیں۔ ٹیننگ کرنے والی گولیوں نے اب تہلکہ مچا دیا ہے۔ گو سب جانتے ہیں ان کے اندر زہریلا مادہ کنتھرکیس شامل ہے۔ جو کہ گردوں، ہڈی کے گودے، آنکھوں اور جگر کے لئے بے حد مضر ہے۔ مگر خوبصورتی کے زعم میں ان کو کیسے کیسے جتن کرنے پڑتے ہیں۔

خوبصورتی کا معیار ان کے نزدیک بالکل کریزی ہے۔ ورک آؤٹ جم کے ان تھک چکر۔ اگر موٹاپا ہے تو لوٹ کر پڑتا ہے مگر گگر کی خوبصورتی کا معیار نرالاہ ہے۔ ایک سوکھا مرد۔ جس کے سر سے بال غائب ہوں۔ بازو اور ٹانگیں سوکھی لکڑی کے مواتق۔ پیٹ کمر سے جا لگے۔ گالیں چپکی دھنسی ہوں۔ گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوں۔ تو۔ تو وہ ایڈز زدگان میں شامل ہو گا۔ جیسے بیچارا مرحوم پاپ سنگر کوئین۔ البتہ یہی نین نقشہ اگر کسی دوشیزہ کا ہو جائے تو وہ حسین و جمیل سپر ماڈل کہلاتی ہے۔

خیر ذکر ہو رہا تھا۔ امریکی گنجلک کا۔ ایک اوسط امریکی جس قدر اپنے قومی و مذہبی ڈیز کے ہاتھوں تباہ حال ہے۔ اس کا اندازہ مشکل ہے۔

ہالیڈیز۔ کرسمس۔ تھینکس گونگ ڈے۔ ہالوین ڈے۔ بڑے بزرگوان وطن کی برسیاں اور سالگریں۔ اپنی اپنی سالگرہ۔ باس ڈے۔ سیکرٹری ہفتہ۔ فادر ڈے۔ مدر ڈے۔ ایمپلائی اور ایمپلائر ڈے۔ گریجویشن۔ زچگی ڈے اور شاور ڈے۔ نیو بے بی۔ ہاسپٹل کا قیام۔ پروموشن۔ جاب سے چھٹی۔ نیا جاب۔ ریٹائرمنٹ۔ فوجی ڈے۔ سینٹ پیٹرک ڈے۔ خوش آمدید اور الوداع۔ مبارکبادیاں۔ فلاں اور ڈھمکاں۔ یہ ڈے کا چکر ان کو کنگال کر رکھ چھوڑتا ہے۔ اندھی شاپنگ اور تحفے تحائف کی پاگل دوڑ۔ بٹوے خالی ہو جاتے ہیں۔ کریڈٹ کارڈ بھر جاتے ہیں۔ پر ان کارڈوں کا سراب اور انشورنس کا جہنم ایسا ہے جن کے آہنی پنجہ میں گرفتار ہوئے بنا کسی امریکی کو ایک پل چین نہیں۔ یعنی امریکی۔ امریکن کہلانے کا حقدار نہ ہو گا۔ گرچہ وہ دو چار کارڈوں اور چار چھ اقسام انشورنس کا مالک نہ ہو گا۔ گو ڈاکٹروں اور ہسپتالوں کے تمام بل ادا کرنے سے ان کی انشورنس کمپنیاں صاف صاف پہلو بچا جاتی یا بہت کم شیئر دیتی ہیں۔ معمولی سی ڈرائیونگ کوتاہی سے ہر لحہ ان کو کار انشورنس کے آسمان پر چڑھ جانے کا قلق رہتا ہے۔ وہ لوگ جن کے پاس ہیلتھ انشورنس نہیں۔ ایک اندازہ کے مطابق ان کے درمیان شرح اموات انشورنس رکھنے والوں کے مقابلہ میں تین گنا ہے۔ یعنی اگر کوئی غریب ہے۔ بے شک امریکن سٹیزن ہے ادا نہیں کر سکتا تو علاج کا مستحق نہیں

ہو گا۔ ان میں وہ لوگ شامل نہیں ہیں۔ جو کہ ذاتی انشورنس کی وجوہ سے نرسنگ ہومز یا ہوسپائس کو ریفر کئے جاتے ہیں۔ بغیر علاج معالجہ۔ تاکہ مرنے کا انتظار کریں کہ ان کے پاس پیسہ کی کمی ہے۔ علاوہ ازیں ذاتی انشورنس رکھنے کے جرم میں اگرچہ ڈاکٹر ان کو درخوراعتناء جان بھی لیں۔ تو ذاتی انشورنس کمپنیاں ان کو طویل لسٹ پر دھر لیتی ہیں۔ جب تک ان کی بیماری قابل علاج نہ رہے۔ صرف گورنمنٹ انشورنس یعنی میڈی کیئر اور میڈی کیڈ کے مریض خوش قسمت گردانے جاتے ہیں۔ اس کڑی تفصیل آگے آئے گی۔

ایک روز میرا گزر مین ہیٹن کی ایک معروف ترین سٹریٹ سے ہوا۔ ٹھٹھ کے ٹھٹھ تماشائیوں کے کھڑے ایک ہائی رائیز بلڈنگ کی چھت کو سر اٹھائے تاڑ رہے تھے۔ کئی ایک نے دوربین تان رکھے تھے۔ معلوم ہوا کہ کوئی منچلا بدقسمت خودکشی کی غرض سے چھلانگ لگانے کے لئے پر تول رہا ہے۔ سائرن بجاتی پولیس کی گاڑیوں کے شور کے درمیان ہر جانب سے جو صدائیں اٹھ رہیں تھیں کچھ یوں تھیں:

"کم آن باسٹرڈ۔ چھلانگ لگا دو۔ کم آن کوڑھی حرامزادے۔ کیوں ہمارا ٹائم ضائع کر رہے ہو۔ کود بھی پڑو اب جہنم میں۔ کچھ ہمیں بھی انجوائے کرنے دو۔ بزدل! ہری اپ۔ ایس ہول! کود بھی جاؤ۔ مرو بھی۔ مرنا تو ہے تم کو آخر مردار"۔

تھوڑی دیر بعد کسی نہ کسی صورت کاپس کی ٹیم نے فائر بریگیڈ کے والنٹیئر جوانوں کی مدد سے اس شخص کو جا دبوچا اور اس کی جان بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس پر تماشائیوں کے درمیان غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ وہ غضبناک ہوا میں مکے مارتے بڑبڑاتے وہاں سے کھسکنے لگے۔ جیسے ان سے محظوظ ہونے کا ایک غیرمتوقع منظر چھین لیا گیا ہو۔

ٹی وی پر وقت بے وقت دکھائی جانے والی کرائمز فلموں نے ان گورے انسانوں کو بالکل بے حس کر دیا ہے۔ اب یہ کرائمز سے بھرپور فلموں سے خوفزدہ ہونے کی بجائے۔ اپنے تئیں آپ نرالا ایک تحفظ کا سا احساس ڈھونڈتے ہیں۔ جیسے دوسرا کوئی

مارا گیا۔ مگر ہم تو بالکل محفوظ ہیں۔ تاحال۔ یہ لوگ اگر کسی منظر سے خوفزدہ ہوتے ہیں وہ ہیں اوٹ پٹانگ "ہالوین زدہ"۔ ڈراؤنی ڈریکولا ٹائپ یا ایلم سٹریٹ اور فرائیڈے دا تھرٹین۔ چکی از بیک اور اسی نوع کی بھوت پریت مارکہ ان کو خوفزدہ بھی کرتی ہیں۔ اور تھرلڈ بھی۔

یہاں کے نیشنل ٹی وی سو فیصد تجارتی ادارے ہیں۔ ایسے ادارے جو اپنی دوکانداری چمکانے کی خاطر پوری قوم کو ننگا کر کے الٹا لٹکا دینے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ اس کا ایک ثبوت مشہور زمانہ مقدمہ قتل کا مجرم سیلیبریٹی بنام او جے سمپسن ہے۔ او جے کے تعاقب کی پولیس کارروائی کو ٹی وی نے فلمی رنگ ڈھنگ دے کر اور بزنس میڈیا کی ملی بھگت سے دو اڑھائی گھنٹوں کے اندر انہوں نے منوں ٹنوں ڈالرز بنا ڈالے۔ کیونکہ یہ سین دنیا کے بیشتر ممالک نے لائیو دیکھا تھا۔

فیملی چینل پر کسی قسم کے نیوڈ مناظر سے بیشتر ناظرین کو شاذ و نادر متنبہ کیا جاتا ہے۔ ماسوائے ساؤتھ افریقہ کی بنی نوع انسانی کے قحط زدہ استخوانی مناظر۔ جو کبھی کبھی دکھائے جاتے ہیں اور اناؤنسر سے اس بات کی نشاندہی پر بھول چوک کبھی نہیں ہوتی کہ "کمزور دل حضرات آنکھیں بند کر لیں" معلوم نہیں کیوں؟ اور کس نوع کے کمزور دل حضرات۔ گے اور لزبئین کے پروگراموں کے دوران کسی چینل کے اناؤنسر نے کبھی اس قسم کا تکلف نہیں کیا۔ سنا ہے کہ صومالیہ کے قحط زدگان کی بھوک و ننگ کے ناقابل برداشت مناظر ان کے طبع نازک پر کراہت بن کر ابھرتے ہیں۔

معلوم نہیں ایک انسان دوسرے انسان کی خاطر اس حد تک بے حس کیوں ہو جاتا ہے۔ اسی سالہ بڑھیا کو ایکسپریس وے پر چھ گاڑیاں یکے بعد دیگرے کچلتی نکل گئیں۔ قصور پہلی گاڑی کا تھا۔ بعد کی گاڑیاں جاب (کام) سے لیٹ ہو رہی تھیں۔ ساتویں گاڑی نے رک کر پولیس کو اطلاع دی اور جائے حادثہ پر پولیس کی آمد تک منتظر رہا۔ وہ ایک جاپانی سیاح تھا۔

روٹین رش کے گھنٹوں میں لوگ باگ بعد ہوش ڈرائیو کرتے ہیں۔ مگر بدترین

ڈرائیونگ اور اس سے منسلک حادثے ویک اینڈ خصوصاً" موسم گرما کے دوران میں ہوتے ہیں۔ جب لوگ آپے سے باہر ہونے لگتے ہیں۔ دندناتی لمبی چوڑی امریکی گاڑیاں۔ ٹاپ لیس گاڑیوں سے انڈیلا گیا۔ فل بلاسٹ سٹریوفونک موسیقی کا شور۔ عموماً" پندرہ فیصد روڈ ایکسیڈنٹ شرابیوں سے سرزد ہوتے ہیں۔ اٹھارہ فیصد ہلاکت انگیز روڈ کریش شراب کے نشہ کے باعث ہیں۔ ویک اینڈ پر خصوصاً" راتوں کے دوران پچھتر فیصد گاڑیوں کے ایکسیڈنٹ شرابیوں سے سرزد ہوتے ہیں۔ بے شمار ان جیسے ایکسیڈنٹ میں ایک جانب کی پارٹی بے گناہ اور دوسری جانب شرابی۔ اندھادھند ان کی گاڑی پر چڑھ دوڑتا ہے۔ بے شمار راہ گیر شرابیوں کی گاڑیوں سے سرعام کچلے جاتے ہیں۔ ویک اینڈ یعنی جمعہ اور ہفتہ کی رات کئی لوگ سڑک پر گاڑی لانے سے خائف رہتے ہیں۔ ان دو راتوں میں سڑکوں پر شرابیوں کی گاڑیوں کا ہجوم رہتا ہے۔ گو بے شمار دھر لئے جاتے ہیں۔ نشہ کی حالت میں ڈرائیونگ کی کم از کم سزا یہاں کے ٹریفک قوانین کے مطابق پانچ سو ڈالرز جرمانہ۔ ایک سال قید اور چھ ماہ کے لئے ڈرائیونگ لائسنس کی ضبطگی ہے۔ ایسے سزا یافتہ مجرم کو آٹو انشورنس کمپنی یا تو بالکل انکار کر دیتی ہے یا پھر خطرناک ڈرائیور کے زمرے میں لاتے ہوئے اس کے انشورنس ریٹ کو آسمان پر پہنچا دیتی ہے۔ بغیر انشورنس آپ ادھر گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ نہیں سکتے۔ اگر شرابی کی گاڑی کے ایکسیڈنٹ میں کوئی انسانی جان ضائع ہو جائے تو مقدمہ کے اخراجات اور لواحقین کی جانب سے سو کر دینے کی رقوم اس قدر بھاری بھرکم ہوا کرتی ہیں کہ شرابی کو دن میں تارے نظر آنے لگیں۔ بصورت دیگر عمر قید ہو سکتی ہے۔ صاحب حیثیت اس نوع کے مقدمات کے بدلے میں اپنی تمام پراپرٹی۔ اثاثہ۔ جاب۔ عزت و شہرت۔ مرتبہ سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ تباہ و برباد ہو سکتا ہے۔ مقدمات کے فیصلے فوری اور محض ٹریفک پولیس کی شخصی گواہی پر بھی کئے جا سکتے ہیں۔ اس گواہی کی اہمیت اس قدر ہے کہ محض ایک ٹریفک پولیس افسر (کاپ) بغیر کیمیکل ٹسٹ (بی اے سی) صرف مجرم کے ظاہری رویہ اور اس کے "روپ سروپ" کی بنا پر

اس کو ڈرگ یا ڈرنک ڈرائیونگ کے الزام میں کسی بھی جگہ اور مقام گاڑی رکوا کر گرفتار کر سکتا ہے۔ اس سنگین الزام کو ٹریفک تعزیرات کی زبان میں "ڈی۔ ڈبلیو۔ آئی" کہا جاتا ہے۔ ایسا مجرم خواہ وہ کتنی بڑی شخصیت کیوں نہ ہو۔ عدالت میں اس کی شنوائی نہیں اور نہ ہی ضمانت۔ سزا اور قید اس کا مقدر ہوا کرتی ہے۔ باہر آنے پر اس کے دماغ کا علاج اور کونسلنگ ضروری ہے۔ قانون کی اتنی سختی کے باوجود ہر سال ہزاروں لوگ شراب کے نشہ کے تحت گاڑیوں کے حادثات میں مرتے اور مارتے ہیں۔ ان میں بڑی تعداد میں سولہ تا بیس سال کی عمروں کے نوجوان لڑکے لڑکیاں شامل ہیں۔ ڈرائیونگ لائسنس بحال ہوا نہیں۔ کہ ایک ہاتھ میں بوتل اور دوسرے ہاتھ میں سٹیرنگ وہیل۔

ویک اینڈ پارٹیوں میں پینے پلانے کے بعد دور دراز واقع اپنے گھروں کو لوٹنے والے بے شمار میچور۔ عمر رسیدہ۔ پڑھے لکھے بلکہ قانون سے متعلقہ ایسے افراد بھی شامل ہیں جو ویک ڈیز (روزمرہ ورکنگ ٹائم) کے دوران ڈرنک ڈرائیونگ کے خلاف قوانین وضع کرتے یا سزاؤں کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی قانون دان اس ٹھوس حقیقت سے بہرہ مند ہونے کے باوجود ویک ڈرنک کی تعطیلات پر ڈرنک ڈرائیونگ کی رسک کے مرتکب ہوا کرتے ہیں۔ ایسے میں اکثر ان کے ہمراہ ان کے معصوم بچے بھی گاڑی میں سفر کیا کرتے ہیں۔

مزے کی بات یہ ہے۔ کہ خطرناک ڈرائیونگ فقط ان لوگوں سے سرزد نہیں ہوا کرتی۔ جو سفر سے پہلے نصف گیلن شراب چڑھا بیٹھے ہوں۔ بعض اوقات دو عدد پیگ ان کے خون کے اندر شراب کے زہریلے اثرات کا گراف چڑھانے پر قادر ہے۔ یہ مفروضہ بھی غلط ثابت ہو چکا ہے کہ الکحل کی فلاں اقسام زیادہ خطرناک ہیں۔ اور فلاں کم۔ بلکہ شراب کی تمام اقسام۔ تمام نام۔ تمام اشکال انسانی جسم و جاں کے لئے زہر قاتل ہے۔ جلد یا بدیر۔

شراب انسان کے فزیکل اور ذہنی صلاحیتوں کو زنگ آلود کر دینے کے لئے کافی

ہے۔ ڈرائیونگ کی صلاحیت پر دبیز غلاف چڑھانے کا اس کا اپنا ایک سائنسی طریقہ واردات ہے۔ پہلے یہ جسمانی ریلفیکس کی پاور کو معدوم کرتی ہے۔ بصارت اور سماعت کی حسیات کچھ اس انداز میں متاثر ہوتی ہیں کہ متاثرہ شخص مدمقابل گاڑی کی چمکتی دمکتی روشنیوں کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرتا ہے (اور چونکہ اس کی قوت فیصلہ تقریباً معدوم ہو چکی ہوتی ہے) کہ گاڑی ابھی اس سے بہت دور ہے۔ اور یہ کہ اس کے اور دوسری گاڑی کے درمیان فاصلہ اتنا مناسب ہے کہ وہ اس سے دائیں بائیں یا متوازی باآسانی دوسری جانب یا سمت نکل سکتا ہے۔ یا پھر اسے کراس کر سکتا ہے۔ اور کٹ کر سکتا ہے۔ ساتھ ہی دوسری گاڑی کی چمکتی بیم لائٹ شرابی کی نظر کو بڑی طرح چندھیا دیتی ہے۔ کچھ لمحے سڑک کا منظر اس کی آنکھوں کے آگے تاریک ہو جاتا ہے۔ چونکہ شراب کے زہریلے اثرات کے تحت اس کے سننے کی صلاحیت بھی ماند پڑ جاتی ہے۔ وہ دوسری گاڑی کے وارننگ ہارن پر کان نہیں دھرتا۔ یہ بوجھتے ہوئے کہ "سالا کسی دوسری گاڑی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہا ہو گا"۔ گاڑی جب سر پر آن پہنچتی ہے۔ یا شرابی جب دوسرے بے قصور ڈرائیور کے سر پر جا دھمکتا ہے۔ تو لمحوں کے اندر کئی عوامل اس غافل کے ساتھ ساتھ کسی معصوم کی بدبختی کا پیام لاتے ہیں۔ لہٰذا شراب کی مسمومیت کے تحت مصنوعی رعونت۔ اپنے اوپر جھوٹا بھروسہ۔ اپنی اور دوسری گاڑیوں کا سر تاپا۔ بھرپور۔ زوردار خوفناک ٹکراؤ اور دھماکہ۔

ایک شخص نے جس کی شراب کے نشہ کی حالت میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے حادثے کے نتیجہ میں دونوں ٹانگیں کٹ چکی تھیں۔ رو بہ صحت ہونے کے بعد دوبارہ شراب نوشی شروع کر دی۔ کسی نے اسے شرم دلائی کہ "دونوں ٹانگیں گنوا کر بھی باز نہ آئے اس لعنت سے" جواب دیا۔ "جب تک منہ اور معدہ سلامت ہے چھٹ کیسے سکتی ہے یہ منہ کو لگی"۔

ٹریفک پولیس کی جانب سے ٹی وی پر ایک اشتہار دکھایا جاتا رہا۔ بھرے ہوئے دو جام ٹکراتے ہی پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ اور پس منظر سے رنج میں ڈوبی آواز ابھرتی

ہے۔ "ایک معصوم دوست اپنے شرابی دوست کے ہمراہ گاڑی میں سواری کے دوران ضائع ہو گیا۔ یکلخت دونوں ضائع ہو گئے کیونکہ اس گاڑی کو شرابی دوست چلا رہا تھا۔ اور معصوم دوست اس کے ہمراہ بیٹھا تھا۔ آہ دونوں نوجوان اور چہیتے دوست تھے۔ شراب نے دونوں کی جان لے لی"۔

ایک مرتبہ میری ملاقات کوئینز نیویارک میں مقیم ایک مسلمان خاتون سے ہوئی۔ وہ غم و اندوہ کی ایک تصویر تھی۔ استفسار پر بتایا کہ اس کا اکلوتا بیٹا ایک پارٹی سے واپسی پر اپنے امریکی دوست کی گاڑی میں اگلی سیٹ پر سوار تھا۔ تیز رفتار کار غلط ایگزٹ میں گھس گئی اور سامنے ہائی وے پر نصب پاور پور سے جا ٹکرائی۔ پتلا کھمبا ایک ساعت میں ٹوٹ کر نوکدار شکل اختیار کر گیا۔ اور یہ نوکیلی شاخ کار کی ونڈ سکرین کو چیرتی پھاڑتی اس خاتون کے نوجوان بیٹے کے جسم کے آر پار ہو گئی۔ جب کہ برابر میں بیٹھا شرابی ڈرائیور بال بال بچ گیا۔ اس بدبخت جواں مرد کی عمر صرف بیس سال تھا۔ وہ فلاڈ یلفیا میں "ڈر یکسل" یونیورسٹی کا ذہین طالب علم تھا۔ بدقسمت ماں اس کی تعلیم کی خاطر امریکہ میں مقیم تھی۔

ایسے واقعات یہاں کا معمول ہیں۔ لوگ لحہ بھر کو رکتے۔ اس نوع کے اندوناک مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔ سسکاری بھرتے اپنی اپنی راہ پکڑنے لگتے ہیں۔ اگلے ہی ویک اینڈ ان میں سے بیشتر یہ سب فراموش کر کے ڈرنک ڈرائیونگ میں ڈوبنے لگتے ہیں۔

ایک بات سے بے حد حیرت ہوتی ہے کہ شراب چڑھا کر ڈرائیونگ کرنے کے ٹریفک رولز کڑے ہیں اور سزائیں بے مثال اس سبق پر بے دریغ پیسہ بہایا جاتا ہے کہ "شراب پی کر ڈرائیونگ ہرگز نہ کرو"۔ مگر ان کو یہ باور نہیں کروایا جاتا۔ "کہ سرے سے شراب مت پیو"۔ الٹا الکحل کے خلاف نام لو۔ تو بدکتے ہیں۔ الکحل کی خرابیاں ہر کس و ناکس کو ازبر زباں ہیں۔ احساس دلاؤ تو آئیں بائیں شائیں کرنے لگتے ہیں۔ کریک۔ ہیروئن۔ کوکین اور سگریٹ نوشی کے خلاف بڑی شد و مد کے ساتھ جہاد

جاری ہے۔ مگر معلوم نہیں کیوں آخر الکحل کو خارج از بحث گردانا جاتا ہے۔ جبکہ ڈرگز اور ڈرگ ٹریفکر اور سموکرز سے نفرت برملا ہے۔ سموکرز کے لئے انشورنس پریمئم چالیس یا ساٹھ فیصد زیادہ ہے۔ سگریٹ کی ایک ڈبیہ کے ریٹ آسمان پر ہیں۔ اس کی فروخت پابندیوں کی حامل ہے۔ سگریٹ کے ٹی وی اور سینما اشتہارات کا ریٹ آسمان پر ہے۔ یا بین ہیں۔ تمام چھوٹے بڑے پبلک مقامات پر سگریٹ نوشی جرم ہے۔ اور ڈرگز کے خلاف قوانین اور جوش شدید ترین ہیں۔ حیرت کی بات ہے یہی پابندیاں شراب پر بھی عائد کیوں نہیں ہیں۔ منشیات کے خلاف کام کرنے والی بڑی بڑی آرگنائزیشن کیوں آخر الکحل کے ذکر تک سے اجتناب کیا کرتی ہیں۔ آخر کو شراب بھی تو ایک ڈرگ ہے۔ ایک جان لیوا ڈرگ۔ خبر ہے کہ ۱۹۹۰ء سے آگے امریکہ کے اندر شرابیوں میں اموات کی شرح ایڈز اور ہارٹ اٹیک سے متجاوز کر چکی ہے۔ جینٹک بیماریاں شراب کی وہ سوغات ہیں جو شرابی والدین سے نومولود کو دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے ہی وصول پا جاتی ہیں۔

شراب کے خلاف جو پابندیاں موجود ہیں۔ انتہائی نرم۔ گو ہر جرم کے ڈانڈے شراب نوشی سے جا ملتے ہیں۔ آئے روز دنگے فساد۔ متشددانہ کارروائیاں۔ ریپ اور ان سسٹ جیسا کوڑھی مرض۔ نشہ اور شراب انسانی اقدار۔ گناہ و ثواب اپنے پرائے ماں بہن بیٹی کا تعین چھین لیتا ہے۔ ان سسٹ جیسی گھناؤنی اخلاقی گراوٹ ان کو شراب کی دین ہے۔ ان سسٹ کے ذکر سے جانے کیوں میری آنکھوں کے سامنے امریکی بچے کا معصوم ہیولہ منڈلانے لگا۔ ایسے الکحلک والدین۔ (عادی شرابی) بھی دیکھنے میں آئے ہیں جو پینے پلانے کے دوران شاید مستی کے عالم میں اپنے ننھے معصوم بچے کو کمال ڈھٹائی کے ساتھ شراب میں انگلیاں ڈبو ڈبو چٹواتے ہیں۔ بعد ازاں یہی بچہ جب والدین کی غیر موجودگی میں گھر کی "بار" کا بند تالا توڑ کر چوری چھپے پینے لگتا ہے۔ تب یہ ڈھیٹ والدین گروپ تھراپی کی خاطر ہمارے اداروں کی جانب رجوع کیا کرتے اور اعتراف جرم کرتے نظر آتے۔ مگر پانی سر سے اونچا ہو چکا ہوتا۔

ایسے بچوں کو دیکھ کر کس قدر دکھ ہوتا ہے۔ یقین نہیں آتا کہ واقعی وہ بچے ہیں یا معصومیت سے عاری کسی اور سیارہ کی ننھی منھی مخلوق۔ بچوں سے بات چل نکلی تو بات میسوز پر ختم ہو گی۔ خصوصاً" لوئر مڈل کلاس کے درمیان تو چائلڈ میسوز کی دہلا دینے والی مثالیں روز مرہ کا معمول ہیں۔ ایسے بچوں کی تباہی و بربادی کی بڑی وجہ ان کی غیر قانونی پیدائش ہے۔ باپ ندارد۔ خصوصاً" بلیک امریکن عورتوں کے ہاں کئی کئی حرامی بچے جنم لیتے ہیں۔ بعض اوقات درجن۔ ڈیڑھ درجن۔ ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک ماں کے بطن سے مختلف باپوں کے بچے پلتے ہیں۔ پلنے کا عالم یہ ہے کہ ایسی مائیں اور بچے عموماً" ویلفیئر اور فوڈ سٹیمپس پر گزر اوقات کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ ہر سال بچہ جنتی ہیں۔ بے شک حرامی۔ امریکن میں ایک سروے کے مطابق ہر چار میں سے ایک حرامی بچہ ہے) کیونکہ زچگی کے دوران اور مابعد ماں اور نومولود دونوں کو تقریباً بچے کی پہلی سالگرہ مکمل ہونے تک سوشل ویلفیئر کی جانب سے کھانا پینا۔ ادویات و علاج کی مفت اور بالافراط عنایات رہتی ہیں۔

ایسی کاہل مائیں بچوں سے لاتعلق بس اپنی زندگی کے شب و روز میں منہمک رہتی ہیں۔ ان کی سنگدلی کا عالم یہ ہے کہ تمام خوراک اور ٹانک وغیرہ اپنے تن پر خرچ کرتی ہیں۔ خوب لحیم شحیم رہتی ہیں۔ جبکہ بچے عموماً" سوکھے سڑے اور ان کے درمیان سے بھی ناتواں نومولود اکثر فاقوں کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔

اس چیریٹی پروگرام کو "وک" پروگرام بولا جاتا ہے۔ شاید اسی "وک" نے ماں کی ممتا کو چھین لیا ہے۔ باپ کو بے نیاز بلکہ گمنام کر دیا گیا اور حرام کو حلال! تو طبقاتی تفاوت ادھر بھی موجود ہے۔ کیونکہ امراء کے رنگ ڈھنگ دیکھ اور بھی اچنبھا ہوتا ہے۔ یہ خبر اکثر کو معلوم ہو گی کہ اٹھارہ فروری ۱۹۹۴ء مشہور زمانہ ایکٹر ایڈی مرفی نے بالاخر دو عدد ناجائز بچوں کی ماں اپنی دیرینہ مسٹریس کے ساتھ بڑی دھوم دھام کے ساتھ پلازا ہوٹل میں بیاہ رچا لیا۔ ٹی وی پر فخریہ یہ خبر سنائی گئی کہ ان سیانے بچوں کے باپ ہونے کا اعزاز بنفس نفیس ایڈی مرفی کو حاصل ہے۔ اس شادی خانہ آبادی میں

تقریباً چار سو سیلبریٹی ٹائپ مہماناں گرامی نے شرکت کا اعزاز دیا۔ جن میں امریکہ کا امیر ترین شخص ٹرمپ بمعہ اپنی نئی محبوبہ شامل ہوا۔ اس شادی کی محفل میں کسی مہمان نے خدا لگتی بات کہہ دی کہ "ملینئر ایڈی نے شادی رچانے میں اس قدر تاخیر کیوں کر دی۔ کہ اس کے بچے اس قدر سیانے ہو گئے کہ حرام حلال کا فرق سمجھنے لگے ہیں۔ ان کی ماں کو سہاگن بنانا مقصود تھا تو چند سال پہلے ایسا کیا ہوتا۔ تاکہ ان دونوں پر چھاپ نہ لگتی"۔ اب وہاں چھاپ کی کسی پروا۔ قانون نے اس سگما کو بھی حقوق دے ڈالے ہیں۔ مراعات عطا کی ہیں۔

ایک لطیفہ یاد آیا۔ ادھر ایک پاکستانی بڑے میاں ہیں۔ امریکیوں سے ان کو خدا واسطے کا بیر۔ گو کھاتے پہنتے سب امریکہ کا ہیں۔ ایک روز فون پر خوش خبری سنائی اور تمہید کچھ یوں باندھی۔

"بیٹی تمہارے سفرنامہ میں کچھ ہمارا بھی ذکر ہو جائے"۔

"کس عنوان کے تحت؟" میں نے دریافت کیا۔

"یہی کہ امریکہ سے کفر کا دور دورہ اب عنقریب غارت ہونے والا ہے۔ نئے اعداد و شمار کے مطابق سن ۲۰۰۰ء تک امریکہ میں گوروں کی آبادی گھٹ کر ایک تہائی رہ جائے گی۔ کیونکہ رنگ دار نسلیں۔ وہ اپنے چینی، جاپانی، ہسپانک اور بلیک امریکن کی آبادی کی رفتار ان کے مقابلہ میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی پا رہی ہے"۔

"کیا اس کی وجہ تارکین وطن نہیں ہیں؟" میں نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں بلکہ ان کے لاڈلے، بلیک امریکن ہیں۔ وہ یوں کہ کسی گوری کی کوکھ سے ایک آدھ بچہ جنم لیتا ہے۔ جبکہ اس کی ہمسائی کالی امریکن چند سالوں میں درجن بھر بچے جن ڈالتی ہے"۔

ہو سکتا ہے بڑے میاں کا یہ شرح آبادی والا فلسفہ آنے والے زمانہ میں درست ثابت ہو جائے۔

فلسفہ سے بات چل نکلی ہے۔ ایک مزے کی بات سن لیں۔ قریبی ہسپتال میں

والنٹیئر جاب کے دوران سائیکالوجی ڈیپارٹمنٹ کی ڈائریکٹر کے ساتھ اکثر گپ شپ رہنے لگی۔ وہ اٹالین تھی۔ نہایت سلجھے اور ٹھہرے مزاج کی مالک خاتون۔ اس کے ہمراہ گھنٹہ بھر باتیں کر کے طمانیت کا احساس رہتا۔ اس کے چہرہ پر سے پھسلتی۔ نرم گرم جوشی و شادابی بالکل اپنوں جیسی دکھائی دیتی۔ کچھ فاصلہ سے تو وہ کوئی پٹھانی یا کشمیری خاتون بھائی دیتی۔ ڈارک براؤن لانبے بال۔ ڈارک براؤن آنکھیں۔ چھریرا بدن۔ دھیمی گفتگو۔ عام گوروں کے ستے ہوئے ماسک زدہ مغرور چہروں۔ کالوں کے خشمگیں تاثرات اور ہسپانک کے سپاٹ چہرں کے درمیان اس کے ملیح و صبیح چہرہ کو قدرت نے صحیح نسوانیت سے نوازا تھا۔

اس روز میرے اعصاب پر ایک تکلیف دہ غصہ طاری تھا۔ ہم لوگ ایک ہوسپائس (ایڈز کے مریضوں کی آخری آرام گاہیں) کا دورہ کر کے آ رہے تھے۔ ہمیں جن وارڈوں کے راؤنڈ کی ہدایت کی گئی تھی۔ وہ بچوں کے وارڈز تھے۔ دہلا دینے والے منظر۔ معصوم بے گناہ بچے یہاں۔ وہاں۔ بظاہر صاف ستھرے۔ مٹی مٹی بلیو شیٹ بیڈ اور شامز والے تکیوں کے سہارے ڈھانچوں کی صورت دھرے تھے۔ ناقابل برداشت۔ فالتو گوداموں کا سا یہ ٹھنڈا سرد مہر منظر میری نگاہوں کے سامنے فریز ہو کر رہ گیا۔ بعد میں اسی موضوع پر ہماری گفت و شنید ہوئی۔

"ایڈز جیسے ہلاکو اور بدترین عتاب کے بعد امریکیوں کو سنبھل جانا چاہیے تھا۔ بذات خود ان کے لئے اور دوسری قوموں کے لئے اس سے بڑا تازیانۂ عبرت کیا ہو سکتا ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس قہرِ خداوندی کی مار سے حواس باختہ یا فاتر العقل ہو کر اسی نفس امارہ کے گندے تالاب میں ڈبکیاں لگا رہے ہیں"۔

"یہ سیکس۔ مجذوبیت۔ شاید ان پر مجموعی ایڈورس یو فورک ردِعمل ہے۔ یا ہو سکتا ہے۔ مارے خجالت یا ڈیپریشن دوبارہ اسی گلے سڑے ٹریش پر ڈھیر ہو کر اپنی خفت مٹاتے ہیں۔ لگتا ہے کہ فی الحال اپنی سوسائٹی کی صحیح نقوش پر اصلاح کرنے اور موجودہ۔ آنے والی نسلوں کو ایڈز کے پنجہ سے محفوظ رکھنے کا ان کے پاس کوئی وسیع

اور ٹھوس پروگرام نہیں۔ بلکہ غیر محسوس طور پر اس دلدل میں دھنس جانے میں عافیت محسوس کرتے ہیں۔ مگر حقائق کو تسلیم کرنا ان کی ہٹی اور خوفزدگی ہے۔ اسے کہتے ہیں۔ آسٹریج پالیسی"۔

"احتیاطی تدابیر کے بارے میں ایک بات ضروری کہوں گی"۔ میں نے موکہ کافی کا گھونٹ پیتے ہوئے کہا۔ "ان کے احتیاطی پورگراموں کو "کوڑھ زدہ" کہوں گی۔ کیونکہ۔ ان نام نہاد احتیاطی تدابیر میں سو فیصد مبالغہ ہے۔ دراصل یہ پروگرام ایک بہت بڑے بزنس ادارہ کی چال ہے۔ جو ایڈز کی تھیلیوں کے سودا پر اپنی چاندی بنا رہے ہیں"۔

"جینزس! تم نے کتنی صحیح بات کر ڈالی۔ کاش اس کڑوی حقیقت کو میٹنگ کے دوران دوسروں پر آشکارا کرتی"۔

"میں نے کوشش کی تھی۔ اس حقیقت کا کسیلا پن کسی سے برداشت نہ ہو پایا اور مجھے خاموش کروا دیا گیا۔ دراصل یہ سب ملی بھگت سے ہو رہا ہے۔ شور ہے۔ کہ نیویارک سٹیٹ کو کچھ بلین کا خسارہ جا رہا ہے۔ اس لئے کہ گورنر نے ایڈز فنڈز سے بھی کچھ رقوم وضع کر کے دوسرے ضروری کاموں میں لگانے کا تہیہ کر لیا ہے۔ پچھلے برس ایڈز پر دو سو ارسٹھ ملین خرچ ہوا۔ مگر بے فائدہ۔ اس لئے کہ ہم جنسیت کو شہ دلائی جا رہی ہے۔ دو ملین ٹین ایجرز کا لائف سٹائل ان کو اس آتش فشاں کی جانب دھکیل رہا ہے۔ جہاں ان کے بڑے بڑے قومی لیڈر ہم جنسیت کے سر پر دست شفقت رکھتے ہیں۔ یہ "گے" اور "لزبئین" (ہم جنس پرستوں) کی ریلی اور ان کے حقوق کی علمبرداری کی فل ٹی وی کوریج"۔

"قصہ یہ ہے"۔ اس نے کافی میکر سے تازہ کافی اپنے کپ میں انڈیلی۔ اور دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔ "قصہ دراصل یہ ہے۔ یہ وہ خدائی مخلوق ہے۔ جس کا وجود تو ماڈرن سانچہ میں ڈھل چکا ہے۔ مگر روح وہی پرانی کوری اور کھردری ہے۔ زمانہء پتھر سے تراشیدہ لہٰذا ان کی قومی شخصیت صدیوں سے اڈ (Id) کے پنجہء

حیوانیت۔ حیوانی بھوک۔ کہنہ جبلت اور تشددانہ جذبوں کے ہاتھوں جکڑی ہوئی بلبلا رہی ہے۔ جنسی لبرل پالیسی اور انتہا پسندانہ رجحانات اس کا ثبوت ہیں"۔

"اس انتہا پسندی کی آخر انتہا کیا ہو گی۔ اس مال ایڈز کے بعد؟"

"فوری طور پر ذہنی اور جسمانی کھچاوٹ سے راہ فرار کی تدبیر۔ یعنی حظ بے کنار کی تکمیل۔ ایسے میں ایڈز کے خلاف جہاد یعنی ایجوکیشن کونسلنگ کیونٹی پروگرام۔ کنفیڈنشل میڈیکل ٹیسٹ۔ ہوسپائسز اور سوشل سروسز یہ سب ایک دم مذاق لگتا ہے۔ گھر کے ایڈز والدین اپنے بچوں کو ایڈز کے خلاف تعلیم دینا آؤٹ ڈیٹڈ خیال کرتے ہیں"۔

"اور ان اقوام کو قنوطیت اور فرسودگی کا طعنہ دیتے ہیں۔ جو اپنے اور اپنی نسلوں کے اخلاقی اقتدار کے پاسباں ہیں۔ بلکہ اس پاسبانی کو حقوق انسانی کی خلاف ورزی گردانتے ہیں"۔

"اس کے برعکس ان پر قابض اڈ' کی ہر لمحہ متضاد و متصادم قوتوں نے نے خود ان سے انسانیت کو نچوڑ کر حیوانی جبلتوں کی ڈرائیور کا غلام بنا ڈالا ہے۔ روحانی افلاس اب ان کا بڑا سرمایہ ہے"۔

"یہ روحانی افلاس کب سے شروع ہوا۔ کیونکہ اس کے ڈانڈے بھی تو یورپ سے جا ملتے ہیں"۔

"ابتدا میں جب مجرمانہ ذہنیت یورپین نے امریکہ کی سرزمین پر شب خون مارا تھا اور فوقیت حاصل کرنے کی خاطر اس کے اصل باشندوں یعنی امریکن انڈین (ریڈ انڈین) کی بیخ کنی اور نسل کشی جاری رکھی۔ تب سے اڈ ان پر سوار ہو چلی ہے۔ میں یہاں اس نسل کی بات کر رہی ہوں۔ جن کا شجرۂ نسب ان یورپین سے جا ملتا ہے جو کہ بھگوڑے اور مطلوب مجرمین تھے۔ اخلاقی پامالی اور پستی ان کی جینز میں شامل تھی۔ یہ نسلیں بعد میں جب اس سرزمین پر پروان چڑھیں۔ تو اڈ' جیسی خودغرض' شقی القلب اور ہوس پرستانہ قوت کے زیر اثر سیکسومینیا اور تشددانہ مشاغل میں مبتلا

ہونے لگیں"۔

"اس ابتلاء کا صحیح نفسیاتی علاج آپ کے نزدیک کیا ہے۔ کب اور کیونکر شروع ہو گا"۔

"ایگو۔ ایگو کی بدولت ان کی سنوار ضروری ہے"۔

"کیا کہا ایگو؟"

"ہاں۔ ہاں۔ ایگو۔ میرا مطلب ہے یہاں وینٹی سے نہیں ہے۔ ایگو کا مطلب عام لوگ وینٹی سے لیتے ہیں۔ تو وہ غلط ہیں۔ وینٹی یعنی اکڑفوں۔ وہ تو پہلے ہی ان کے اندر وافر موجود ہے۔ پر میں بات کر رہی ہوں۔ ایگو کی۔ جس سے یہ قوم مبرا ہو چلی ہے۔ ایگو ایک ایسی متوازن قوت کا نام ہے جو کہ اڈ اور اخلاقیات کے کڑے ترین کرداروں کے درمیان ایک بفر کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایگو ٹھوس حقائق کی بنیاد پر قائم رہ کر موثر ہے۔ اس کی بدولت اڈ سے پیدا شدہ جبلی قوتوں کی حدود متعین ہو پاتی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ایک جانب فرد کے مزاج کا امان قائم رہے اور دوسری جانب اس کے اعمال پر سوسائٹی انگشت بدنداں نہ ہو۔ یعنی حقائق کی بنیادوں پر قائم رہتے ہوئے فرد اور سوسائٹی نرمی کے ساتھ ایک دوسرے کا اٹوٹ انگ بن جائیں"۔

"آپ کا مطلب ہے۔ ایگو کو قومی لیول پر ان کی قومی شخصیت و اقدار کی ایگزیکٹو مقرر کیا جائے"۔

"ویئریو آر"۔ وہ بے ساختہ ہنس دی۔ "اس صورت حال میں ان کا نیا گرو گھنٹال یعنی "قومی ایگو" ہی کی بدولت ہر فیصلہ سرانجام پا سکتا ہے۔ وہی ان کے قواعد و ضوابط کی امین ہو گی تاکہ ان کے ہر ایکشن کو کنٹرول کر پائے"۔

"فی الحال تو وہ کچھ اس نوع کی سوچ و فکر کے عادی ہو چلے ہیں کہ اگر بوائے جارج کے چہرہ مہرہ کا دبیز میک اپ الزبتھ ٹیلر کے چہرہ کی کاربن کاپی ہے۔ تو کیا؟ گاتا تو وہ انسانیت کے لئے ہے (بوائے جارج کے مشہور گانے گے اور لزبین کے لئے ہیں!) ان حالات میں کیا "ایگو" ان کو صحت مندانہ سوچ و فکر کی سنوار دینے کی اہل ہو سکتی

ہے؟"

"کیوں نہیں! ریگو کے ہائر لیول سے وہ انسانی صلاحیتوں کی صحیح سمت کو بروئے کار لا سکتے ہیں۔ مثلاً ذہانت۔ قناعت۔ انسانیت۔ بردباری و تحمل۔ قربانی کا جذبہ۔ حصول علم کا شوق"۔

"ڈاکٹر!" لاشعوری طور میں نے اسے ذرا بدلی ٹون میں مخاطب کیا۔ بالکل عالم استغراق میں۔

"یہ ہم لوگ جو اپنی اقدار۔ قواعد و ضوابط کے ساتھ بری طرح چمٹ رہے ہیں۔ بھلا ہم آپ کی کون سی نفسیاتی کیٹگری میں فٹ آتے ہیں۔ یعنی مجموعی طور پر"۔

"سپر ایگو۔ تمہاری اقوام سپر ایگو سے متعلق ہیں۔ کیونکہ اکثریت انتہا پسندی کی حد تک صحیح اور غلط کے سرکل میں رہتے ہو۔ وہ لہریں جن کا آغاز اڈ سے ہوتا ہے۔ تم لوگ ان کی انرجی کو تلف کر کے ان کو بے غرضانہ بلکہ متقی بنانے پر قادر ہو"۔

"یعنی ہم لوگ اڈ کی خرابیوں کو بااثر ہونے سے پہلے ہی زائل ہونے کے مواقع مہیا کرتے ہیں۔ اور ایگو کے اس پارٹ کو آئیڈیل کرتے ہیں۔ جو اقدار کے معیار پر عین صحیح اترے۔ پھر خرابی کیا ہے اس میں"۔

"نہیں خرابی کی بات میں نہیں کر رہی ہوں"۔

"تو پھر آپ ہی بتائیں۔ کیا تحلیل نفسی ہے آپ کی۔ کیا ہم بھی غلط ہیں؟"

"غلط میں نہ کہوں گی۔ مگر تم لوگ۔ تمہاری مجموعی قومی نفسیات اعتدال کے دوسرے سرے واقع ہے۔ تم کو یہ جان کر حیرت ہو گی کہ اس وقت جب اس نفسیات کے اوپر انتہا پسندانہ دقیانوسی کی چھاپ ہے۔ مگر آنے والے کل اڈ کا مکمل علاج شافی صرف اور صرف ایگو کے ذریعہ ممکن ہو گا۔ تمہاری اقوام کی سپر ایگو عین ممکن ہے کہ مغربیت اڈ کے لئے مسیحا ثابت ہوں گی"۔

ایک نوجوان لڑکے نے اپنی اٹھارہ گرل فرینڈ کو سنٹرل پارک کے ایک گوشہ تنہائی میں رات کے پچھلے پہر موت کی ابدی نیند سلا دیا تھا۔ بعد ازاں اپنے انٹرویوز میں اس نے میڈیا نمائندوں کو بتایا کہ اس نے اپنی گرل فرینڈ کو قتل نہیں کیا تھا۔ وہ اسے قتل کرنے کا تصور تک نہیں کر سکتا تھا۔ اسے عشق تھا مرنے والی کے ساتھ۔ جنون کی حد تک۔ حقیقت یہ ہے کہ غریب کی موت خرابی تقدیر بالکل حادثاتی طور پر واقع ہوئی۔ رف سیکس کے باعث۔

یہ خبر جیل سے باہر نکلی۔ تو وہ سٹی کے اندر ایک ہیرو کی شکل اختیار کر گیا۔ نوجوان عورتوں نے اسے سیکس ہیرو اور شاہ رومانس کے خطابات سے نوازا۔ آج کل عمر قید کی کال کوٹھڑی میں وہ اپنے ہزاروں پرستاروں کے خطوط وصول پاتا ہے۔ یہ پرستار اس نیوز کے بعد اس کی مخفی صلاحیتوں کی مداح بن چکی ہیں۔ سینکڑوں عورتیں اس کی ایک جھلک دیکھنے کی خاطر کیو باندھے جیل کی وزیٹر گیلری میں کھڑی رہتی ہیں۔ درجنوں اس انتظار میں ہیں کہ کب اسے جیل کی سلاخوں سے رہائی ملے اور وہ باہر آ کر ان کو اپنا لے۔

ان لوگوں کے اخلاقی معیار کے پہلو نرالے ہوئے جاتے ہیں۔ ایمی فشر جیسی چرخائیں ادھر سیلیبریٹی بن جاتی ہیں۔ اور مدر ٹریسا جیسی بے مثال خاتون کے کارٹون بنائے جاتے ہیں۔ سینما سکرین اور نیشنل ٹی وی اور نجی محفلوں میں یسوع پر لطیفہ بازی ہوتی ہے۔ چٹکلے سنائے جاتے ہیں۔

جینی جون ٹی وی شو جہاں گھریلو عورتوں پر مظالم اور مسائل کی سچی داستانیں ان کی اپنی زبانی بیان ہوتی ہیں۔ ان سسٹ' جیسے گھناؤنے جرائم کے سچے قصے ان کی زبانی سن سن کر خود یہ انسانی حقوق کے علمبردار سکتے میں رہ جاتے ہیں۔ ان سسٹ جیسے شرمناک فعل کا شکار مشہور زمانہ اور امریکن ٹی وی شہرت یافتہ ہستیاں مثلاً آپرا اور روزین جیسی خواتین بھی رہ چکی ہیں۔ رشتوں کی پامالی۔ جذبوں کی ناقدری۔ انسانیت کی آلودگی ان کا ڈائیلما ہے۔

ہر اٹھارہ منٹ کے اندر یو ایس کے اندر ایک عورت کہیں نہ کہیں اس شخص کے قاتلانہ حملہ کی زد میں رہتی ہے جس کے ہمراہ وہ مقیم ہے۔ تیس فیصد عورتیں گھریلو مظالم کی زد میں میں رہتی ہیں۔ پچانوے فیصد گھریلو قاتلانہ حملوں میں مردوں کا ہاتھ ہے۔ تین سے چار فیصد عورتیں ایبوز کا شکار ہیں۔ ایمرجنسی میڈیکل سروسز میں بیس فیصد مریض عورتیں گھریلو مظالم کے سلسلہ میں ظاہر ہوتی ہیں۔ گھریلو مظالم میں کلاس کی کوئی تشخیص نہیں ہے۔ پچیس فیصد خودکشی کے واقعات انہی وجوہات کی بنا پر ہیں۔ سالانہ چار ہزار عورتیں ہلاکو قسم کے شوہروں کے ہاتھوں نہتی ماری جاتی ہیں۔

امریکہ میں ایک مشہور کمپنی آج کل ایسے ٹریڈنگ کارڈز کی وسیع پیانہ پر اشاعت کر رہی ہے۔ جن پر تشدد انگیزیوں کی رنگین تصاویر ہیں۔ وسیع پیانہ پر قتل کرنے والے جنونیوں اور سریئل کلر۔ نفسیاتی فرائیک۔ نیورائک۔ پیرانائے قاتلوں کی ٹرانسپرنسی سجائی جاتی ہیں۔ ان تجارتی کارڈز کے زیادہ تر خریدار نابالغ اور ٹین ایجز ہیں۔ وہ ان کارڈز کو خرید کر اپنے بیڈرومز میں سجاتے ہیں اور تھرل محسوس کرتے ہیں۔ یہ گھناؤنے بیوپاری ان ناپختہ ذہنوں میں سیریئل قاتلوں کو بطور ہیرو پیوست کر رہے ہیں۔ ان کو امریکی بچوں کی اس کمزوری سے پوری بوجھ ہے کہ کچھ نیا۔ کچھ انوکھا۔ کچھ نرالا مارکیٹ میں لانے سے ان کا کاروبار گھاٹے نہیں رہتا۔

ایک لٹکتی تلوار ہے۔ جس کی زد میں ہر بندہ بشر یہاں رہتا اور اسی خفقان میں مبتلا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس خدشہ کا برملا وہ اظہار کرنا نہیں چاہتے۔ اور وہ ہے میساکرز کا اٹیک۔ خطرناک ہتھیاروں سے لیس کوئی سرپھرا فریک کہیں کسی بھی جگہ اچانک آپے سے باہر ہو کر بے گناہ لوگوں کو بلاوجہ بھون ڈالتا ہے۔ سات دسمبر ۱۹۹۳ء ایسا ایک واقعہ مجھ سے کچھ فاصلہ پر رونما ہوا۔ وہ منگل کا روز اور کرسمس کا مہینہ تھا۔ شام انتہائی رش کے گھنٹوں کے دوران پین سٹیشن سے چلنے والی برقی ٹرین ایل آئی آر۔ لانگ آئی لینڈ کے ایک مسافروں سے کھچا کھچ ڈبے کے اندر ایک حبشی النسل فریک نے یکایک نہتے مسافروں پر فائرنگ کھول دی۔ ایک میگزین خالی ہونے پر اس

نے بعد اطمینان دوسرا میگزین بھرا۔ اور یہی عمل دہرایا۔ نتیجتا" کچھ لوگ تو وہیں ڈھیر ہو گئے۔ پچاس کے قریب سیریس زخمی ہوئے۔ مسافروں میں دہشت پھیل جانے کی وجہ سے دوسرے ڈبوں کی طرف بھاگ دوڑ اور کھینچاتانی شروع تھی۔ کنڈیکٹر نے خوفزدہ ہو کر دوسرے ڈبوں کے برقی دروازے بند کر ڈالے۔ متاثرین میں زیادہ تعداد نوجوان اعلیٰ تعلیم یافتہ ایگزیکٹو کی تھی۔ یہ لوگ سٹی میں جاب کرتے تھے۔ ٹریفک مشکلات کی وجہ سے یہ لوگ اپنی گاڑیاں اپنے اپنے ٹاؤن کی ریل روڈ پر پارک کر کے ٹرینوں کے ذریعہ سٹی پہنچنے کے عادی تھے۔ لہٰذا بذریعہ ٹرین روزانہ سفر ان کا معمول تھا۔

۱۹۹۰ء میں مین ہیٹن سٹی کے اندر بے گناہ مقتولوں کی تعداد دو ہزار دو سو ہے۔ ان میں ایک مونا پاسکل بھی تھی۔ وہ ڈاؤن ٹاؤن کی سائیڈ واک پر دن کے بارہ بجے پیدل جا رہی تھی۔ ایک سرپھرے نے پانچ انچ کا چاقو سب کی موجودگی میں اس کے سینے میں اتار دیا۔ یہ سب لمحوں کے اندر رونما ہوا۔ بیسوں لوگ عینی شاہد تھے۔ مگر کسی نے بروقت نائن ون ون کو اطلاع نہ دی۔ ورنہ اس کی۔ بے گناہ عورت کی۔ جان بچ جاتی۔ قاتل خون آلود چاقو لہراتا دوسری گلیوں کو پار کرتا لوگوں کو دھمکی دیتا دن دہاڑے فرار ہو گیا۔ یہ عورت ہیٹی کے ایک بہت امیر و کبیر خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ کچھ سالوں سے مین ہیٹن اپنی دو جوان بیٹیوں کے ہمراہ اقامت گزیں تھی۔ اس وقت وہ جاب پر جا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں لنچ باکس تھا۔ نہ وہ قاتل کو اور نہ ہی قاتل اسے جانتا تھا۔

ایک پاگل عورت نے ۱۹۸۹ء میں گن کے ساتھ ایک سکول کے سکینڈ گریڈ کے ان گنت بچوں کو بھون ڈالا۔

اسی سال ۱۹۸۹ء میں سٹاک ٹن کے علاقے میں سکول یارڈ پر ایک شخص نے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ پانچ بچے اور ایک ٹیچر ہلاک اور انتیس زخمی ہوئے۔

یہ ۱۹۹۱ء کا واقعہ ہے۔ برانکس کے سدرن بلے وارڈ پر واقع کلب ہیپی لینڈ کا

ہال ڈانس کرنے والے ہسپانک باشندوں سے پیک تھا۔ ایک آوارہ گرد ہوم لیس جولیو گانزالو نے موقع پا کر کلب کو آگ لگا دی۔ ستاسی لوگ موقع پر جل مرے۔ زیادہ لوگ دھوئیں سے دم گھٹ کر مرے تھے۔ بعد میں پتہ چلا کہ اس ہوم لیس کا واحد اثاثہ کیروسین آئل اور ماچس کی ڈبیہ رہا تھا۔ رات کے اندھیرے میں موقع تاک کر بلڈنگوں میں کبھی کبھی آگ لگانا ان کی "ہابی" تھی۔

امریکہ کا سسٹم آف جسٹس ایسا ہے کہ مجرم کو سزا کی بجائے مختلف سائیکاٹرک سنٹروں سے گزارا جاتا ہے۔ جہاں سالہا سال اس کی نازبرداریاں کی جاتی ہیں۔ ڈاکٹروں کی ٹیم آخرکار اس کی آزادی کا پروانہ جاری کروا دیتی ہے۔ نفسیاتی پرابلم کا فائدہ! ایسے خطرناک نفسیاتی مریضوں کے لئے انصاف کا تحفہ ہے۔

مین ہیٹن جیوری نے ۱۹۹۱ء فروری میں ایسٹ ویلج کے رہنے والے ایک شخص راکاوٹ کو اس کے بیہمانہ قتل کا فیصلہ سنایا۔ اور اس کے پاگل پن کا فائدہ دیتے ہوئے "بے گناہ" قرار دیا۔ یہ شخص ٹیکساس میں پیدا ہوا اور پلا بڑھا تھا۔ ۱۹۸۵ء میں نیویارک آیا تھا۔ اور گلی کوچوں میں میری جوانہ' فروخت کیا کرتا تھا۔ اس کا حلیہ عجیب تھا۔ بغل میں ہمیشہ ایک عدد زندہ چوزہ دابے وہ اپنے تئیں آپ میری جوانہ کا گرو مانتا۔ اس کی عمر تب تیس سال تھا۔ بظاہر گزر اوقات ڈش واشنگ تھا۔ اس نے اگست ۱۹۸۹ء میں چھبیس سالہ مونیکا کو جو کہ ایک ٹاپ لیس ڈانسر تھی۔ قتل کر دیا۔ قتل کرنے کے بعد اس نے لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کو ابالا اور ہڈیوں کو بلیچ کیا۔ اس کے بعد کھوپڑی کو ایک کٹی کٹائی لڑکی کے ہمراہ باسکٹ کے اندر چھپایا۔ اور اس باسکٹ کو لانگ آئی لینڈ پورٹ اتھارٹی بس ٹرمینل کے بیگج روم میں رکھ دیا۔ بعد ازاں جب وہ پکڑا گیا۔ تو اس نے اس بات سے انکار کر دیا کہ عورت کا قاتل وہ ہے۔ مگر اس کی لاش کی بریدگی اور ابالنے کا اعتراف کر لیا۔ ایک عینی گواہ نے بتایا کہ قتل کے بعد ٹاپ گن سکوائر پر وہ ہوم لیس کے درمیان باافراط سوپ پیش کرتا پایا گیا۔ اس دوران ایک ہوم لیس کے پیالے میں سوپ کے اندر انسانی انگلی تیر رہی

تھی۔ یہیں سے اسے حوالہء پولیس کیا گیا۔ سزا کے طور پر مجرم کو سائیکاٹر کے کلینک بھجوانے پر اکتفا کیا گیا۔ قاتل نے بھری عدالت میں بھڑک ماری اور اعلان کیا۔ کہ اس سزا کی معیاد پوری ہونے پر وہ ہو گا۔ اس کی بغل میں زندہ چوزہ ہو گا اور سڑکاں شہر مین اسٹن دیاں۔ جہاں وہ میری جوانہ فروخت کیا کرے گا۔

یہ سیرئیل کلرز بھی اتھارٹی کی بے نیاز سوچ اور ناکس تدبر کی پیداوار ہیں۔ جن کا خیال ہے کہ محض عوام کے تحفظ کے پیش نظر کسی پاگل بنی نوع انسانی کو تاحیات پاگل خانے کے اندر بند کر دینا ایک نہایت ظالمانہ فعل ہے۔ لہذا "شازو فرینیا" جیسے دماغی مریض بھی ہیں جو شرفاء کے بھیس میں سڑکوں پر دندناتے پھرتے ہیں۔ اب سیرئیل کلر سلاسکی کو لیجئے۔ یہ باؤلا بظاہر بھلا چنگا نظر آتا ہے۔ اس کے اپنے بیان کے مطابق ۱۹۷۷ء میں اس نے ایک سولہ سال لڑکے کو اپنے آٹھ انچ تیز دھار چاقو کے ساتھ بائیس مرتبہ وار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس غیر انسانی فعل کے لئے وہ دیر سے پل پر کھڑا تھا کہ آج جو بھی پہلا شخص ادھر سے گزرے گا۔ وہ اس کی درندگی کا نشانہ بنے گا۔

یہ بدقسمت سولہ سالہ لڑکا آرٹ کا سٹوڈنٹ تھا۔ اس روز بھی وہ سٹڈی کی خاطر پل کی دوسری جانب جھیل کنارے جانے کے ارادے سے مذکورہ پل کو تنہا و پیادہ کراس کر رہا تھا۔

جج نے قاتل سلاسکی کو بیمار ذہن کا فائدہ دے کر اس کی سزا معاف کی۔ اور مڈسن سائیکاٹرک سنٹر بھجوا دیا۔ وہاں وہ سخت پابندیوں اور نگرانیوں میں چودہ برس زیر علاج رہا۔ ڈاکٹروں کے بورڈ کی رائے میں وہ شازو فرینیا کا کرانک اور خطرناک مریض تھا۔ ایسے خطرناک ذہنی مریض پر جج، ڈاکٹر، گورنمنٹ کے دوسرے ادارے بے انتہا خداترسی کے مظاہرہ کیا کرتے ہیں۔ لہذا پبلک کی تیرہ بختی کہئے کہ چودہ سال بعد "اورنج کاؤنٹی" کے ایک سپریم کورٹ جج نے آرڈر نافذ کیا کہ مجرم کو آخر کب تک غیرانسانی سختیوں اور بے جا پابندیوں کا اسیر رکھا جا سکتا۔ جبکہ نفسیاتی علاج معالجہ نے

اس کی دماغی کیفیات کو سنوار دیا ہے۔ لہٰذا اس کو مڈسن سائیکاٹرک سنٹر میں واقع نیو ہمپشن سے نکال کر سٹیشن آئی لینڈ کے ساؤتھ بیچ سائیکاٹرک سنٹر میں ٹرانسفر کر دیا گیا تاکہ زندگی کی بقیہ بہاریں وہ پر فضا مقام پر بالکل نرم پابندیوں میں رہ کر انجوائے کر سکے۔ جج کو فیصلہ سنانے کی معاونت دو اعلیٰ پایہ کے سائیکاٹرک ڈاکٹروں نے کی۔ جن کو سٹیٹ کے مینٹل ہیلتھ آفیشل نے ہائر کیا تھا۔ بھاری اخراجات کے بل بوتے۔

مڈسن سائیکاٹرک سنٹر نیو ہمپشن کے اندر خطرناک ذہنی مجرموں کو سدھارنے کی غرض سے داخل کیا جاتا ہے۔ اس نوع کے سنٹروں اور انسٹی ٹیوشن کی ملک کے طول و عرض میں کمی نہیں ہے۔ صرف فلاڈیلفیا جو کہ یونائیٹڈ سٹیٹس کرائم کے لئے نمبر ون مانا جاتا ہے۔ کئی ایک بڑے بڑے مشہور زمانہ نفسیات سدھار ہسپتال ہیں۔ مثلاً رانوکوکس ویلی سائیکاٹرک ہسپتال۔ فیئرماؤنٹ انسٹی ٹیوٹ۔ برلنگٹن کاؤنٹی میموریل ہسپتال وغیرہ۔ ان نفسیات سدھار اداروں کے اندر سالہا سال گزارنے کے باوجود سیریئل کلر کے ہلاکو خیالات میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

سلاسکی جب تک مڈسن سنٹر کے اندر مقفس تھا۔ گرد و نواح کے لوگ اطمینان کی نیند سویا کرتے۔ کیونکہ یہ سائیکاٹرک سنٹر سولہ فٹ فینس سے بھرا ہے۔ جس کے ٹاپ پر بلیڈ سے مزین تاریں بچھی ہیں۔ اس کے تمام جنگلے میں دہاتی ڈ-ٹکٹرز مخفی ہیں۔ یہاں تک تو ٹھیک تھا۔ مگر سن بانوے کو جب سلاسکی کو ساؤتھ بیچ پر منتقل کیا گیا تو اس چیرہ دست کے من کی مراد بر آئی۔ بیچ سنٹر جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ایک پر فضا مقام پر واقع ہے۔ آبی۔ پر سماں اور آزاد نظارے۔ ہفتے میں دو روز اسے سنٹر سے چھٹی ملتی تھی۔ وہ مختلف علاقوں میں چہل قدمی کو نکلتا۔ تو ویران حصوں میں موقع تاڑ کر نہتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ پے در پے اس نے متعدد قتل کر ڈالے۔ لوگ اس کے بھیانک تصور سے لرزاں سنسان جگہوں پر پیدل چلنے سے خائف رہنے لگے۔ سلاسکی آج تک پولیس سے روپوش نہتی انسانیت کے لئے ایک تیز دھار تلوار ہے۔

اور اب سلاسکی کسی فرد واحد کا نام نہیں رہ گیا۔ بلکہ ایک فریک سمبل ہے۔ سائیکو ہے۔ ایسے کئی سلاسکی کھلے بندوں دندناتے پھرتے ہیں۔ مجموعی طور پر ان سلاسکیوں کو وہاں پر کمزور دل خواتین "بوگی مین" کا نام دے کر اپنے شتر بے مہار بچوں کو ڈرایا کرتی ہیں۔ تاکہ اکیلے دکیلے وہ رات گئے ویران سڑکوں پر اور پارکنگ لاٹوں کی گشت سے باز آ جائیں۔ سلاسکی ہو یا "بوگی مین" اس حقیقت سے کسی کو انکار کہ وہ یہاں کے ماہرین نفسیات۔ عدلیہ اور دانشوروں کی سوغات ہیں۔ جو ان کی چیرہ دستیوں اور ہلاکت خیزیوں کے تمام پہلوؤں کی پہچان رکھتے ہوئے بھی جانے کس مصلحت اندیشی کی بنا پر بھیڑیوں کو بھیڑوں درمیان کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔

بات کا سلسلہ کہاں سے شروع ہوا۔ اور کہاں جا پہنچا۔ تو بات ہو رہی تھی۔ خدائی خدمتگاروں کی۔ یوں تو کیمونٹی سروسز پرائیویٹ سیکٹر میں بھی لاتعداد آرگنائزیشنوں اور پبلک فنڈز کی بدولت اپنے یہ نیک فرائض جاری رکھے ہوئے ہے۔ مگر سٹیٹ گورنمنٹ کسی سے پیچھے نہیں۔ میں یہاں پر نیویارک کی ایک کاؤنٹی بنام ناسو کاؤنٹی کا ذکر کر رہی ہوں۔ ہر سٹیٹ کا ذکر خیر اس سلسلہ کا ناممکن ہے۔ اس کاؤنٹی کی زیر نگرانی بے شمار رفاہی ادارے ہیں۔ سوشل سروسز ایجنسیاں۔ آرگنائزیشنز۔ کیمونٹی سروسز اور ہیومن سروس وغیرہ۔

"یونائیٹڈ وے" ایک قابل ستائش ان تھک خدمت خلق ادارہ ہے۔ ان کے پروگراموں کے لئے ہر عمر اور ہر کلاس کے والنٹیئر بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ ہیلتھ سے متعلق تمام شعبہ جات۔ ہیومن سروسز۔ ایکسپو کا انعقاد۔ میلے ٹھیلے۔ انٹرٹینمنٹ۔ کھیلیں۔ تقسیم انعامات۔ سیلیبریٹی وزٹ۔ انفارمیشن۔ چڑیا گھروں، آرٹ گیلریوں اور ڈویژن آف میوزیم سروسز کی چہل پہل ان ہی کے دم قدم سے قائم ہے۔

کچھ والنٹیئر عملی تعمیرات میں حصہ لیتے ہیں۔ میں نے ان نوجوان طالب علموں کو گرمائی تعطیلات کے دوران ہن ٹنگٹن پراجیکٹ میں ہر بدھ اور ہفتہ صبح تا شام غریب غرباء کے لئے سستے گھروں کی تعمیر میں مصروف دیکھا۔ ناداروں۔ غرباء۔

معذوروں اور بوڑھوں کے گھروں پر جا کر شکست و ریخت کی مرمت کرنا بھی ان ہی کا کام ہے۔ ایسے ٹیکنیکل کاموں کے لئے ٹریننگ خصوصی والنٹیئر شعبے ان کو پہلے سے دے چکے ہوتے ہیں۔

کیمونٹی سروس کے سلسلہ میں ان خدائی خدمتگاروں کو کئی گروہوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ ہوم ہیلتھ ایڈ۔ ہوم ورکرز۔ میوزیم۔ آرٹ گیلریاں۔ چڑیا گھر۔ کارنیوال۔ میلے ٹھیلوں۔ ایکسپوز اور کھیل کے میدانوں پر کام کرنے والے۔ چرچوں اور خدائی سرائیں۔ لنگر خانوں پر ہاتھ بٹانے والے۔ ہسپتالوں۔ کورٹ رومز اور فیملی کورٹ پر متاثرہ خاندانوں کے لئے پیپر ورک اور بے بی سٹنگ کی خدمات سرانجام دینے والے۔ لٹریسی ورکرز۔ (تعلیم و تربیت)۔ کلرک اور فون سروس۔ ٹکٹ چیکر۔ ٹیکس رن ٹرن۔ استقبالیہ۔ کونسلنگ۔ ٹرانسپورٹرز۔ ٹوور گائیڈز۔ ہالیڈیز کی تقریبات اور تفریحات۔ آفات آسمانی۔ جان پر کھیل کر لوگوں کے گھروں میں آگ بجھانے والے والنٹیئرز (فائر ڈیپارٹمنٹ جہاں کبھی کبھی کوئی والنٹیئر آگ سے نبرد آزما ہوتے ہوئے شعلوں کی نذر ہو جاتا ہے)۔ مہاجرین اور ہالوکاسٹ کے متاثرین کے مددگار۔ سلویشن آرمی۔ اور ریڈ کراس کے لئے کام کرنے والے۔

ڈے کیئر سنٹروں پر خدمات پیش کرنے والے۔ اندھے بہروں، گونگوں کی انسٹی ٹیوٹ پر کام کرنے والے۔ امریکہ کڈنی ایسوسی ایشن۔ کینسر۔ آئی۔ ایل ای۔ ہارٹ اور اس نوع کی دوسری ایسوسی ایشنز پر خدائی خدمتگاروں کا جذبہ اور عملی سرگرمیاں۔ جن کو کوئی پرسان حال نہ ہو۔ تمام خونی جذباتی، سہارے منقطع ہو چکے ہوں۔ یہ والنٹیئر فرشتہ رحمت ہیں۔ ان کے لئے۔

فوڈ ڈرائیو کے دنوں میں وہ ناداروں۔ بوڑھوں۔ اپاہجوں کے لئے یونائیٹڈ وے آف کیئرنگ کے زیرِ اہتمام ایک وقت کا پکا پکایا کھانا گرما گرم گھر گھر پہنچاتے ہیں۔ ہوم کیئر اینڈ ٹرانسپورٹیشن ان کی معاونت کرتا ہے۔

ہوم باؤنڈ کے لئے ناسو کاؤنٹی ڈیپارٹمنٹ آف سینئر سٹی زن افیئر تاحال ۲۶۷

ملین کھانے ڈیلیور کر چکا ہے۔ بات یہ ہے کہ ان کے ہاں ہر طرح کا ڈیٹا موجود ہے۔ اندراج رکھے جاتے ہیں۔ سروے ہوا کرتے ہیں۔ غریب مسکین کے نوالے کا حساب کتاب کیسے نہ رکھیں گے۔

"سیلف ہیلپ ٹیم" اگر یہاں نہ ہوتی۔ تو ان بے سہارا بوڑھوں کا اللہ ہی حافظ تھا۔

ذرا ہوشمند بوڑھوں کے لئے پکچر۔ ورکشاپ۔ فلم۔ بنگو۔ کارنیوال۔ میلے ٹھیلے۔ تھیٹر۔ کنسرٹ۔ سیمینار۔ آئس شو۔ بک فیئر۔ لائبریریاں۔ آرٹس اینڈ کرافٹس۔ لائیو سٹیل ڈرم بینڈ۔ کلاؤنز۔

ان کو فزیکلی فٹ نیس کے لئے جم۔ سپرمار کیٹوں۔ چرچ لے جانا۔ چھوٹی بڑی آکشن کی سیریں۔ ہالوین پارٹی۔ ون ڈش پارٹی کا اہتمام کروانا۔ اور سب سے بڑھ کر اٹلانٹک سٹی "ٹرپس" (یہاں کے بوڑھے آخری دموں تک جوئے کے رسیا رہتے ہیں)۔ سنڈے (ویک اینڈ) لووَرز ٹرپس۔ ٹرمپ کاسل ٹرپس۔ خصوصی سنڈے ٹرپس۔ بوڑھے' بوڑھیاں کوائر سنتے اور ساتھ آواز ملاتے۔ سکاؤٹس۔ سکول بینڈ۔ براؤنی ٹروپس وغیرہ دیکھنے کے بہت شائق ہیں۔ ہالیڈیز کے زمانہ میں حتی المقدور ان کی خاطر دعوتیں' ضیافتیں' گفٹس اور خصوصی فنکشنز ترتیب دیئے جاتے ہیں۔ کاؤنٹی آف ناسو ڈیپارٹمنٹ آف سینئر سٹی زن افیئرز ان بڑے بوڑھوں کو خوش و خرم رکھنے کے لئے سرگرداں ہے۔

بوڑھوں کے کافی ہاؤسز اینڈ لنچن پروگرام ان کے درمیان بے حد پاپولر ہیں۔ بوڑھوں کو صحت سے متعلق بے پناہ سہولیات حاصل ہیں۔ ہسپتال داخلہ۔ ادویات۔ آپریشن۔ ہوم ہیلتھ کیئر۔ ہیلتھ اینڈ میڈیکل کونسلنگ۔ انفارمیشن اینڈ ریفرل۔ ان شعبہ جات میں کچھ عرصہ مجھے بھی کام کرنے کے چانسز ملے۔

لاکھوں بوڑھے ایسے ہیں جو مکمل طور پر ہوم باؤنڈ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ان کے لئے یہ والینٹر جوان بڑی تن دہی کے ساتھ مصروف عمل رہتے ہیں۔ ان کو سودا سلف

لا کر دینا۔ ان کے گھروں کی صفائی ستھرائی ۔ لانڈری' تیار فود ٹرانسپورٹ کرنا۔ مختلف تقریبات اور ہالیڈیز پر ان کے لئے ہزاروں گفٹ کے ڈبے پیک کرنا اور بڑی محبت کے ساتھ گھر گھر جا کر ان بوڑھوں کو اپنے ہاتھ سے پیش کرنا۔ علاوہ ازیں ان کے لئے یارڈ ورک کرنا اور ڈے کیئر خدمت سر انجام دینا۔ کٹھور اولاد کے والدین کے لئے پھولوں کے گلدستے سمیت ہسپتال میں فرینڈلی مزاج پرسی کرنے والے یہی فرشتے ہیں۔

کئی مخیر حضرات ایسے ہیں جو زندگی بھر ایک پینی ضائع نہیں کرتے۔ مگر مرنے سے پیشتر اپنی بے پناہ دولت و ثروت نا خلف اولاد کی بجائے چیریٹی اداروں' بوڑھوں اور مساکین کے نام کرجاتے ہیں۔ انہی کی کرم نوازیوں کی بدولت اور سینئر پروگراموں کے تحت ہر سٹیٹ کے اندر ہائی رائیز چیریٹی اپارٹمنٹ بلڈنگیں قائم ہیں۔ دولت کے اسی دھارے سے ان کمپلیکس بلڈنگوں کی دیکھ بھال ۔ شکست و ریخت اور مکینوں کی روزمرہ ضروریات زندگی چل رہی ہیں۔ اسی کڑی کی ایک اپارٹمنٹ بلڈنگ مین ہیٹن میں بھی واقع ہے۔ وہاں کچھ مریضوں کو والینٹر کے طور پر وزٹ کرنے کا مجھے بھی اتفاق ہوا۔ یہ گائیڈڈ بلڈنگ پین ساؤتھ کو آپریٹو سینئر پروگرام کے تحت سینکڑوں بوڑھے بوڑھیوں کیلئے ہر سہولت و آرام سے مزین صاف ستھری پناہ گاہ ہے۔ فون' سیفٹی الارم' ایمبولینس' تعیش زندگی' ایک بات سے مجھے اچنبا ضرور ہوا۔ کہ میں نے جس بڑھیا سے گفت و شنید کی۔ ہر ایک کا کچھ اس نوع کا وہم تھا۔ کہ یہ "گرانڈیل بلڈنگیں خوبصورت اور آرام دہ ضرور ہیں۔ تمام سہولیات سے مزین ہیں مگر ہر لحہ ایسا محسوس ہوتا ہے۔ گویا پوری کی پوری بلڈنگ آپ کے اوپر آن پڑے گی"۔

"شاید' شاید" میں کچھ فیصلہ نہ کرپائی۔ بہرحال عجب گھٹن کا سا احساس رہتا ہو گا۔ ان بند ڈربوں کے اندر جہاں پر یہ مخلوق محفوظ ہے۔ شاید اسی تنہائی کے احساس کے تحت وہ اس وہم میں مبتلا ہیں۔

زیادہ تر یہ بوڑھے بوڑھیاں یونین ورکرز رہ چکے ہیں۔ عموما" ساٹھ تا سو سال کے پیٹے میں ہیں۔ اپنی عمروں کے برخلاف ٹپ ٹاپ' چاق و چوبند' پیٹر باکس قسم کی

بوڑھیوں کو اگر شیمپو کرنا ہو تو بیوٹی سیلان جاتی ہیں۔ کیونکہ ہر جگہ ڈسکاؤنٹ ان کا خیر مقدم کرتا ہے۔ سیٹ کئے گئے بال۔ رائج الوقت فیشن کی تراش خراش کے پہناوے۔

دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ بیشتر بوڑھے بوڑھیاں اپنا وقت حتی المقدور کیونٹی کے رفاہی کاموں پر صرف کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اپنی بلڈنگوں کے اندر یا باہر کی دنیا میں ۔ زیادہ پرجوش اور باہمت اپنے ہی بھائی بند کے لئے والنیٹر کیا کرتے ہیں۔ کسی نقیہ لاغر اور تن تنہا بے آسرا کے لئے لانڈری' اپارٹمنٹ کی صفائی' بن کے ہمراہ ہالیڈیز کی تیاریاں۔ دلجوئی کرنا' لیگل مشکلات یا کسی بھی ایمرجنسی میں ان کی معاونت کرنا۔

ساتھ ہی یہ بزرگان تا موت کچھ نہ کچھ پڑھنے لکھنے میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کے علم کی پیاس بھی رفاہی ادارے بجھاتے ہیں۔

بوڑھوں کے مشاغل کو تو جوانوں سے کسی قسم کی مناسبت نہیں ہے۔ ان کا اپنا رنگ ڈھنگ الگ ایک مزاج ہے جس پر وہ سختی سے کار بند ہیں۔ میوزک میں زیادہ تر وہ جاز اور پیانو کے شائق ہیں۔ آجکل بیشا ڈشران کی رگ و پے پر سوار ہے۔ براڈوے وے سٹیج موسیقاروں ۔ سمولن گروپ کا پیانو۔ ڈرم آلٹو۔ سیکسوفون پیس اور ووکل کے شیدائی ہیں۔

آرٹ و کرافٹ فیسٹویل ۔ کارنیوالوں فلی مار کیٹوں۔ ہالی ڈے بوتیک۔ ہالی ڈے بازاروں وغیرہ پر یہی مخلوق رونق میلے سجاتی ہے۔چیریٹی ڈنر ڈانسز۔ چرچ کے بنگو (جوا کی ایک قسم) اور اٹلانٹک سٹی کے کیسنوز کے پروانے ہیں۔ موسم گرما میں سائیٹ سینگ پر یہ گروپوں کی صورت نکل کھڑے ہوتے ہیں۔

ٹوورسٹ بسیں سیاحوں سے زیادہ بڑے بوڑھوں سے پیک ہوتی ہیں۔ کھانے میں بیکری اور سی فوڈ کے دلدادہ ۔ سی فوڈ ریسٹورنٹ خصوصاً" لو بسٹرز پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ خریدتے شاذو نادر ہیں۔ مگر شاپنگ مالوں پر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ علاج معالجہ کے سلسلہ میں بے حد محتاط اور مستقل مزاج ۔ ڈاکٹروں پر اندھا یقین رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر حضرت انہی کے صدقے دولت کے انباروں میں تک سک تک ڈوبے رہتے ہیں۔ جبکہ چیریٹی ادارے اور ہیلتھ انشورنس کمپنیاں تقریباً" کنگال ہو چلی ہیں۔ (بوڑھوں کے علاج معالجہ کے بھاری اور لگاتار بل ادا کرتے کرتے)

بظاہر امریکہ میں لا مذہبیت کا دور دورہ ہے۔ خصوصاً" جوان نسل تو ڈالر ہی کو خدا اور یسوع ماننے لگی ہے۔ ایک خبر بڑی حیران کن ہے۔ کہ کل امریکی آبادی کا نصف چرچ پرور ہے۔ تقریباً" ایک سو ستیس ملین افراد چرچ ممبران ہیں۔ یہ سٹڈی ۱۹۹۰ء میں ایسوسی ایشن آف امریکن ریلجن باڈی نے کی تھی۔ جنہوں نے یہ اعداد و شمار جمع کئے تھے۔

بات یہ ہے کہ اوسط عمر خاصی بڑھ جانے کی وجہ سے پیری کو جوانی پر سبقت حاصل ہو چکی ہے۔ ویسے بھی ان کے بزرگان کا لائف سٹائل نسبتاً" بہت صحت مندانہ رہا تھا۔ اس زمانہ بھی ایسے جوڑے موجود ہیں۔ جو پیچھے ساٹھ ستر برسوں سے شادی کے بندھن میں بندھے ہیں۔ اور شیر و شکر ہیں۔ ان بوڑھوں نے زندگی کی مسرتیں، تھریفٹ شاپس (خیراتی سٹورز)۔ چرچوں۔ چیریٹی اداروں اور لائبریریوں میں تلاش کی ہیں۔ اس کے علاوہ چرچ پیپلز کے ان اعداد و شمار کو بلیک امریکن۔ امریکن کالونیوں۔ عیسائی تارکین الوطن۔ سپنش بولنے والوں اور آئی لینڈرز کے ساتھ عمل و دخل ہے ورنہ ان کی موجودہ جوان نسل کو چرچ کے ساتھ کوئی شغف نہیں ہے۔ آنے والی نسلوں کی سوچ و فکر کہیں زیادہ بے ہنگم ہو گی۔ خیریات ہو رہی تھی چرچ کی۔ بلکہ بوڑھوں کی۔ تا حال بڑھاپے اور چرچ کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ شاید ان بوڑھوں کی طویل العمری اور صحت کا راز یہی ہے۔ عبادت، چرچ، مطالعہ، بنگو، ڈانس، سیر و سیاحت، پیدل سوار، بے فکری اور فارغ البال۔

مگر سبھی ضعفاء کے حصہ میں یہ البیلی زندگی نہیں آتی۔ ان میں سے زیادہ تر سنگدل وقت کے کھنڈرات کی نذر ہو جاتے ہیں۔ گوناگوں معذوری و بے بسی۔ لا علاج اور طویل بیماریوں کاشکار۔ ایم ایس کا مرض اور ایل۔ ای کا مرض ان میں عام ہے۔

"مرض النمائز (حافظہ کا ناپید ہو جانا) باکثرت ہے۔ ایسے مریض جلد یا بدیر ہوم) باؤنڈ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یا ہسپتالوں کے بستر سے جا لگتے ہیں۔ ان کی نگاہوں اور ذہنی پردوں پر مرض کا شکنجہ بالاخر کس جانے کے بعد انسانی چہل پہل۔ رونق میلوں کا تصور تک محو ہونے لگتا ہے۔ یہاں کی زندگی پر وار کرنے والی اس نوع کی تیرگی شب کا یہ بد وضع ترین منظر ہے۔ جب کھلی آنکھوں' بند آنکھوں دیکھنے کو خواب تک میسر نہ ہوں۔ جن ہسپتالوں میں مجھے کام کرنے کے مواقع ملے۔ وہاں ایک ایسا پروگرام بھی تھا۔جو میرے فرائض کی حد میں نہ آتا تھا۔ مگر بطور والنٹیر اس پر کام کر کے مجھے بےاندازہ مسرت و طمانیت کا احساس رہتا۔ وہ تھا۔ موبائیل آڈیو لائبریری پروگرام۔جو ان غیر متحرک۔ خفقان زدہ۔ ضعیف۔ دائم مریضوں کے لئے ایک حد تک دلچسپ تفریحی پروگرام تھا۔ اس کے دوران ان کا دھیان کافی حد تک بٹا رہتا۔ پہیہ والی کاٹ کے ذریعہ پر آنے ان کے اپنے سنہرے دور کی بلیک اینڈ وہائٹ فلمیں بلکہ خاموش کامیڈی فلمیں دکھائی جاتیں۔ سنہری زمانہ کے ریڈیو پروگرام سنوائے جاتے۔ تقریباً" سبھی نہایت دلچسپی کا اظہار کرتے۔ گو کلر ٹی وی اور وی سی' آر کا حصول یہاں پر کسی کے لئے دشوار نہیں ہے۔ مگر ایسے لب گور مریضوں کو ماڈرن ہلے گلا کے ساتھ کیا دلچسپی ہو سکتی ہے ان کیلئے تو شاید ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا۔ زیادہ دلجوئی کا باعث ہے ۔ ان متحرک لائبریریوں کے ذریعہ فوسٹر ہومز۔ نرسنگ ہومزاور ہوم باؤنڈ بوڑھوں کے پاس بھی زندگی کی رمق بھٹکنے لگی ہے۔

موبائل آڈیو لائبریریاں ایک سے دوسرے وارڈ یا ایک سے دوسرے ہسپتال گردش کرتی رہتی ہیں۔ اس متحرک لائبریری کی بنیاد ایک امیر و کبیر اندھی نوجوان خاتون نے جس کی آنکھیں روڈ ایکسڈنٹ میں ضائع ہو چکی تھیں ڈالی تھیں۔ اس عالم تاریکی کے اندر وہ سال بھر بستر تنہائی میں صاحبہ فراموش رہی تھی۔ روبہ صحت ہونے پر اس کی تمامتر ہمدردیاں ان بے بسوں کے نام ہو چکی تھیں۔ جو جیتے جی ذہن اور بصارت کے اندھیروں میں گم گشتہ ہو جاتے ہیں۔ اور وہ بھی جو دنیا کی دلچسپیوں سے منہ

موڑے ایک عرصہ کے لئے بستر سے جا لگتے ہیں۔

ان لائبریریوں کے اندر سینکڑوں کیسٹ، کیسٹ پلیئرز پروجیکٹرز۔ سینما سکرین اور دوسرے لوازمات شامل ہیں۔ معلوم نہیں کہاں تک درست تھا۔ مگر یہ محسوس ہوتا کہ یہ پروگرام ان مریضوں کے علاج معالجہ میں کافی حد تک معاون ثابت ہو رہا تھا۔ خزاں زدہ مردہ دل وجود کے اندر جیسے تھوڑا اور جی لینے کا ولولہ ابھرتا ہو۔ ان کے روگی آزردہ خاطر چہروں پر مسکان کی دبی دبی سمٹی سمٹی کرنیں جھانکنے لگتیں۔

یہاں سوگواروں کے لئے ماتمی گھر ہیں۔ جو تجہیز و تکفین کے ساتھ تسلی و تشفی کا اضافی کاروبار بھی کرتے ہیں۔ ایک روز ہسپتال میں لب مرگ ایک ضعیفہ نے مجھے رقت آمیز آواز میں بتایا "میری زندگی میں میری اکلوتی بیٹی کو برسہا برس سے کبھی فرصت کے چند لمحے میسر نہ آ سکے۔ کہ وہ میری مزاج پرسی کو آیا کرتی۔ جب میں مر جاؤں گی۔ اس کو یقیناً صدمہ ہو گا۔ فار لارڈز سیک! میرا یہ پیغام اس تک ضرور پہنچا دیجئیو۔ گاڈ بلیس یو۔ اس سے کہنا۔ کہ میری موت کا زیادہ رنج نہ کرے۔ کسی "سوگوار" چلی جائے۔ان کے اندر ٹرینڈ شاف موجود ہوتا ہے۔ وہ اسے دم دلاسہ دیں گے۔ کچھ دیر کو اس کا غم بٹا لیں گے۔ زیادہ مہنگا نہیں پڑے گا۔ اگر مہنگا ہوا بھی تو کیا۔ اسے فکر مند نہ ہونا چاہیے۔ پیسے کی اس کے ہاں ریل پیل ہے کیونکہ بذات خود وہ ایک سینئر فزیشن ہے"۔

ایک بڑھیا کافی روز سے بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑ رہی تھی آخری ساعتوں میں مضبوطی کے ساتھ میرا ہاتھ دبوچے عالم نزع میں داخل نہ ہونے کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ کئی روز پہلے اس نے مجھ سے وعدہ لے رکھا تھا۔ کہ اس آخری سمے اس کے بیٹے کو اطلاع کر کے بلوا لوں۔ جو عرصہ دراز ماں سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ ریڈ کراس کی مدد سے خاصی دشواریوں کے بعد اس کے بیٹے کو ٹریس کیا گیا۔ وہ بروقت پہنچ ہی گیا اکلوتے بیٹے کی صورت کا ہیولہ اور اس کی آواز سنتے ہی لب دم ماں کے تن بدن میں زندگی کی نئی لہر دوڑنے لگی اس کے چہرہ سے موت کی زردی چھٹنے لگی۔ بجھتی آنکھوں

میں ٹمٹماتی جوت سی لرزنے لگی۔

"تمہاری زندگی کے آخری لمحہ میں ایک اعتراف گناہ کرنا چاہتا ہوں۔ پیاری ماں! تاکہ تمہارے بعد میرے ضمیر پر اس اذیت کا بوجھ نہ رہ جائے۔ کہ میں نے تم کو سراسر دھوکہ دیا تھا"۔ بیٹے نے ماں کے کان کے پاس منہ کو لا کر اونچی آواز میں کہا۔ ماں نے ہمہ تن گوش ہونے کا اشارا آنکھیں جھپکا کر دیا۔

"مادر۔ میری پیاری مم! تم کو آج تک اس کی خبر نہیں۔ کہ تمہارا یہ چہیتا بیٹا۔ یہ بد بخت بیٹا۔ یعنی میں ایک۔ ایک" گے" (ہم جنس پرست)۔ ہوں۔!!! یہ سننا تھا کہ بڑھیا کی پتلیاں ڈھیلوں کے اندر تیزی کے ساتھ پھیلیں۔ اس کے نحیف جسم میں تشنج کی ہلکی سی لہر اٹھی۔ منہ کا دہانہ جیسے کراہت کے انداز میں کھلا۔ ایک ہچکی لی اور عالم بالا کو سدھار گئی۔

○☆○
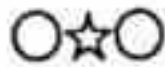
آہ امریکی بچے! حقیقی والدین بچوں کی تربیت خصوصا" اقدار مذہب اور سیکس ایجوکیشن کے بارے میں پہلو تہی کرتے ہیں یا کتراتے ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ سب بے فائدہ۔ وہ ہزار سر پٹکیں۔ ان کا بچہ اس سانچہ میں ڈھلے گا۔ جس کے اندر اس کا سکول اسے ڈھالے گا۔ مذہب کے بارے میں تو سکول اب مبرا ہو چکے ہیں۔ سکولوں کا رول سیکس لبرزم کی تربیت پر اس قدر فیاضانہ ہے۔ کہ وہ بچوں کو نو سال ہی کی عمر سے ایڈوانس معلومات بانٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ بچوں کے کچے ناپختہ ذہنوں میں اس بے راہروی کو شخصی آزادی اور اولڈ سٹائل' لوگوں کی نسبت بہتر مسرت و شادمانی کے طور پر قبولنے کی کوشش جاری رہتی ہے۔ بچے اس زعم میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ کہ وہ ایڈونچرز ہیں۔ اور اولڈ سٹائل ان کے والدین یا فوک نرے احمق رہے ہوں گے۔

سن ۱۹۹۳ء کے دوران میئر ڈ نکنز کی ہدایت پر ایک سو بیس عدد سٹیٹ (گورنمنٹ) ہائی سکولوں میں بچوں کے درمیان ان کے والدین کی مرضی کے خلاف کانڈوم تقسیم کئے گئے۔ یہ سب بورڈ آف ایجوکیشن کی ایڈمنسٹریشن کے ذرائع سے ہوا۔

پرائیویٹ سکولوں میں صورت حال ذرا مختلف ہے۔ تعلیم و تربیت کا معیار کافی بہتر ہے۔ بچوں کی حفاظت کی ذمہ داری سو فیصد ہے۔ ڈرگز اور جرائم کے واقعات نہیں ہوا کرتے۔ سیکورٹی سخت ہے مگر پرائیویٹ سکولوں کی تعلیم کسی کسی کے بس کا روگ ہے۔ سٹیٹس کے سکولوں سے فارغ التعلیم بچے اخلاقیات سے عموماً عاری ہوتے ہیں۔ مگر پرائیویٹ سکولوں سے کامیاب ہونے والے طالب علم فرعون بن کر عملی زندگی میں وارد ہوتے ہیں۔ وجہ معمولی نہیں ہے۔ ان کے ذہنوں میں سیلف ایس ٹیم کا کنٹرول ڈوز کر رکھا ہوتا ہے۔

آج کل باقاعدہ کورس گا کر اونچے سروں میں روزانہ آغاز تعلیم ان کا درس کچھ اس انداز میں شروع ہوتا ہے۔ "میں ارفع ہوں۔ میں اعلیٰ ہوں۔ کوئی دوسرا مجھ سا نہیں ہے۔ کوئی میرا ثانی نہیں ہے۔ میں برتر ہوں۔۔بے شمار پرائیویٹ سکولوں میں جن میں کیلیفورنیا کے سکول اول اول ہیں۔ سیلف ایس ٹیم (برتری نفس) کی تعلیم دوبالا کرنے پر ملین کے حساب سے ڈالرز کام آ رہے ہیں۔ یہ وہی طلسمی الفاظ ہیں۔ جو کہ ہٹلر نے اپنی قوم کے کانوں میں پھونکے تھے۔

امراء کے یہ پرائیویٹ سکول سے سند یافتہ بچے غریب امریکی بچوں سے ہر لحاظ میں جداگانہ ہوا کرتے ہیں۔

پیدائش کے بعد وہ محض مختصر عرصہ ماں کی آغوش میں گزارتے ہیں۔ زیادہ تر مائیں اپنے مشاغل پر قدغن نہیں آنے دیتیں۔ اور نومولود کو بے بی سٹرز۔ نرسریوں یا ڈے کیئر سنٹروں کی پناہ میں رکھ چھوڑتی ہیں۔ جہاں پر فسٹ ان فینٹ ٹاڈلر ٹرینگ پروگرام ان شیر خواروں کے اوپر مسلط کر دیا جاتا ہے۔ داخلہ تین ماہ کی عمر سے شروع ہوتا ہے۔ طویل ویٹنگ لسٹ کے خوف سے مائیں بچے کی پیدائش سے پیشتر ہی اسے داخل کروا چکی ہوتی ہیں۔ پہلے مندارج میں حرکات و سکنات اٹھنا' بیٹھنا' گھسیٹنا' آغوں' آغوں کرنے سے لے کر ما' ما' ڈا' ڈا' ڈو' ڈو اور پھر امریکی نرسری رائمز' میوزک کہانیاں' ننھی ڈرائنگ' کپڑوں' قالین' اور ڈرائنگ بک کے ذریعہ ہر در و دیوار پر الٹی

سیدھی لائنیں پھیرنا۔ یہ پری سکول پروگرام سرما گرما ہمیشہ ہاٹ رہتے ہیں۔ باتیں سیکھنے سے پہلے ہی یہ دودھ پیتے بچے پاپولر ٹی وی' پروگرام ٹکو لوڈیم کے خصوصی ٹاڈلر پروگراموں کے رسیا بن جاتے ہیں۔ اپنی میٹڈ سکرین ورژن کے شائقین۔

ان ڈے کیئر سنٹروں کے اندر پروفیشنل اور ٹرینڈ بلکہ خصوصی لائسنس یافتہ استانیاں'نرسیں اور نینی قسم کی عورتیں ان کی دیکھ بھال کرتی ہیں۔ انہیں لنچ ناشتہ اور سینک دیئے جاتے ہیں۔ڈائپرز اور نگی بدلے جاتے ہیں۔

سکول جانے کی دیر ہے۔ کہ پہلی ہی گرمائی تعطیلات میں ان سپوتوں کے لئے کیمپنگ ضروری امر ٹھہرا۔ جدھر ننھے ننھے بچوں کو ایجوکیشنل' فزیکل اور تخلیقی پروگراموں کے ذریعے سدھارا جاتا ہے۔ ان کو آرٹ'کرافٹ'موسیقی بیلے' ڈانسنگ' تیراکی اور زبانیں خصوصاً" سپینش اور فرنچ کے اسباق دیئے جاتے ہیں۔ بہت چھوٹی عمر سے کمپیوٹر ٹریننگ شروع ہو جاتی ہے۔ ان سب لوازمات کی فیس ظاہر ہے کہ بھاری بھرکم ہو گی محض سمر کیمپنگ جو کہ تین ماہ گرما تعطیلات پر مشتمل ہے۔ اس کی فیس چار پانچ ہزار ڈالرز فی بچہ ہے۔ مگر یہ پر سٹیج کی دوڑ ہے۔ متمول مائیں ایک دوسری سے پیچھے کیونکر رہ سکتی ہیں۔ موسم گرما میں پری سکول پروگرام کا سیزن ہاٹ' ہوتا ہے اس لئے داخلہ میں مشکلات رہتی ہیں۔

سمجھ دار مائیں موسم سرما ہی سے ریزرویشن کروا لیتی ہیں۔ ڈبل فیس ادا کر کے ان بچوں کے گھریلو مشاغل بھی نرالے ہیں۔ آج کل ورچل رئیلٹی کی دھوم ہے۔ یہ ایک ایسی وڈیو گیم ہے۔ جس میں بچہ خود کو کمپیوٹر ٹی وی' سکرین میں داخل کر لیتا ہے۔ بچہ کی نفسیات کے لئے یہ اسی قدر مہلک ہے جس قدر سیلف ایس ٹیم کی بلا ضرورت اٹھان مگر کوئی کرے بھی کیا جبکہ آج کل یہ اِن ہے۔

پرائیویٹ سکول جانے والے بچے کے پاس ہر وہ الیکٹرانک کھلونا اور سو فیسٹیکیٹڈ الا بلا موجود ہونا چاہیے۔ جو اس کے ساتھی بچے کے پاس ہے۔ ماؤں کی جوانی اسی ریٹ ریس میں بیت جاتی ہے یہ روبوٹ ٹائپ تعلیم و تربیت کا اینٹی کلائمیکس اسی

اٹھارہویں سالگرہ کے ساتھ ہی رونما ہو جاتا ہے۔ معلوم نہیں کیوں سمجھ دار والدین بھی ان کو اس نازک ترین عمر میں اچانک کھلی چھٹی دے کر اپنے تمام کئے کرائے پر پانی پھیر دیتے ہیں۔

جو بچے رائج الوقت آزادی کے "گرو" کے اثر سے بچ بچا کر ہائر ایجوکیشن کی جانب قدم رنجہ ہوتے ہیں۔ وہی اپنی ذہنی و جسمانی حفاظت اور مستقبل کے بارے میں صحیح پلاننگ کرنے میں سنجیدہ ہونے کے علاوہ کمیونٹی سروسز کا بھی درد رکھتے ہیں۔

اکثریت بمشکل ہائی سکول پاس کرنے کے بعد لیبر اور ورکنگ کلاسوں میں انٹر ہو جاتے ہیں۔ تتر بتر ہو جاتے ہیں۔ یعنی بعد کی عمروں میں امریکی ٹریش بن جاتے ہیں بلا امتیاز پرائیویٹ یا سٹیٹ سکول پاس۔ خاندان یا سوشل سٹیٹس

کالج اور یونیورسٹی کا ماحول سکولوں سے بہت مختلف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ۔ ایڈمنسٹریشن کا مقصد محض طالب علمی ٹیوشن فیس کی بروقت ادائیگی کے ساتھ بندھا رہتا ہے۔ لہٰذا وہ ان کی بے جا "تربیت کے بکھیڑوں میں الجھنا نہیں چاہتے۔ اور یہ بھی کہ یونیورسٹیوں میں لیکچرارز اور پروفیسر حضرات و محترمات انتہائی و مصروف اور مجبور ہیں۔ اکثریت کا تعلق ایشیائی ممالک کے ساتھ ہے۔ کالج اور یونیورسٹی جانے والے طالب علم کو آپ سیلف میڈ کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی ایڈوانس سٹڈی کا تمام تر بوجھ خود ہی اٹھاتے ہیں۔ پارٹ ٹائم جاب کرتے اور پڑھتے ہیں۔ بلکہ امراء والدین کا بھی اپنے بچوں کی کالج یا آگے یونیورسٹی تعلیمی اخراجات میں ہاتھ بٹانا "انوکھا خیال کیا جاتا ہے۔ لہٰذا وہ نوجوان لڑکے لڑکیاں جو آپ کو یونیورسٹی گراؤنڈ پر دکھائی دیتے ہیں۔ وہ یقیناً اپنی تعلیم اور مستقبل کے بارے میں غیر معمولی طور پر سنجیدہ ہوتے ہیں۔ دوسری جانب ان ہی کے ہم عمروں کے مشاغل کتنے جداگانہ ہیں۔ سٹریو فونک دہاڑتی موسیقی' ہارڈراک کو موقع بے موقع فل بلاسٹ سننا۔ ڈرنک ڈرائیونگ' نائٹ لائف۔ بیچ' کیبل وژن' کا ہلے ہوائے۔ براڈوے۔ ڈانسنگ پارٹیاں' اٹلانٹک سٹی ٹوورز ان کو سسکتی کلبلاتی انسانیت کے ساتھ دور کا واسطہ نہیں رہ گیا۔ ان کو تو بذات خود اپنے

مستقبل کے ساتھ دور کا واسطہ نہیں ہے۔ ذرا آگے جایئے ۔ تو ڈرگز کرائمز' قتل وغارت' مثال کے طور پر ایسٹ ہارلم اٹالین کیمونٹی اور ہارلم بلیک کیمونٹی دونوں کیمونی ٹیز کا آپس میں اینٹ کتے کا ویر ہے۔ دونوں علاقوں میں ماؤں بہنوں کے علاوہ سکولوں کے بچے اور ٹین ایجز مسلسل دہشت گردی اورڈرگز کا نشانہ بن رہے ہیں۔ پڑھیں لکھیں گے وہ خاک۔ بچپن میں متعدد بار اپنی آنکھوں سے یہ کرائمزسین دیکھ کر وہ اس حد تک بے حس ہو چکے ہوتے ہیں کہ بڑے ہونے پر نہ چاہتے ہوئے بھی کرائمز میں الجھ جاتے ہیں۔ اکثر یہ سوچتے ہیں کہ فلاں ٹین ایجریا بچہ گلی میں کھیلتے ہوئے ضائع ہو گیا۔ آئندہ ان کی باری ہے۔ پانچویں یا چھٹی کلاس تک پہنچتے ہی یا تو وہ اس تشدد کا نشانہ بن جاتا ہے۔ یا پھر خود متشددانہ راہ فرار اختیار کرجاتا ہے۔ تشدد ان کے لئے نہ صرف ذہنی و جسمانی چیرہ دستی ہے بلکہ معیشت اور معاشرہ کیلئے بھی سیریس پرابلم نمبرون بن چکا ہے مثال کے طور پر کچھ عرصہ میں نے ایک سو انچاس (ون فورٹی نائن) سٹریٹ پر واقع لنکن برانکس ہسپتال میں والینٹر جاب کیا تھا میری ڈیوٹی بدقسمتی سے ٹراما' سیکشن پر تھی۔ یہ شہر کا مصروف ترین ٹراما' سیکشن ہے کہ برانکس کرائمز کا گڑھ ہے۔ لہٰذا بغیر کسی انٹرول کچلے مسلے خون سے لت پت مریضوں کی بھرمار رہتی ہے دن کے ہر لحہ پر ایمرجنسی کا راج۔ ڈرگ وار اور گینگ وار کے متاثرین۔ گینگ' لوٹنگ یا بے گناہ راہ گیراس عتاب کا نشانہ بنتے ہیں۔ ادھراس ٹراما سنٹر میں مریضوں کے لئے کیئریا بستروں کی کمی نہیں ہے۔ اس کے اندر بیک وقت پانچ لاکھ مریضوں کی گنجائش ہے۔ مگر ایک مریض پر کس قدر خرچہ آتا ہے۔ اس کا آپ اندازہ نہیں کرسکتے۔ ایک گن شاٹ جسے میں اٹنڈ کر رہی تھی سولہ سالہ بلیک ٹین ایجر۔ وہ ایمرجنسی میں لایا گیا تھا۔ اس کا سینہ کھول کر دل کو سیا گیا۔ اور سینہ برابر کر دیا گیا۔ ساڑھے تین ماہ وہ شدید کیئریونٹ کے اندر زیر علاج رہا۔ اس کے بعد چھ ماہ "ری ہیب" میں سپشلسٹ ڈاکٹروں کی زیر نگرانی۔ اس کے ایک سال تک اس کی کونسلنگ اور تربیت ہوتی رہی ہوگی تب ہی وہ نارمل زندگی گزارنے کے قابل ہو گا۔ ہسپتال اور دوسرے لوازمات پر

کس قدر خرچہ آیا ہو گا؟ ٹنوں کے حساب ہے ! ادویات نرسنگ کیئر۔ آپریشن، ڈاکٹروں کی فیس (لاکھوں ڈالرز)۔ ری ہیب اور کونسلنگ کے الگ بھاری بھر کم بل۔ یہ بد قسمت نوجوان، ڈرگ وار، کی وجہ سے اس حالت کو پہنچا تھا۔ اب ہو گا کیا۔ جیسا کہ عام دیکھنے میں آ رہا ہے۔ دوبارہ واپس اسی ہمسائیگی کی نذر ہو جائے گا اپنے پہلے نہیں تو دوسرے کسی گینگ کے ہتے چڑھ جائے گا۔ بعد میں اندھے اختلافات باؤنسنگ بیک ہو کر دوبارہ انہی حادثات سے ہمکنار ہو گا۔ اور اب کے بھی ہیلتھ کیئر سسٹم کی ذمہ داری اس کا سارا بوجھ حکومت کے کندھوں پر کہ اس ملک کاوہ شہری ہے۔

مگر سبھی سیاہ اور سبھی سفید نہیں ہے۔ کچھ ڈھاتے ہیں۔ کچھ بناتے بھی ہیں۔ کچھ بگاڑتے مگر دوسرے سنوارنے والے بھی تو موجود ہیں۔ نفسانی خواہشات کے اس جھرمٹ میں انسانیت کے ساتھ لو لگانے والے بالکل الگ تھلگ کسی اور دنیاؤں کے باسی نظر آتے ہیں۔ کیونکہ ان کے مشاغل انوکھے۔ ان کی مصروفیات نرالی۔ اپنے ماحول سے "باغیانہ"۔! بغیر تعصب بغیر کسی حرص و لالچ۔ جی و جان سے انسانی خدمات سرانجام دینے والے خدائی خدمتگاروں میں بے حد اکثریت ٹین ایجرز کی ہے۔ اب امریکن ریڈ کراس ہی کو لیجئے۔ اس کے اندر آج کل ایک اعشاریہ دو ملین ٹرینڈ والنٹیئر جوان ہیں۔

گو یہ کوئی سرکاری ادارہ نہیں ہے۔ مگر کانگریس نے اس مقصد کے لئے اس کو خصوصی طور پر چارٹر کر رکھا ہے کہ بوقت ضرورت یہ یو ایس آرمڈ فورسز کے ممبران اور ان کے خاندانوں کے علاوہ دوسرے آفت زدگان شہریوں کو خصوصی ایمرجنسی سروسز مہیا کرے۔ اس کے علاوہ یہ ادارہ چھ ملین یونٹ خون سالانہ جمع کرتا ہے۔(صرف لوکل ڈرائیور کی بناء پر) یہ بات کتنی مسرت کن ہے۔ کہ دنیا کے سب سے بڑے والنٹیئر ریڈ کراس ادارے کی بانی ایک خاتون تھی امریکن ریڈ کراس دنیا بھر کی ریڈ کراس سوسائٹیوں کی بھی مکمل معاونت کرتا ہے امریکن ریڈ کراس ہمیشہ فنڈز

اور گرانٹ سے مالا مال رہتا ہے۔ مگر اس کے اندر تمام اکاؤنٹس بد دیانتی اور فراڈ سے مبرا ہیں۔

بات کا سلسلہ پھر والینٹئرز پر آن رکا۔ امریکہ میں ضروری و غیر ضروری حقوق انسانی نے گھپلا مچا رکھا ہے۔ موقع پرست لوگ بات بے بات دوسروں کو سو کر دیتے۔ ہرجانہ بھروانے۔ مخبری کرنے کی ہیکڑی دکھاتے ہیں۔ دوسروں کے خلاف خدائی بیر کے تحت سازش اور بلیک میلنگ یہاں کی سوسائٹی کی جڑوں میں انفیکشن کی مانند بلا روک ٹوک سرایت کر رہی ہے۔ عام لوگ حد سے زیادہ فسادی۔ ناشکرے' احسان فراموش واویلا مچانے والے۔ آزاد پسند' شرر انگیز اور دھونسیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بے ڈھب نفسیات کے مالک ہیں ایسے لوگوں کے لئے اللہ کی راہ میں خدمات سرانجام دینا بھی بڑا جان جوکھوں کا کام ہے۔ ان کی ان قباحتوں سے بعض اوقات یہ ولولہ انگیز خدائی خدمتگار بھی محفوظ نہیں ہیں۔ آگے جو واقعات بتائے جا رہی ہوں وہ اسی قابل مذمت حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں۔

فیلڈ کے کچھ شعبوں میں والنٹیئر گھر گھر جا کر مختلف کاموں میں حاجت مندوں کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا ہے۔

اسی سکیم کے تحت ایک انیس سالہ لڑکی کا جاب یہ تھا کہ اسے بلیک امریکن کے ایک سلم علاقہ میں واقع گھروں کے اندر جا کر پھوہڑ ماؤں کی تربیت کرنا اور ان کا ہاتھ بٹانا تھا۔ تاکہ وہ اپنے بچوں کی خوراک' تعلیم اور ہائی جین کی جانب متوجہ ہوں۔ خود کو اور اپنے بچوں کو ہمسایوں کے ساتھ دنگا فساد سے باز رکھیں۔ اپنے اندر ممتا پن کا جذبہ ابھاریں۔ ایمرجنسی اور آگ لگنے پر بچوں کے فوری حفاظتی اقدامات ایمرجنسی پولیس کال وغیرہ (آگ لگنے کے بیشتر حالات میں ایسی سنگدل مائیں کھڑکیوں سے چھلانگ لگا کر بچ نکلتی ہیں۔ اور معصوم بچوں کو شعلوں کے حوالے کر آتی ہیں۔ ایسی بد قسمت بن کھلی مرجھائی کلیاں ماؤں کی لاپرواہی اور خود غرضی کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔ ایسا آئے روز ہوا کرتا ہے۔ ننھے ننھے معصوم بچوں کو شعلوں کی لپیٹ میں جل کر

خاکستر ہوتے دیکھا گیا ہے۔

ان سلم علاقوں میں بچوں کے ابیوز کی مختلف اشکال سامنے آتی رہتی ہیں۔ اصل واقعہ کی طرف آنے سے پہلے میں ابیوز کے بارے میں چند سطریں بیان کرنا چاہتی ہوں۔ سلمز میں بچوں کی ابیوز کے دردناک مناظر سامنے آتے ہیں۔ مگر جب تک پانی سر سے گزر نہ جائے ایسے بدقسمت بچوں کی مدد کو آگے کوئی نہیں آتا۔ جبکہ امراء کے خاندانوں میں جہاں ایک یا دو بچوں کو پالنا گویا سفید ہاتھی کے پالنے سے زیادہ مہنگا ہے اور صبر آزما ہے۔ وہاں کمسن بچے سرکار کے وضع کردہ حقوق سے مکمل طور پر بہرہ ور ہوتے ہیں۔ بچوں کے حقوق کی یہ زبردست سرپرستی کئی خاندانوں میں المناک تبدیلیاں لانے کی موجب ہے۔ وہاں والدین بچوں سے دبتے ہیں۔ بلکہ بچے ان کے باس ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جھوٹی بچی ابیوز کے بارے میں کمسن بچے کی جھوٹی سچی گواہی بے حد قد آور گردانی جاتی ہے۔ ایک جانب والدین کو بدترین بدنامی سے پالا پڑتا ہے۔ دوسری جانب ہمیشہ کے لئے بچے کو چھین کر فوسٹر ہومز میں ڈال دیا جاتا ہے۔ جہاں پر ایک خاندانی بچہ بھی جب تیار ہو کر سن بلوغت تو پہنچتا ہے۔ تو شتر بے مہار ہو چکا ہوتا ہے۔ باہر آکر وہ امریکن وائٹ ٹریشن بن جاتا ہے۔ یہی وہ روٹ ہے جہاں سے گذر کر خاندانی بچے ہیپ آف ٹریشن میں گم کر رہ ہو جایا کرتے ہیں۔ ہاں تو میں ذکر کر رہی تھی۔ انیس سالہ والنٹیئر لڑکی میرین کا۔ وہ جس سلم ایریا کے گھر میں ماں سدھار فریضہ پر متعین ہوئی۔ ادھر دو ایک روز تو خیریت سے گذر گئے۔ مگر بندہ ذات بننے کے یہ مشورے ماں کو زیادہ دیر نہ بھائے۔ ایک روز وہ میرین کی موجودگی میں اپنی دو سالہ معصوم بچی کو روئی دھونکنے والے چرخے کی مانند پیٹ رہی تھی۔ خدا ترس میرین سے یہ منظر برداشت نہ ہوا۔ وہ بچی کو چھڑانے کی خاطر مخل ہوئی تو جسیم اور لحیم و شحیم کالی ماں بچی کو پرے پٹک مغلظات بکتی ایک دم میرین سے گتھم گتھا ہو گئی۔ اس سے گھر کا دروازہ کھلا تھا ہمسائے بے قصور میرین کو اس عتاب سے بچانے کی بجائے۔ حسب رواج ہونگ اور پھبتیوں کے ہمراہ شور و غل مچاتے دہاڑتے ہوئے اس بے دردانہ منظر

سے لطف اندوز ہوا کئے۔

اس شدید مارکٹائی کے نتیجہ میں ننھی میرین کی دو پسلیاں ٹوٹ گئیں گردوں کے اندر چوٹیں آئیں۔ ناک سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ اور بلیک آنکھ کی سوغات لئے وہ کئی ماہ ہسپتال میں زیر علاج رہی۔شاید روبہ صحت ہونے پر اس نے خدائی خدمت گزاری پر توبہ کرلی ہو۔ کیونکہ بعد ازاں اسے میں نے کبھی نہ دیکھا۔

ایک خصوصی کمیونٹی سروس سنٹر ہے۔ جس کا زیادہ تر کام کونسلنگ ہے۔ مثلاً" ڈرگز۔ الحلک خاندان یا فرد کو نیکی کی جانب مائل کرنا۔ ٹوٹتے بکھرتے خاندانی بندھن استوار کرنا۔ خاندانوں ہمسائیوں برنس پانٹرز' رشتہ داروں یا میاں بیوی کے مابین گونا گوں رنجشوں کو گفت و شنید کے ذریعہ بخیر و خوبی نمٹانا۔ خود کشی پر مائل فاتر العقل لوگوں کو جینے کا حوصلہ دلانا۔ تنہا یا خفقان زدگان کا فون پر دھیان بٹائے رکھنا۔ ریپ کے متاثرین اور گھریلو تشدد کا شکار ہونے والوں کی ہمت بحال کرنے کی کوشش امراض اور نفسیاتی پرابلم کے لئے ریفرل سروسز۔ کورٹ ایکشن کے لئے ریفرل مشورے اور بہت کچھ ۔ پے درپے حادثات نے اس خدا ترس ادارے کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وا ایسٹر کی ہر خوبی و خطا کی کلی ذمہ داری اداروں پر عائد ہوتی ہے۔

میڈیلین ایک چوبیس سالہ گوری امریکن با شعور یونیورسٹی سٹوڈنٹ تھی۔اس نے اپنی فراغت کا ایک ایک پل معاشرہ کی سدھار کے نام کر رکھا تھا۔ اس کا کام الکحلک اور ڈرگز میں مبتلا ٹین ایجروں کی گروپ تھراپی کے شعبہ میں تھا۔ ایسے ایک سیشن کے اختتام پر ایک شام وہ لابی میں سے تنہا گزرتی ایلیویٹر(لفٹ) میں داخل ہوئی کہ موقع کی تلاش میں ان تین ٹین ایجر لڑکوں نے اس پر حملہ کردیا۔ جن کی سدھار اور بھلائی کے لئے وہ ان دنوں بالکل فری جاب کر رہی تھی۔ تب سے آج تک بذات خود وہ کونسلنگ کمیونٹی سروس کے تحت زیر علاج ہے۔

ٹیری ایک پڑھاکو قسم کا کتابی طالب علم تھا۔ جس کو یہاں پر نرڈی' یا نرڈ' بولا جاتا ہے نرا کتابی کیڑا' بچپن میں اس کو سیکھنے اور پڑھنے لکھنے کامعمولی سا پرابلم رہا تھا۔

علاج معالجہ سے وہ بالکل دفع ہو گیا۔ تب ہی وہ ہوش سنبھالنے پر زیادہ سے زیادہ مطالعہ اور نالج کے حصول کا پیاسا رہنے لگا۔ لا شعوری طور پر جیسے خائف ہو۔ کہ یہ عطیہ خداوندی کہیں اس سے چھن نہ جائے۔ خدائے برتر کے سامنے ممنونیت کا تقاضا تھا۔ کہ اپنی باری آنے پر اب وہ اپنا قرض بندوں کی خدمتگاری کر کے چکا ڈالے۔

موسم گرما کی تعطیلات کے آغاز میں وہ اپنے کالج کے کونسلنگ سروس سنٹر کی جانب سے والینٹر جاب کے لئے ہمارے ہسپتال کو ریفر کیا گیا۔ جہاں سے بعد اطمینان اسے کیونٹی سنٹر بھجوا دیا گیا۔ کیونٹی سنٹر نے اس کی مکمل چھان پھٹک کے بعد یونائیٹڈ سریبرل پالسی ایسوسی ایشن آف ناسو کاؤنٹی کے حوالے کر دیا۔ یہ پیدائشی معذوروں کے لئے ادارہ بحالی ہے۔ امریکہ میں تقریباً" ساٹھ لاکھ افراد اس افسوس ناک بیماری سریبرل پالسی" کا شکار ہیں۔ زیادہ تر بچے اور نوخیز طبقہ۔ ہر سال ہزاروں بچے اس لا علاج مرض سے متاثر پیدا ہوتے ہیں۔ اس مرض کی تمامتر ذمہ داری ماں پر عائد ہوتی ہے۔ ادھیڑ عمری کی شادی' منفی بلڈ گروپ' نشئی' شرابی اور سموکر حاملہ عورتیں۔ معلوم نہیں اس میں قدرت کی کیسی مصلحت ہے۔ کہ ماں کا کیا دھرا کسی معصوم بچہ کی زندگی پر معذوری کی کڑی بن کر گرتا ہے۔ ذہنی اور جسمانی طور پر ان ابنارمل بچوں کو اوائل عمری میں ٹریننگ دی جاتی ہے۔ ٹریننگ دینے والوں میں خصوصی اساتذہ' ماہر امراض بچگانہ' فزیوتھراپسٹ' سائیکاٹرک' اور سوشل ورکرز شامل ہیں۔

انہی کی کوششوں سے یہ بچے پڑھنا لکھنا' آرٹ' میوزک' زباندانی' فزیکل ایجوکیشن' زندگی میں روابط و ضوابط اور باہمی سلوک و ایثار سیکھتے ہیں۔ مخصی' خاندانی اور گروپ کونسلنگ ہوا کرتی ہیں۔ والدین کے لئے فیملی ورکشاپ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان تمام پروگراموں کے لئے بچے کا داخلہ اس کے فیملی فزیشن فزیوتھراپسٹ' سکول ڈسٹرکٹ' چائلڈ ہوڈ ڈائرکشن سنٹر یا سوشل سروسز ایجنسی کی ریفرل پر ہوتا ہے۔

گاہے گاہے ٹیری ہمارے آفس آتا۔ اور سریبرل پالسی کے ادارہ میں اپنی کار گزاری کی تحریری رپورٹ پیش کر کے چلا جاتا۔ بڑا ہی بیبا بچہ تھا۔ بتایا کرتا۔ کہ

ابنارمل بچوں کی خاطر کام کر کے اسے بے حد سکون کا احساس رہتا ہے۔ اسے محسوس ہوتا ہے کہ واقعی اس کا قیمتی وقت کسی نیک مقصد پر صرف ہو رہا ہے۔ کہ واقعی اس کی اپنی بھی کوئی حیثیت ہے۔ کیونکہ حاجت مندوں کو اس کی ضرورت ہے۔

اس نے ہمارے پورے سٹاف کو معذوروں کے خاص فیسٹول بنام" جنجر بریڈ ولیج" پر مدعو کیا۔ ایک دلچسپ فیسٹول تھا۔ تمام ننھے ننھے گھر گھروندے، جنجر بریڈ اور چاکولیٹ سے تعمیر کئے گئے تھے۔ ٹیری پھولی سانس کے ساتھ کبھی ایک کبھی دوسرے تیسرے بچے کے بلاوے پر بھاگ بھاگ اس فن تعمیر میں ان کی مدد کرتا رہا تھا۔ آخر میں انعام بھی ان ہی بچوں نے جیتے جن کا ہمراہی ٹیری تھا۔

ٹیری کا دل رکھنے کی خاطر ایک روز ہم اس کا ترتیب دیا ہوا فیسٹول آف ٹری دیکھنے بھی گئے۔ پتلیوں کے کرتب۔ کرشمہ سازوں اور کلاؤنز کے رنگا رنگ کھیل تماشوں سے یہ معصوم، ابنارمل بچے محظوظ ہوتے تھکتے نہ تھے۔ کاسٹیومز پہنے بچوں کے گروہوں کو ٹیری اور دوسرے سوشل ورکرز چھوٹی چھوٹی کہانیاں اور چٹکلے سنا رہے تھے۔ اور وہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوئے جاتے۔

معذور بچوں کے اس نوع کے فیسٹول نے میرے اوپر کچھ ایسا خوبصورت تاثر قائم کیا۔ کہ اپنے چند ہفتے میں نے " چلڈرن ہاؤس " کے نام کر دیئے۔ جہاں پر گھروں سے بھاگے ہوئے۔ ستم رسیدہ اور گھریلو تشدد کا نشانہ بننے والے نفسیاتی مریض بچوں اور کمسنی حاملہ عورتوں کے لئے درس و تدریس کے سلسلہ میں کام کیا کرتی۔

ایک روز صبح صبح ہسپتال پہنچی۔ تومعلوم ہوا کہ والنٹیرز پروگرام کے شعبہ میں بھگدڑ کا سا سماں ہے۔ وہاں کی انچارج خاتون کو دو تین کاپ گھیرے کھڑے تھے۔ اس سے کچھ سوالات کر رہے تھے۔ فائلیں نکلوا رہے تھے۔ مطلع صاف ہوا۔ تو پتہ چلا کہ ٹیری پولیس کی حراست میں ہے۔

"نو۔ نو۔ ٹیری جیسا ڈارلنگ بچہ ایسا حرام کا تخم ثابت نہیں ہو سکتا۔ میں تو ہرگز نہ مانوں گی"۔ ایک کالی نرس اپنی ساتھی کے ساتھ بحث میں مصروف تھی۔ اور

استفسار پر میں تو ایک دم محجوب رہ گئی۔ ان کے مطابق کسی معذور بچے کی ماں نے ٹیری کے خلاف رپورٹ درج کروائی تھی۔ کہ وہ اس کے پانچ سالہ ابنارمل بچے کو "مولسٹ" کیا کرتا تھا۔ اس خبر وحشت نے پورے عملہ کو لرزا کے رکھ چھوڑا۔ کیونکہ ٹیری کی تسلی بخش ریفل سروس کی ذمہ داری ہسپتال کی اس والینٹر سروس پر عائد ہوتی تھی۔

"یہ سب بالکل مہمل اور خرافات ہے"۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا۔ اس نوع کے مجرمانہ ذہنیت پتھر دل اشخاص جو بچوں خصوصاً" معذور بچوں سے زیادتی کے مرتکب ہوں۔ ان کے رنگ ڈھنگ ہی جداگانہ ہوا کرتے ہیں۔ کہاں ٹیری جیسا کتابی کیڑا جو تعلیم کے علاوہ صرف اور صرف کیمونٹی سروس کی لگن اور جذبہ سے سرشار رہتا تھا۔ اور بس! اس کی زندگی کا پچھلا سترہ سالہ ریکارڈ بالکل صاف ستھرا تھا۔

بچے کی گواہی ان عدالتوں میں بڑی منہ زور اور قد آور ہوا کرتی ہے۔ بدقسمتی سے یہ بچہ معذور تھا۔ بالکل کم گو۔ پژمردہ سا۔ سہاسہا۔ ٹیری کے اوپر اس خوفناک کورٹ ٹرائیل کے دوران کیا بیتی ہو گی۔ یہ تو اسی غریب کا دل جانتا ہو گا۔ ناکافی ثبوت اور ٹھوس گواہی کے ندارد ہونے پر آخر کار ٹیری کے خلاف یہ مقدمہ خارج ہو گیا۔

ایک روز سن رائز سائیکاٹرک کلینک پر چائلڈ ابیوز' کے موضوع پر سیمینار تھا۔ میں نے بھی اٹنڈ کیا۔ سامعین کے درمیان پچھلی نشستوں پر ایک شناسا صورت نظر آئی۔ کافی کے وقفہ میں اس سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔ وہ ٹیری کی ماں تھی۔ میں نے ٹیری کے احوال پوچھے تو اس کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ آواز بھرا اٹھی۔ کہنے لگی۔ "میرے بچے نے اپنی تعلیم کا سلسلہ منقطع کر دیا ہے۔ گوشہ تنہائی میں روپوش ہو چکا۔ میرا مظلوم بیٹا۔ شاید ہمیشہ کے لئے"۔

"گوشہ تنہائی۔ اس نو عمری میں"۔ میں نے دکھ کے ساتھ کہا۔ "ہاں وہ کہتا ہے کہ اسے انسانوں سے خوف آنے لگا ہے۔ اب وہ ان کے درمیان مس فٹ ہے

کیونکہ اس جیسا "نرڈی" (پڑھاکو) ان کی خباثت باطنی کا مقابلہ کرنے سے رہا"۔

○☆○

ایک جمیکن والینٹر لڑکی اس سے ذرا مختلف مگر قابل مذمت اور عبرتناک حالات سے دوچار ہوئی۔ اس کا نام کیوبیا تھا۔ آبنوسی رنگت لمبی بجلی با اخلاق نوجوان لڑکی۔ اپنی قوم و نسل سے کافی مختلف اس کی اکلوتی ننھی سی بہن اپنے اڑوس پڑوس میں بستے ڈرگز ٹریفیکرز کے دنگے فساد میں اتفاقیہ گولی کا نشانہ بن کر موقع پر ہی ڈھیر ہو چکی تھی۔ تب سے کیوبیا کے دل میں بچوں کے لئے والنیٹر کرنے کی زبردست خواہش جاگزیں ہوئی۔ اکثر اپنی تین سالہ مرحومہ بہن کا ذکر کرتے تھکتی نہ تھی۔ جو گلی میں کھیلتے ہوئے کسی مورکھ شئی کی گولی کی زد میں آگئی اور ننھے سے پرندے کی مانند پھڑکتی موقع پر ہی دم توڑ گئی تھی۔ کیوبیا کا شولڈر بھی اس ننھی مقتولہ کے پیارے پیارے کھلونوں سے ٹھنسا رہتا۔ کافی' کے وقفہ کے دوران وہ ایک ایک کر کے بیگ سے ان کھلونوں کو باہر نکالتی اور چکنی چمکتی لابی میں ان کے گرد دھرنا مارے کھوئی رہتی۔ اگرچہ فرائض کی انجام دہی میں وہ دیانت دار' پرجوش' اور چاق و چوبند رہا کرتی۔ آسان' خواہ مشکل بچوں کے ہر سلسلہ کا جاب نہایت دلجمعی کے ساتھ سرانجام دیا کرتی۔ شروع میں" سیودا چلڈرن" آرگنائزیشن کے لئے بطور ورکر کام کیا۔ ہر تفریحی مقام پر وہ بچوں کے جھرمٹ میں ان کو سنبھالتی گائیڈ کرتی دکھائی پڑتی تھی ناسو کلوسیئم کے آئس شو۔ والٹ ڈزنی کریکٹر شو۔ ورلڈ آن آئس" بچوں کے چڑیا گھروں۔ میوزیم آرٹ ڈیلے فن فیرز پارکوں ہر جگہ اپنے دو چار ساتھی والینٹرز کی سنگت میں وہ بچوں کے ہجومکی" شیپران" بنی پرجوش دکھائی دیتی۔

اس کے کام کی تسلی بخش رپورٹ کے تحت بعد ازاں اس کو کہیں زیادہ کٹھن فرائض سپرد کر دیئے گئے۔ مثلاً" ایڈز کے ہوسپائیسز میں داخل لب گور بچوں کی خدمت اور ان کی دلجوئی۔ طلاق شدہ جوڑے کے درمیان ان کے بچوں کی ملاقاتوں کے وقت بطور سپروائز کام کرنا۔ کورٹ میں متنازعہ بچوں کے مقدمہ کے دوران ان

کے ترجمان کا رول ادا کرنا۔ بچوں کے لئے کورٹ ہسپتال وغیرہ میں ان کی حفاظت پر مامور یا آف سوشل سروسز کے دوران کچھ دیر کے لئے بے بی سسٹر کے فرائض سر انجام دینا۔ جب تک کہ ان کے مائیں اپنے مسائل میں الجھی ہوں۔

اس کی اعلیٰ کارکردگی اور ڈیمانڈ کی تحت اس کے فرائض کی نوعیت مشکل ترین ہوتی گئی اب اسے ان بچوں کی گھریلو حفاظت پر مامور کر دیا گیا جن پر ہر سے خطرات منڈلاتے رہتے ہیں۔ ناکافی گھریلو حفاظت والدین کی لاپرواہی یا آپس میں لڑائی مارکٹائی' آئے روز کے دنگے فساد وغیرہ۔

کیوبیا اپنے اس نئے جاب سے بالکل خوش نہ تھی۔ اس کو شکایت تھی کہ یہ بچے خودسر غبی' مغلظ اور بے ڈھب ہیں۔ ان کی ان خصائل بد کی تمامتر ذمہ داری ان کے والدین پر عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کی سدھار کے ان کٹھن مرحلہ جات کے لئے کیوبیا بالکل نو آموز اور نو عمر ہے لہٰذا ناموزوں ہے۔ اس سے کہیں بہتر تو وہ ان ہی بچوں کے سکولوں میں والیسٹر جاب پر تھی۔ وہاں محض اسے ٹرینڈ اساتذہ کی سپرویژن میں کام کرنا تھا۔

کونسلنگ کمیٹی سروس سنٹر جن کی ایماء پر وہ یہ ناخوشگوار فریضہ سرانجام دے رہی تھی انہوں نے کیوبیا کی شکایت کو در خوراعتناء نہ جانا۔ اور جاری رکھنے کی ہدایت کر دی۔

جس گھر کی سدھار پر ان دنوں اس کی ڈیوٹی تھی۔ وہ سوشل ویلفیئر پر گذر اوقات کرنے والے آٹھ افراد کا کنبہ تھا پہلے نو افراد تھے۔ مگر شوہر نامدار لڑ جھگڑ کر الگ جا بسے تھے۔ اب ماں اور اس کے سات عدد بچے یکجا رہ رہے تھے۔ ماں الکحلک تھی اور اس کا زیادہ تر وقت بچوں کی جھاڑ جھنک اور مار کٹائی میں صرف ہوتا یہاں پر کچھ حقائق میرے ذہن پر ابھر آئے ان کا بیان کرنا ضروری ہے۔ امریکہ میں ہر روز تین بچے ماں کے ہاتھوں مرتے ہیں۔ اسی فیصد چائلڈ ایبوز کے واقعات الکحلک والدین کے ہاتھوں سرزد ہوتے ہیں۔ اٹھائیس ملین بچے شرابی والدین کی پناہ میں

پرورش پا رہے ہیں۔ خیر بات ہو رہی تھی اس خاندان کی۔ تو والدہ ماجدہ کا زیادہ تر وقت قریبی سپر مارکیٹ کی چھان پھٹک میں کٹتا۔ بقیہ وقت یعنی رات گئے تک وہ قریبی سستی بار کاؤنٹر پر رہتی۔ بچوں کو بیگانہ باتوں سے زیادہ ننگی گالیاں از بر زباں تھیں۔ جو انہوں نے ہوش سنبھالنے سے پیشتر والدین سے سیکھی تھیں۔ اور جن کا وہ بلا روک ٹوک آپس میں تبادلہ کیا کرتے۔ بظاہر یہ ایک بلیک امریکن کسمپرس شکست خوردہ گھرانہ تھا۔ قابل رحم۔

"میرا وہاں دم گھٹ جائے گا۔ ان کی آپس میں گالم گلوچ میرے کانوں کے پردے کے لئے ناقابل قبول ہے"۔ کیوبیا نے اتھارٹی کو اپنی شکایات جاری رکھیں۔ مگر بے سود۔

تنگ آکر ایک دن اس نے آفس میں سب کی موجودگی میں اعلان کیا۔ کہ وہ خدائی خدمت گزاری کے اس میدان کو چھوڑ رہی ہے۔ اس کی جگہ نئ والنٹیئر کی تلاش کا وقفہ کور کرنے تک اسے اپنا کام جاری رکھنے کی ہدایت کی گئی۔ جو بادل نخواستہ اسے قبول کرنا پڑی۔

اگلے ہی روز اتنا بڑا سانحہ پیش آچکا تھا۔ جو کسی کے سان و گمان میں نہ تھا۔ خبروں کے مطابق اس کنبہ کے ایک سات سالہ بچے کو کیوبیا نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ٹی وی اخبارات، ریڈیو نے منجنی سی کیوبیا کا قافیہ تنگ کر ڈالا۔ حوالات میں بند ہونے کے باوجود وہ تمام خبروں کے اندر گھسیٹی جا رہی تھی۔ کیوبیا جیسی بے بی پرور۔ سہمی سہمی۔ دھان پان سی لڑکی۔ اتنے بڑے جرم کا حوصلہ کہاں سے لائی ہو گئی۔ اور پھر وہ سات سالہ صحت مند جسیم بچہ۔ کیا اس نے اپنا بچ بچاؤ کا کوئی حربہ استعمال نہ کیا ہوگا۔ جو کیوبیا کے جسم پر خراش تک نہ آئی تھی۔ سنا ہے کہ واردات کے سمے بچوں کی ماں گھر پر نہ تھی۔ اور نہ ہی بڑے چاروں بچے دو بچے جو موجود تھے۔ لڑکی عمر پانچ سال اور سب سے چھوٹا تین سال ان سے گواہی اگلوانا ناممکن تھا۔ وہ بیچارے دم بخود

تھے۔ادھر ماں ہر ٹی وی سکرین اور ہر کیمرہ کے سامنے کلیجہ کوٹتی دہائی مچاتی کیوبیا کو صلواتیں سناتی ظاہر ہوتی رہی۔ کہ "یہ اسی حرافہ کا کیا دھرا ہے۔ اسے میرے بچوں سے شدید نفرت ہے۔"

وہ لمبے دن جو کورٹ ٹرائیل اورمیڈیا کی اچھل پھاند میں بیت رہے تھے۔ انھوں نے کیوبیا کو نحیف و نزار بنا ڈالا۔ کئی مرتبہ وہ کورٹ روم میں غش کھا جاتی۔

آخر کار ڈاکٹری رپورٹ اور پانچ سالہ بچی کی گواہی اس کے لئے معجزہ خداوندی ثابت ہوئی۔ جس کے مطابق بچے کی موت زہریلی بیریاں کھانے سے واقع ہوئی تھی۔ مرنے والے کی پانچ سالہ بہن نے کئی روزہ تک دو کے بعد اگلا کہ وہ قریبی پارک سے بیریاں اور پھول چرا لایا تھا۔ وہ مزے لے لے کر کھا رہا تھا اور بہن کو بھی کھانے پر اکسا رہا تھا جس نے اس وجہ سے انکار کردیا۔ کہ پہلے سے اس کا پیٹ زیادہ ناشتہ طعام کرنے کے بعد بوجھل تھا۔ اور جی تھرو آوٹ کرنے کو مالش کر رہا تھا۔

کیوبیا جو ان بچوں کی حفاظت پر مامور تھی۔ اس بدقسمت سمے وہ سب سے چھوٹے بچے کو اس کی پھکڑ ماں کی فرمائش پر شاور دے رہی تھی۔ والدہ ماجدہ بچے کے داعی اجل کو لبیک کہنے کی المناک گھڑیوں میں سپر مارکیٹ سے گروسری خریدنے میں مصروف رہی۔ بڑے بچے ویک اینڈ کی خوشی میں اکٹھے گھر سے غائب ہو گئے۔

ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق انتہائی زہریلے پھول اور بیریاں کھانے کے تین چار گھنٹے بعد بچے کی موت دل اور گردے فیل ہونے پر واقع ہوئی۔ اچنبھے کی بات یہ ہے کہ بیریاں اور پھول بچے نے اپنی ماں کی موجودگی میں دن کے پہلے پہر کھائے تھے۔ جب کہ کیوبیا اس دوران ڈیوٹی پر نہ تھی—— ماں نے بچے کی اس حرکت کا کوئی نوٹس نہ لیا تھا' کیونکہ اس وقت اس کے بڑے بچوں نے آپس میں دنگا فساد میں الجھ کر آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا—— کیوبیا جب ڈیوٹی پر پہنچی تو بڑے بچے گھر سے باہر چلے گئے اور ماں اسے چھوٹے بچے کو شاور دینے کی ہدایت کرتی سپر مارکیٹ کی راہ ناپنے لگی—— البتہ بچے کی موت بدقسمتی سے کیوبیا کی موجودگی میں واقع ہوئی—— کیوبیا کے بیانات

کے مطابق بچے نے مرنے سے پہلے خرابی صحت کی کوئی شکایت نہ کی تھی' البتہ خلاف معمول وہ چپ چاپ' آزردہ خاطر نڈھال سا صوفے پر پڑا بے توجہی کے عالم میں ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ وہ سمجھی شاید ماں کی سرزنش پر ناراض ہے—— جب وہ کافی دیر بعد چھوٹے بچے کو شاور دلاکر تولیہ میں لپیٹے واپس کمرہ میں داخل ہوئی تو وہ صوفے پر بے ترتیب لٹکا پڑا تھا—— آنکھیں پلٹ چکی تھیں—— رنگ نیلاہٹ مائل پیلا—— " شاید—— شاید——" کیوبیا کٹہرے میں کھڑی ہچکیوں کے درمیان بیان دے رہی تھی۔ سامعین کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو—— شاید وہ مرنے سے پہلے تڑپا ہو—— شاید مدد کے لئے اس نے مجھے آواز دی ہو—— مگر بدقسمتی سے غسل دلاتے بچے کے شوروغل شاور پانی کی دھار کے ملے جلے طوفان میں کچھ سنائی نہ دیا' مجھ بے مقدور کو—— کاش میں اس کی جان بچا سکتی۔

کورٹ ٹرائیل کے دل آزار اور طویل تر مرحلہ جات سے نمٹنے کے بعد آخرکار جج نے کیوبیا کو مقدمہ قتل سے باعزت بری کردیا—— مگر بے قصور کیوبیا کی روح—— اس کی سوچ—— اس کے ولولوں—— مقاصد—— کیریئر—— اس کی نفسیات پر زہریلی بیریوں کے لاعلاج آبلے پڑچکے تھے——!!!

○☆○
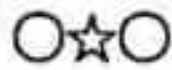
ہوم لیس (بے گھر) اب امریکن کلچر کا اٹوٹ انگ بن چلے ہیں—— امریکہ کی ہر سٹیٹ میں سٹی اور ڈاؤن ٹاؤن ہوم لیس کے پسندیدہ مقامات ہیں۔ ہر ڈاؤن ٹاؤن میں وہ ریلوے سٹیشن کی جانب خصوصی کشش رکھتے ہیں—— مین ہیٹن ایونیو چھیالیسویں سٹریٹ پر واقع یونائیٹڈ نیشن کی بلڈنگ کے اطراف ہوم لیس کی آماجگاہ رہتی ہے۔ اندر ہال میں امن و آشتی' تحفظ' مساوات' ڈیسنٹ گزر و بسر' جنگ و جدل سے نفرت' جرائم و منشیات کے خلاف جنگ' ناانصافیوں بھوک و ننگ اور انسانی حقوق جیسے موضوعات پر زناٹے دار تقاریر کا ہلہ گلہ رہتا ہے' جبکہ اس یونیورسل بلڈنگ کے گردونواح بھوکے' نیم برہنہ اور بے گھر افراد کا جمگٹا—— خدا ترس راہ گیر اس قدر

سکے ان کی کھلی ہتھیلیوں پر دھرے جاتے ہیں' جن کے عوض' بمشکل وہ ہیروئن سے اپنے بھوکے معدہ کی سیوا کرپائیں۔ جن کو ہیروئن کا روزانہ کوٹہ میسر آجاتا ہے۔ چڑھانے کے بعد وہ وہیں پر خالی کارٹن اور گتے کی پیکنگ کے ڈبوں کے اندر پناہ گزیں ہوکر سائیڈ واک پر کسی درخت یا بنچ کی اوٹ میں میٹھی نیند سوتے رہتے ہیں۔ اور رات پھر بے چینی کے عالم میں سٹریٹ نوردی پر نکل کھڑے ہوتے ہیں— کچھ بے ضرر ہیں اور کئی نیورانک اور سائیکارنک لہٰذا خطرناک مجرم بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔ اس لئے کہ عموماً" عادی نشئی ہیں۔ صرف مین ہیٹن نیویارک میں ایک لاکھ ہوم لیس کھلے بندوں پھرتے ہیں۔

امریکی ہوم لیس ایسی مخلوق ہے۔ جو بدقسمتی سے ہیں تو امریکن سٹی زن۔ مگر ان کو انسان کا کوئی درجہ حاصل نہیں ہے۔ لنگروں کے سوپ۔ خیراتی کپڑے لتے۔ پرسنل ہائی جین سے بے نیاز۔ پھٹے پرانے بوسیدہ پیرہن اوڑھے' روزمرہ معمولات زندگی اور ماحول سے بیگانہ— ہوم لیس کے پاس کوئی شناخت۔ کوئی اتہ پتہ نہیں ہوتا' اور حلیہ تقریباً ملتا جلتا۔ ان میں زیادہ کی کل کائنات ان کے جسم پر پہنے چیتھڑے ہیں۔ مگر ایسے بھی ہیں جو سپر مارکیٹ سے چرائی گئی بھاری سٹیل کارٹس (ریڑھیوں) کے اندر اوٹ پٹانگ اسباب لادے چونٹی کی رفتار گھسٹتے رینگتے ایک سے دوسری سٹریٹ کا گشت کیا کرتے ہیں۔ عموماً" نہایت دلجمعی کے ساتھ خودکلامی کرتے ہوئے ڈیپریس مگر اپنی ذات میں گم کردہ دنیا و مافیہا سے بالکل بے نیاز۔

حکام بعض مرتبہ چند ایک صاف ستھرے ننھے منھے اپارٹمنٹ تعمیر کرکے ان کو سازوسامان کے ساتھ لیس کرتے ہیں۔ پھر ٹی وی اور اخبارات کو کافی کی پیالیوں پر مدعو کرکے کسی ہوم لیس کو زبردستی اس کے اپارٹمنٹ کے اندر ٹھونستے ہوئے ہمراہ اپنی تصاویر اور وڈیوز بنواتے ہیں۔ عموماً" دیکھنے میں آیا ہے کہ اس "شو" کے اختتام سے پیشتر ہی ہوم لیس آنکھ بچاکر یہ جا وہ جا۔ یہ آزاد پنچھی۔ ان کو امریکہ۔ امریکی ریت و رواج۔ سیاست۔ گھر گرہستی۔ بھانڈے ٹینڈے۔ آرٹ و سائنس۔ ہالیڈیز۔ کسی بھی

کشش کے ساتھ بالکل کوئی مطلب نہیں رہ گیا۔ نہ تو وہ کسی کے آگے جھولی پھیلاتے ہیں اور نہ ہی کسی کی سخاوت سے امپریس ہوتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر چھین کر حاصل کرلیتے ہیں۔ اور بلا ضرورت مست والست۔ نشہ۔ نیند اور سٹریٹ نوردی ان کا اوڑھنا بچھونا ٹھہرا۔

۱۹۸۵ء میں اس دور کی حکومت نے یکلخت فیاضی کے دہانے ہوم لیس پر کھول دیئے تھے۔ ایک اعشاریہ دو بلین ڈالرز کی خطیر رقم سے ان کے لئے کوارٹرز اور گھر تعمیر کئے گئے۔ اپارٹمنٹ بلڈنگیں۔ شیلٹرز ہوٹل' موٹل میں ٹھہرنے کے اخراجات۔ سوشل سروسز۔ اور ہیلتھ کیئر کونسلنگ۔ جاب ٹریننگ۔ مگر چند سال کے اندر اندر نتیجہ کیا نکلا۔ وہی ڈھاک کے تین پات۔ آج ان کی یہ اپارٹمنٹ بلڈنگیں۔ گھر اور شیلٹرز زبردست توڑ پھوڑ اور گندگی کی وجہ سے بھوت بنگلوں کا سماں پیش کرتی ہیں۔ لوگ ان کو آسیب زدہ خیال کرتے ہیں کہ ایک رات وہاں بسیرا کرنے والا اگلی صبح وہاں مردہ پایا جاتا ہے۔ شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ اس نوع کی خالی' اجاڑ بلڈنگیں اب ڈرگ ٹریفکرز کی سرگرمیوں کی خفیہ ٹیکس گاہیں بن چکی ہیں۔ جن سے ہوم لیس بھی خوفزدہ ہیں۔

امریکہ میں ناقص ترین اور تقریباً بے اثر آرگنائزیشن ہوم لیس مشنریز ہیں۔ کہنے کو تو یہ ایک کارپوریشن ہے' مگر بذات خود تقریباً ہوم لیس ہے۔ ایک معمولی سا دفتر ان کا آٹھویں سٹریٹ مین ہیٹن پر بھی واقع ہے۔ اس طرح کے دفاتر سال بھر نقدی بطور صدقہ وصول کرنے کے فرائض میں جٹے رہتے ہیں' اور بس۔ سال کے آخر میں یہ کیش چندہ کہاں جاتا ہے۔ جانے بلا۔ کیونکہ ہوم لیس کی تعداد میں روز افزوں ترقی ہورہی ہے۔ کمی نہیں۔ یہ مشنریز گاہے بگاہے ہلکے پھلکے فرائض اور بھی سرانجام دے ڈالتے ہیں۔ مثلاً ہوم لیس کو کم قیمت ہوٹل یا موٹل کے ایڈریس بتاسکتے ہیں۔ (فون پر) کبھی کبھی بھنڈارا بھی لگادیتے ہیں' جس کا نام انہوں نے "سوپ کچن" رکھ چھوڑا ہے۔ ان بھنڈاروں میں عوامی تعاون کے ذریعے ان "بھوکوں" کے لئے کھانا پکتا رہتا ہے۔۔ بیچارے والینٹرز یہ پکا پکایا گرما گرم کھانا فٹ پاتھوں اور گٹروں پر دراز ہوم لیس

تک ڈھوتے ہیں۔ عموماً" اس کار ثواب کے لئے والینٹرز میسر نہیں آتے۔۔ اس صورت میں میڈیا کے ذریعہ ہر ہوم لیس کو انفارم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔۔ کہ فلاں دن۔۔ فلاں مقام پر واقع فلاں "سوپ کچن" آپ کے لئے چشم براہ رہے گا۔ اول تو ہوم لیس کے پاس بس کا کرایہ نہیں ہوتا۔ اگر ہو تو وہ اس قدر رقم سے ایک پڑیا ہیروئن خریدنا زیادہ سہولت اور فائدے مند خیال کرتے ہیں۔ لہٰذا ہوم لیس مشنریوں کا ہر انتظام و اہتمام ادھورا اور ناقص ہے۔ سامان ہے۔ گھر نہیں ہیں۔ کپڑوں کی گٹھیں لاتعداد مگر بانٹنے والا کوئی نہیں۔ لاکھوں عدد صابن کنگا اور ٹوتھ برش وغیرہ دھو رکھے ہیں' مگر شاور اور غسل خانے میسر نہیں۔ کھانا ہے۔ مگر کھانے والا کوئی نہیں یا کھلانے والا کوئی نہیں ہے۔ چندے ہیں مگر ڈالرز نہیں۔ شیلٹرز (پناہ گاہیں) موجود ہیں مگر ہوم لیس ان کے اندر نہیں بلکہ باہر ہیں۔

چندہ جمع کرنے والے دفتروں کے علاوہ ان کا عملہ خود دربدر ہے۔ ان کے خیال میں یہ ہوم لیس کا فریضہ ہے کہ بوقت ضرورت ان کو کھوج نکالیں۔ مثلاً اس مشنری کے عملہ کے افراد آپ کو سٹور فرنٹ پر۔ کبھی گلیوں کی نکروں پر۔ تو کبھی کیمونٹی سنٹروں پر۔ ریلوے سٹیشن ہالوں کے دروازوں کی اوٹ میں۔ لابیوں پر۔ میلے ٹھیلوں۔ جلسے جلوسوں اور سپر مارکیٹوں کے باہر عجب کسمپرسی کی حالت میں نظر آئیں گے۔ یہ حضرات دوچار کاپیوں کو پن قلم کے ہمراہ لئے کرسی میز جمائے بیٹھے ہوں گے۔ ڈونیشن (عطیات) کو محض ڈالرز کی صورت میں قبولتے ہیں۔ کپڑا' لتا کھانا وغیرہ ہرگز نہیں وصول کرتے' ان کے پاس امریکن ہوم لیس مشنری کا کوئی آئی۔ ڈی نہیں ہوتا۔ ایسے میں کوئی لڑکھڑاتا ہوم لیس اگر اتفاقیہ ان کے قریب پھٹک جائے تو نظر بچاکر اسے دھتکار دیتے ہیں یا آئیں بائیں شائیں کرنے لگتے ہیں۔۔

اگرچہ کوئی شخص کسی ہوم لیس کو راہ خدا کچھ خیرات نقدی کے علاوہ کسی دوسری شکل میں دینا چاہے تو جواب ملتا ہے۔ "سوری! اس سلسلہ میں ہم آپ کی کیا مدد کرسکتے ہیں۔ آپ ذاتی طور پر کسی ہوم لیس سے رابطہ قائم کریں' البتہ ڈالرز دینا

چاہیں تو ہم حاضر ہیں ـــ!"

بے شمار پبلک آرگنائزیشن ان قسمت کے مارے ہوم لیس کے لئے کام کررہی ہیں۔ فقط ہالیڈیز کے دوران ان کی جانب ملتفت ہوتی ہیں ـــ ان دنوں ہوم لیس کے نام پر دھڑا دھڑ کپڑے لتے ـــ فوڈ ـــ اور سامان وغیرہ کی ڈرائیو ہوتی ہے۔ خبریں چھپتی ہیں ـــ ریڈیو' ٹی وی پر ایڈورٹائزنگ ہوا کرتی ہے۔ جوش و خروش کے مظاہرہ کے ساتھ خبروں اور فیچرز میں ہوم لیس چھائے رہتے ہیں ـــ تھینکس گوئنگ ڈے پر ہوم لیس کو قطار در قطار کھانا کھلواتے ہوئے آئی وٹ نیس نیوز ٹی وی کلوزاپ دکھاتا ہے۔ (درپردہ اس حقیقت کا انکشاف بھی ہوا ہے کہ ان لنگروں پر کھانا طعام کرنے والے ہوم لیس نہیں بلکہ ہٹے کٹے بے روزگار عموماً" ہلہ بولتے ہیں' جو کہ ہوم لیس کے بھیس میں ادھر ظاہر ہوا کرتے ہیں)۔ لطیفہ یہ ہے کہ ہالیڈیز کے اختتام پر ہوم لیس دوبارہ قصہ پارینہ بن جاتے ہیں ـــ اگلے سال تک لوگ ان کا ذکر تک زبان پر لانا آوٹ ڈیٹڈ خیال کرنے لگتے ہیں ـــ

ہوم لیس کا مفصل تعارف قارئین کے روبرو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہوم لیس انسان ضرور ہیں' مگر ان میں سے اکثریت کو ہیروئن جیسی لعنت نے کسی اور سیارہ کی مخلوق بناڈالا ہے۔ لہٰذا جذبہ ترحم میں آکر کسی ہوم لیس سے ڈائریکٹ رابطہ کرکے خیرات اس کے حوالے کرنا بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنے کے موافق ہے ـــ بلانڈینا کا قصہ سنئے۔ کبھی کبھی اس لڑکی کے بارے میں سوچ سوچ مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے ـــ اور یہ قلق بھی ـــ کہ کاش اس کی ایویلویشن (والنٹیر جاب شروع ہونے سے پیشتر کی میڈیکل گراؤنڈ پر جان پرکھ) ہمارے شعبہ میں کی جاتی ـــ جدھر زیادہ محنتی اور پرخلوص اور دور اندیش سٹاف موجود تھا ـــ بہ نسبت اس والنٹیر سنٹر جنہوں نے اس جیسی امیچور ـــ بانکی ـــ غیر ذمہ دار ـــ ہٹیلی اور خوبصورت دوشیزہ کو ہوم لیس کے لئے "میل۔ آن۔ ہیل" (کھانا ٹرانسپورٹ مہم) جیسی ہیوی ڈیوٹی اور پرخطر مہم کے لئے بلا سوچے سمجھے بھرتی کرلیا تھا۔

بلانڈینا جیسا کہ نام سے ظاہر ہے— فطرتی بلانڈ بلکہ ایک خوبصورت بلا تھی— نوجوان— پھرتیلی— ہمیشہ ٹپ ٹاپ— وہ مین ہٹن آٹھویں ایونیو پر اپنے آئرش نژاد والدین کے ہمراہ رہتی تھی— اس کا بچپن آٹھویں ایونیو کے پرخطر ماحول میں خطرات و خدشات کی سنگت کھیلتے کودتے بیتا تھا— لہٰذا ہیکڑی بازی— غلط قسم کی جرات مندی— شیخی بازی اور ڈیٹنگ بازی اس کی خصلت میں شامل تھی—

پین سٹیشن سے ملحقہ سکوائر گارڈن کی پشت پر قدرے اجاڑ شکستہ پل کی اوٹ میں ہوم لیس مردوں کا ایک جتھہ براجمان رہتا ہے— اس سرمائی رات وہ کوڑا کرکٹ کے خالی بڑے بڑے ڈرموں اور ٹین کنستروں کے اندر ٹریش کاغذات وغیرہ کو تیلی دکھا کر ان کے شعلوں پر ہاتھ سینک رہے تھے—

بلانڈینا اپنی ساتھی لڑکی کے ہمراہ انواع و اقسام گرم ڈنر ریڑھی میں سجائے ان کے قریب پہنچی— اس نوع کی جاب کے لئے یہ ان دونوں لڑکیوں کا پہلا موقع تھا— تاڑھی نگاہوں اور ستے چہروں کے ساتھ وہ بھتنی چڑی ڈرموں سے اگلتے شعلوں کے عکس میں بڑے بھیانک دکھائی دیئے— بلانڈینا کی ساتھی لڑکی کی چھٹی حس نے جیسے اسے خبردار کردیا ہو۔ وہ کھانے کی ٹرالی پرے دھکیل بلانڈینا کو چیخ چیخ بھاگ جانے پر اکساتی ہرنی کی مانند کلاویں بھرتی' وہاں سے غائب ہوچکی تھی— نادان بلانڈینا کے پلے یہ سب نہ پڑا شاید سوچنے کی مہلت ہی نہ ملی اسے— وہ اپنی جگہ جامد و ساکت کھڑی رہ گئی— ہوم لیس اس پر جھپٹ پڑے تھے— جب کاپس کی گاڑیاں موقع واردات پر پہنچیں تو ہوم لیس غائب تھے— اور بلانڈینا کی روندی مسلی لاش ادھ جلے کالے ٹریش کی سیاہ ڈرموں کے قریب پڑی تھی— ٹرالی کے کھانے دور دور تک بن کھائے بکھرے پڑے تھے— آج تک میری سمجھ سے یہ بات بالاتر ہے کہ بلانڈینا ہوم لیس کی ہوس کا نشانہ بن گئی تھی یا اس سسٹم کی بوسیدہ درندگی کی بھینٹ چڑھ گئی۔ وہ سسٹم جس نے انسانوں کو ہوم لیس بنا ڈالا ہے—!!!

جوہترویں (74) گلی جیکسن ہائٹس

چوہترویں سٹریٹ جیکسن ہائیٹس

چوہترویں سٹریٹ جیکسن ہائیٹس

چوہترویں سٹریٹ جیکسن ہائیٹس

اونچے خواب کا انجام نائٹ میر

ریت کے قلعے

چوہترویں (74) گلی جیکسن ہائٹس

بک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ
لیکن عیارِ طبع خریدار کے ساتھ

(غالب)

آفتاب بھٹی ایک وکیل تھا۔ پاکستانی کے شہر ساہیوال کا رہنے والا۔ اپنے شہر کی کچہری کے باہر چند ایک سال دفتر لگائے یاس و انبساط کی سی صورت حال میں بیٹھا کیا۔ اس کی پریکٹس بس برائے نام تھی۔ یوں سمجھ لیجئے کہ گھرداری اور چھوٹے بہن بھائیوں کی "سکولنگ" نکل رہی تھی۔ اس شدید اور لگاتار احساس کے تحت کہ وہ فضول میں اپنی قیمتی زندگی کے ماہ و سال رول رہا ہے۔ چند ایک مہینوں کی تگ و دو کے بعد امریکہ وارد ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

امریکہ آتے ہی ہر شخص کو چار چاند نہیں لگ جاتے۔ آغاز میں آفتاب نے بھی اندھیروں میں ٹھوکریں کھائیں۔ نیویارک سٹی میں مقیم انتہائی ڈھٹائی اور خفت کا سامنا ہوتا رہا۔ مگر اس نے بظاہر بے ضرر اپنے نظریہ فکر کو اس انداز سے تقویت دی کہ اندھیرا مستقبل روشن نہ سہی مگر کچھ بجھائی ضرور دینے لگا۔

دوستوں کی مدد سے مین ہیٹن کے اندر کچھ عرصہ مالک کی ییلو کیب (ٹیکسی) بھی چلاتا رہا۔ جلد ہی اس کو اندازہ ہو چلا کہ اس مہنگے علاقہ میں یہ محض جان جوکھوں کا کام نہیں بلکہ جان کو ہتھیلی پر لٹکائے پھرنے کی مہم ہے۔ لہٰذا اس میدان کارزار سے ڈر بھاگا اور کوئنیز جو کہ انڈین، پاکستانیوں اور دوسرے مشرقی تارکین وطن کا گڑھ ہے۔ وہاں بسیرا ڈالتے ہی اس کے ماہ و سال بے نام ہو کر رہ گئے۔

کبھی گوہپ۔ کبھی گوگو۔ کبھی کشن۔ کبھی کشور۔ کبھی رام۔ کبھی رحیم۔ ہر ایک کے آگے للو پتو کرنا اس کی عادت میں شامل ہو چکا تھا۔ خوداعتمادی اور خودداری کرچی کرچی اس کی سوچوں سے باہر بکھرتی چلی گئی۔ تب ایک روز اسی سرگردانی کے عالم میں چوہترویں سٹریٹ پر اس بے روزگار کو "جاب" مل گیا۔

امرتسر چوک نمبر دو سو تمیں کے رہنے والے گوہپ داس کو اس پر ترس آ گیا۔ اس نے آفتاب بھٹی کو اپنے ریسٹورنٹ کی پشت پر چکنے چپڑے باورچی خانہ میں دھری بڑی سی کڑاہی کے آگے بٹھا دیا۔

آفتاب کے شب و روز نے اب نئی پھریری لی۔ سویرے تا اندھیرے تل تلیا جاری رہنے لگا۔ پاپڑی چاٹ۔ پانی پوری۔ زواوکلا۔ خامن۔ بھیل پوری۔ سموسے۔ پکوڑے۔ کچوری۔ کولی نان۔

ادھر پیچھے ساہیوال کہاں اس کی اماں نے چولہے کی پھنکنی کو ہاتھ تک لگانے دیا ہو گا اسے۔ ادھر پتہ نہیں کیونکر اس کے ہاتھوں میں اس قدر لذت بھر گئی۔ کہ گوہپ داس کے گاہک ہر پھیرے میں اپنی انگلیاں چاٹنا نہ بھولتے تھے۔ ایڈوکیٹ آفتاب بھٹی کا جاب گوہپ داس کے ساتھ پکا ہو گیا۔ مگر اس معمولی تنخواہ میں اضافہ کا کوئی امکان نہ تھا۔ کیونکہ گوہپ ذات کا بنیا تھا۔ اور آفتاب بھٹی یہاں کی اصطلاح میں اس کے ریسٹورنٹ کے اندر خفیہ یعنی "انڈر دی ٹیبل" (آف دی رجسٹر) کا مزدور تھا۔ وجہ یہ تھی کہ آفتاب بھٹی کے امریکہ ریزیڈنس کے کاغذات کچے تھے۔ لہٰذا وہ پر مار نہ سکتا تھا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ زندگی کی بہاروں کا مزید ایک سال اس بنیا کی ہٹی پر گنوا دیا۔

گیس کے نت بھڑکتے برنر کے اوپر دیوزاد کڑاہا ہفتہ میں چھ روز رات گئے تک گویا آفتاب کے پسندے اور پوریاں تلتا پل پل گاہکوں کے پیٹ کا ایندھن بنتا چلا جا رہا تھا۔ البتہ ہر منگل کی رات شب برات اور پیر کا روز عید کا دن ہوتا۔ کیونکہ منگل کی رات کوئی ساڑھے بارہ بجے شب کو "باس" گوہپ اس کے ہاتھ میں اس کی تنخواہ نقد ایک سو ڈالرز دھرتا اور اسے ویک اینڈ کی نوید سناتا۔ کیونکہ سوموار کا دن گوہپ کا

ہالی ڈے اور آفتاب کا چھٹی کا دن ہوا کرتا۔ گوہپ داس مذہبی آدمی تھا اور شنوار کے پوتر روز ریسٹورنٹ کو بند کر کے اپنے کنبہ کے ہمراہ مندر جایا کرتا۔

شروع کے چند مہینے اپنے ہم وطن مکینوں جن میں زیادہ تر شتر بے مہار اور ہینڈ ٹو ماؤتھ تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی چھٹی کی رات کو رت جگا اور دن چڑھے تک جی بھر سونے کی عیاشی کرتا رہا مگر تعلیم یافتہ تھا۔ ایک روز گوش و حواس مجتمع کر کے اپنے بخت پر غور کیا تو اس کو حیرت ہوئی کہ وہ ہوم لینڈ سے ہزاروں میل دور یہ کیسی جھک مار رہا ہے۔ اس کے والدین اس کی تعلیم کے سلسلہ میں کس قدر کٹھن مراحل سے گزرتے رہے تھے۔ ان کی تمنائیں۔ محنت و لگن۔ اور بہن بھائیوں کی خوبصورت آس مرادوں کا اس کے سر پر بوجھ تھا۔ اور کیا کر رہا تھا وہ ٹیبل کے نیچے گھسا بیٹھا۔ ادھر امریکہ میں۔ اس خرانخور دو ٹکے کے حلوائی منڈے کی چاکری کر کے بمشکل کرایہ اور بل ادا کر رہا تھا۔

پس اس لمحے کی پشیماں خیالی نے اس کی زندگی کا وطیرہ بدل کر رکھ دیا۔ اب وہ ہر منگوار کی رات چھٹی ملتے ہی اپنے ٹھکانے پر پہنچتا اور بستر اور کپڑے لتے قرینے سے لگا کر کوئی کار آمد میگزین یا کتاب پڑھتے ہوئے سو جاتا۔ صبح قدرے سویرے اٹھ کر شاور لینے کے بعد نیچے سٹریٹ پر سے ناشتہ اور اخبار پکڑتا۔ ناشتہ کے بعد قریبی لانڈرومیٹ کے اندر دھلائی کا تھیلا اور اخبار لئے داخل ہوتا۔ گھنٹہ بھر وہاں صرف ہو جاتا اور پھر تیار ہو کر رات گئے جیکسن ہائٹس کی گلیوں کے اندر باہر مٹر گشت کیا کرتا۔ بلاوجہ نہیں۔ بلکہ وہ ان گلیوں۔ اور یہاں پر کاروباری ذہنیت ہندو۔ چاپلوس سکھوں اور ہچرمچر کرتے پاکستانیوں سب کو ان کی دوکانداری سمیت مشاہدہ میں لا رہا تھا۔ باقی گلیوں پر اس نے ایک پل ضائع کرنا بے سود جانا کہ ادھر تو انواع و اقسام کے ڈیرے تھے۔

مگر چوہترویں گلی کے ڈانڈے چونکہ اس کے اپنے کلچر اور ہم وطنوں سے جا ملتے تھے۔ ان ساجن کی گلین کی اس نے مقدور بھر مجنوں سرائی کی۔ انکشاف ہوتا ہے کہ

چار جانب دھوکہ دھی۔ نوچا کھسوٹی۔ مطلب براری۔ خودغرضی اور چھین جھپٹ کا بازار گرم ہے۔

سری پائے۔ نہاری۔ حلیم۔ برین (مغز) مصالحہ۔ چکن کڑاہی۔ شیش کباب۔ چپل کباب۔ تندوری چکن بمعہ نان۔ بریانی۔ قورمہ اور کوفتے۔ میٹھو لسی۔ رائتہ۔ آلو پراٹھا۔ مولی کی مسی روٹی۔ مرغ چنے۔ لیمب کڑاہی (بھیڑ کا گوشت)۔ گوٹ مصالحہ (بکری کا گوشت)۔ .بڑکو کے پسندے (بھینس کا یا گائے کا گوشت بولنے سے پہلوتہی کرتے ہیں) انڈا پنیر کڑی۔ بھنی دال اور کڑھی اور ہر کھانے کے ہمراہ سویٹ ڈش۔ فیرنی۔ کھیر۔ فالودہ۔ قلفی۔ زردہ۔ گاجر کا حلوا۔ اور رس ملائی (بعد میں مٹھائی کا ڈبہ بندھوا کر گھر لے جاتے ہیں) ہر ریسٹورنٹ کے سامنے سواریاں اترتیں۔ اپنے لوگ باگ کبھی اکیلے دکیلے اور کچھ کنبہ بھر کے ہمراہ آتے ہیں۔ اور پل کے پل میں پلیٹوں پر پلیٹ کا صفایا کر جاتے ہیں۔ ہفتہ بھر کے دو سو ڈالرز کمانے والا یا ہفتہ بھر کے بیس پچیس ہزار ڈالرز کمانے والا ہر کس و ناکس تھالی تھالی پرچیاں (ڈالرز) چڑھاوے میں دے کر تھالی بھر "کری" طعام کرتا۔ پرباش دکھائی دینے لگتا ہے۔ کچھ مزدور پیشہ نوجوانوں کا تو زندگی کا مقصد ہی فقط یہی رہ گیا ہے کہ ہفتہ بھر محنت و مشقت کی چکی میں پسنے کے بعد اپنے جیکسن ہائٹس کے کسی ریسٹورنٹ کے اندر اطمینان سے بیٹھ کر وطنی کھانے سے پیٹ پوجا کی جائے۔ اور بعد میں سٹریٹ کی لمبی چوڑی سائیڈ واک پر کھڑے ہو کر سگریٹ کے کش کے ہمراہ حسینوں کے نظارے لئے جائیں۔ اس ملک میں کڑیوں کو تاکنے جھانکنے کا ت دستور ہے۔ نہ اہمیت و کشش اور نہ ہی کسی کو فرصت ہے۔ کیونکہ مردوں کی نسبت عورتوں کی کہیں زیادہ تعداد گھروں سے باہر پائی جاتی ہے۔ مارکیٹوں۔ شاپنگ مالوں۔ میلے ٹھیلوں۔ پارکوں۔ ایئرپورٹس۔ ریل روڈ۔ دفتروں۔ کارخانوں ہر جگہ حسینان متکبران کے ٹھٹھ لگے ہیں۔ البتہ جیکسن ہائٹس چوہترویں سٹریٹ میں صورت حال ذرا مختلف ہے۔ جگہ جگہ دیسی نوجوانوں کے ٹولوں کو آپ جس تیکھے انداز مشتاق میں جنس نازک کو گھورتے اور تاڑتے پائیں گے۔ آپ کو

گویا یہ محسوس ہو گا کہ آپ پاکستان پہنچ گئے ہوں۔

ریسٹورنٹ کے علاوہ گروسری۔ انڈین و پاکستانی اور تازہ بتازہ سبزی و ترکاری کا خوب بزنس ہے۔ کپڑے لتے۔ ساڑھیاں۔ ریڈی میڈ شلوار قمیض۔ گوٹے لپے۔ سلمٰی ستارے۔ زری جوتے۔ پراندے۔ کاسٹیوم۔ جیولری۔ کڑھت اور کڑھائیاں۔ اور خالص سونے کے زیورات کے سٹورز۔ لگتا ہے جیسے انڈیا کا تمام سونا ادھر سمگل ہو چکا۔ بھاری بھر کم کندن اور پلین اور منقش زیورات ہر آئیٹم خالص بائیس قیراط۔ مہاشے ادھر جان ہتھیلی پر رکھے سونا فروخت کرتے ہیں۔ کالے امریکی چور اچکوں کے خوف سے وہ ریموٹ کنٹرول۔ سیفٹی لاک۔ بھاری بھر کم کواڑوں کے اندر محبوس بیٹھے رہتے اور گاہکوں کی کھالیں کھینچنے میں مصروف رہتے ہیں۔

خریدار اپنی جگہ اچکوں اور جیب کتروں سے خوفزدہ رہتے اور عموماً" کریڈٹ کارڈوں پر سونا کی خریداری کیا کرتے ہیں۔ اور خریدا گیا قیمتی زیور اپنی اندرونی جیبوں میں نہاں کئے لپک جھپک اپنی منتظر گاڑیوں میں سوار ہو کر یہ جا وہ جا۔ گویا سونا خریدا نہ گیا ہو۔ بلکہ چرایا گیا ہو۔

آفتاب نے انڈین و پاکستانیوں کے کئی دوسرے بزنس کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مثلاً انشورنس اور رئیل اسٹیٹ فرمیں۔ انکم ٹیکس۔اور اکاؤنٹنٹ فرمیں۔ ٹریول ایجنسیاں۔ آٹوز ریپئر۔ شاپس وغیرہ اس کرید کھنگال میں یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ سبھی ڈرے سہمے۔ سکڑے بیٹھے اندر خانے کچھ اور بظاہر کچھ رجسٹر رکھتے ہیں۔ لہٰذا کچھ بھی بتانے سے ہچرمچر کرنے لگتے ہیں۔

انڈوپاک کے بارے میں جو بھی ابلاغ عامہ ہے۔ وہ محض بزنس مین کی پبلسٹی کا اکھاڑہ ہے۔ تھرڈ ورلڈ براڈکاسٹنگ کا انڈین چینل۔ پاکستانی پروگرام۔ اخبارات اور رسائل۔ اول تو اشاعت ان کی بہت کم ہے۔ اخبارات ہفتہ وار ہیں۔ پہلا ڈیڑھ صفحہ کھانے پینے کی اشیائے کے اشتہاروں سے سیاہ ہوتا ہے۔ فلاں کبابی ریسٹورنٹ۔ چٹخارا محل۔ مٹھائیاں۔ تازہ بتازہ حلال میٹ (جس کے حلال ہونے کا کوئی ثبوت دکاندار

کے پاس نہیں ملتا اور نہ ہی تازگی کا!) پارٹیوں کے لئے دہی بھلے۔ چاٹ۔ سموسے اور گلاب جامن آرڈر کیجئے۔ خود کھائیے۔ اہل خانہ کو کھلوائیے۔ ایسا نہ کریں گے تو محب الوطن کیونکر کہلائیں گے۔ فلاں گروسری سٹور کے مصالحہ جات اور بھورین باسمتی چاول۔ فلاں ریسٹورنٹ کے چٹ پٹے گرما گرم انواع و اقسام طعام لذیذ خود کھائیے اور احباب کی تواضع کر کے ثواب دارین حاصل کیجئے۔

اخبارات کا بقیہ ایک ڈیڑھ صفحہ وکلاء۔۔ ڈاکٹروں۔۔ اکاؤنٹنٹوں۔۔ انکم ٹیکس کے کاغذات کی بھرائی کرنے والوں۔۔ رئیل اسٹیٹ ایجنٹوں۔۔ ٹریولز اینڈ ٹوورز۔۔ بوتیک۔۔ کپڑے لتے۔۔ جیولرز (عموماً" انڈین) سے پر ہوتے ہیں۔

انڈین اپنی گروسری اور سبزی مارکیٹ کے باہر برائے انڈین اور پاکستانی کا بورڈ لٹکا رکھتے ہیں۔ مقصد محض دکانداری چمکانا ہے' وگرنہ ان جیسے سٹوروں اور دوسرے تمام انڈین کاروباری جگہوں پر مسلمان یا پاکستانی ملازم نہ ہوگا۔۔ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ تمام پاکستانی بزنس سٹوروں۔۔ ڈاکٹروں۔۔ فارماسٹوں۔۔ کلینیکل لیبارٹریوں' حتیٰ کہ قومی اور پرائیویٹ پاکستانی بنکوں کے اندر بھی ہندو۔۔ سکھوں۔۔ بنگلہ دیشی اور سری لنکا کے تارکین وطن کی فخریہ بھرتی ہے۔۔ پاکستانیوں کو اپنے بھی شاذو نادر ہی جاب دیتے ہیں۔۔ جاب مل بھی جائے تو حیلے بہانوں سے جلد بدیر فائر کرڈالتے ہیں۔

آفتاب کو اندازہ ہوگیا کہ پاکستان کیمونٹی سے کسی قسم کی امداد اور اعانت کی امید لایعنی ہے۔ دنیا بھر سے آئے ہوئے تارکین وطن اپنی اپنی کیمونٹی کے لئے سردھڑ کی بازی لگا دینے میں بھی چوکتے نہیں۔۔ کوئی ان میں بھوکا ننگا نہیں ہوتا' مگر مسلم خصوصاً پاکستانی ہر نئے وارد ہونے والے ہم وطن کا اس وقت تک بیری ہوتا ہے۔۔ جب تک وہ اپنا سر پھوڑ نہ ڈالے یا عاجز آکر واپس وطن لوٹ نہ جائے۔۔ یا پھر رات دن مشقت کی چکی میں پس کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہوتے ہوئے ان کے سٹیٹس کے قریب پہنچ نہ جائے۔۔ تب بھی اسے جینے کہاں دیتے ہیں۔۔ حسد و رشک کے معرکے شروع ہوجاتے ہیں۔۔ بلاوجہ ایک دوسرے کی مذمت فیشن میں شامل ہے۔۔ منافقانہ

روپیے کی وبا عام ہے' جب آفتاب بھٹی کا دوسرا اور آخری جوتوں کا جوڑا گھس پٹ گیا اور اس کا مقصد نوبت کو نہ پہنچ پایا— یعنی کسی بھی ڈیسنٹ جاب کی پہلی سیڑھی پر قدم رنجہ ہونے کا راز اور وسائل— تب کچھ عرصہ تازہ دم ہونے کی خاطر وہ میوزک سنٹروں کے چکر میں پڑگیا— جو کماتا آڈیو اور وڈیو کیسٹ پر خرچ کرڈالتا— زیادہ تر رینٹل سے کام چلا لیتا—

ایک روز اس کے ذہن میں خیال آیا کہ اس واس کی چاکری سے بہتر ہے کہ وہ حلال میٹ شاپ پر نوکر ہوجائے— حلال میٹ کے کاٹنے' تولنے اور فروخت کرنے میں کم از کم اس کا ضمیر تو مطمئن رہے گا۔ تب اس نے نیویارک کے ہر علاقہ میں واقع حلال میٹ شاپس کھنگال ڈالیں— بہتوں نے جھوٹ اور دوچار نے اسے سچ معلومات مہیا کردیں— یہ کہ جو گوشت وہ کاٹتے اور فروخت کرتے ہیں' ان کو خود بھی یہ خبر نہیں کہ واقعی یہ حلال ہے یا جھٹکا— یہاں تو کوئی مائی کا لال ایک چکن حلال ذبح کرنے کا مجاز نہیں ہے— بوچڑی کے سٹیٹ قوانین اس حد تک سنگین ہیں کہ مرغی کا ایک پر آپ گھر پر یا دکان پر نوچ نہیں سکتے— پھر پیچھے فارموں اور ذبح خانوں پر ہزاروں کے حساب سے مرغیاں— دوسرے پرندے— اور سینکڑوں کے تعداد بکرے' بکریاں— بھیڑیں اور بھینسیں— گائے اور دوسرے جانور ذبح مشینوں سے پے درپے گزارے جاتے ہیں— یہ کام کالے اور گورے امریکی یا دوسری نسلوں کے عیسائی اور یہودی سرانجام دیتے ہیں۔ مسلم تارکین وطن کو اس نوع کے جاب کے لئے بالکل ہائر نہیں کیا جاتا— پھر کلمہ پڑھنے والا ادھر کون ہوتا ہے؟؟؟

اس کے بعد درمیان میں ایک طویل وقفہ ایسا بھی تھا' جب وہ تن تنہا— مایوس اور افسردہ رہنے لگا— اس کو اپنا تئیں آپ بے معنی— احمق اور ٹوٹل زیاں لگتا— اتفاقاً" ان ہی دنوں ایک ایسا شخص بھی گوہپ کے ریسٹورنٹ میں روٹی ٹکر کھانے لگا' جو اصولاً گوہپ کی بجائے ہر مرتبہ آفتاب کے سر پر کھڑا ہوکر اتنا مزیدار پکوان تلنے پر اس کا شکریہ ادا کرنا نہ بھولتا— گو اس کے اس رویہ سے آفتاب کو بجائے مسرت الٹا

خفت اٹھانا پڑتی۔۔ ایک تو باس کی حق تلفی کا احساس۔۔۔ دوسرے اس کی اپنی معروف پوزیشن۔۔۔ جب دسویں انگلیاں گوندھے میدے اور دہی مصالحہ کے ملیدہ میں ڈوبی اور سر تقریباً کڑاہی میں ہو تو دوسروں کے توصیفی اور تفکرانہ جملوں کا جواب کن الفاظ میں دیا جاسکتا ہے۔

ایک روز جیکسن ہائٹس کے سب وے پر اسی شخص کا آفتاب سے آمنا سامنا ہوگیا تو علیک سلیک کے بعد آفتاب پر روشن ہوا۔۔ کہ وہ لاہور کا رہنے والا آفتاب کی مانند ناکام وکیل رہا تھا۔ اب بفضل خدا ادھر جیکسن ہائٹس چوہترویں گلی کی ایک نکڑ پر کئی منزلہ بلڈنگ کے اندر اپنا اس کا ایک آفس ہے۔۔ جہاں پر وہ کامیاب پرائیویٹ پریکٹس کررہا ہے۔۔ آفتاب ششدر رہ گیا۔۔ ایک ناکام پاکستانی وکیل نیویارک میں پریکٹس کررہا تھا۔۔۔!

آفتاب کو یہ شخص جس کا نام قدیر بٹ تھا' بالکل سیدھا سادا ملنسار اور ہمدرد دکھائی پڑا۔۔ آفتاب کے من میں امید کی ایک ننھی سی مگر نئی نویلی کرن پھوٹنے لگی۔۔ اگلے ہی آف ڈے پر وہ اس کے آفس جا پہنچا۔ یہاں کے معیار کے مطابق قدیر بٹ کا آفس تو نہ تھا مگر دو کمروں پر مشتمل معمولی فرنیچر اور پرانے سٹائل کی ڈیکوریشن سے لیس تھا۔۔ آفتاب جب اندر داخل ہوا تو قدرتی طور پر اسے ہلکا سا دھچکا محسوس ہوا۔ وہ آفتاب کا ہم پیشہ اور ہم عمر تھا۔۔ یہاں آکر اس نے ایک "چیلنج" امتحان پاس کیا' اور کچھ ہی عرصہ بعد نیویارک سٹیٹ اٹارنی سرٹیفکیٹ بھی پاس کرلیا۔۔ لہٰذا پریکٹس کے بل بوتے اب لاکھوں میں کھیل رہا تھا۔۔ ایک وہ ہے کہ وکالت پاس کرکے امریکہ وہ محض اس لئے آیا تھا کہ ایک مہاشے کا کڑاھا جھونکے۔۔ اچانک اسے اپنا تئیں آپ بے حد شرمناک محسوس ہوا۔۔ ایک جھرجھری لے کر وہ قدیر کی بڑی آفس ٹیبل کے سامنے والی کرسی پر ٹک گیا۔ قدیر کو جب اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ آفتاب کبھی ایڈووکیٹ ہوا کرتا تھا۔ تو اس نے کسی حیرت کا رتی برابر اظہار نہ کیا۔۔ اس لئے کہ اپنی پریکٹس کے پچھلے چند سالوں کے دوران جیکسن ہائٹس

کے علاوہ یہاں-- وہاں-- ہر تھاں اس نے ہم وطنوں کا اس سے بھی برا حشر دیکھا تھا--

بہرحال آفتاب کے لئے یہ ایک سنہرا چانس تھا-- غیر متوقع طور پر وہ محض جب اس بات پر آمادہ ہوگیا کہ آفتاب اگر مہاشے حلوائی کی ہٹی سے چھٹی کرلے اور بطور ڈسک کلرک قدیر کے آفس میں کام کرے تو وہ اس کو بلامعاوضہ ورک پرمٹ کے لئے فائل کردے گا-- البتہ شرط یہ تھی-- کہ فی الحال "بوجوہ" آفتاب وہی تنخواہ حاصل کرلے گا' جو اسے مہاشے داس کے ہاں سے مل رہی تھی-- یعنی ایک سو ڈالرز نقد ہفتہ وار-- انڈر دی ٹیبل-- اور چھٹی بروز اتوار--- بروز ہفتہ وہ ان ڈور پیر ورک ختم کیا کرے گا۔

آفتاب نے ذرہ برابر اعتراض نہ کیا۔ اسے تو کام کے لئے کرسی اور ہاتھ میں قلم درکار تھا' جو اس کا مقدور ہونا چاہئے تھا۔

خیر اٹارنی قدیر بٹ نے جو وعدہ کیا-- نبھایا-- چند ماہ کے اندر اس کو جاب پرمٹ دلوادیا-- اور اس کے کاغذات کے معاملات بھی درست کروائے۔

آفتاب اپنے محسن کا بے دام غلام بن گیا-- اب اس کے آفس میں وہی کلرک تھا-- سٹینو تھا-- ریسپشنسٹ تھا-- فون پرسن اور کلینر-- قدیر نے بھی اس کی تنخواہ میں چنداں اضافہ کردیا۔ اس قدر کہ بیچارے نے سنگل بیڈ کا ننھا سا ایک سٹوڈیو اپارٹمنٹ کرایہ پر لے لیا۔ "گیراج سیل" سے پرانا فرنیچر-- ایک عدد پرانی کھٹارا ہنڈا گاڑی پانچ سات سو ڈالرز کے عوض نیلام سے اٹھا لایا-- البتہ انیس انچ کلر ٹی وی برانڈ نیا نکور۔ اس نے بڑے طمطراق کے ساتھ "بلاک ۔سٹرز" سٹور سے خریدا-- قدم زمین پر نہ پڑتے تھے-- کئی روز اس نشے میں رہا جیسے پورا نیویارک نہ سہی-- پورا جیکسن ہائٹس اس نے فتح کرلیا ہو--

آفتاب نے امریکہ آکر جس طرح ذلت کے دن دیکھے تھے-- اب وہ موقع کو ہاتھ سے کھونا نہ چاہتا تھا-- قدیر کا ہائر کیا ہوا دوسرا کلرک کاہل اور غبی تھا-- آفتاب

اپنے محسن کی خوشنودی کی خاطر اس کا چھوڑا ہوا تمام کام بلا حیل و حجت مکمل کرکے ہی گھر کو سدھارتا۔۔ اس کی یہ محنت کچھ اس طرح رنگ لائی کہ سال بھر کے اندر قدیر کی وکالت کے تمام ڈھکے چھپے رازوں کے پرتو اور اس کے کمالات کی ٹیکنیک آفتاب کے ذہنی پردوں پر عیاں ہو گئی۔ وہ ششدر رہ گیا۔۔ اتنا ہنر سیکھ جانے کے بعد کون سالا کسی کی غلامی کرتا ہے۔۔۔! لہٰذا اب آفتاب کے رویہ میں ایک عجب گہری، گھنی اور ست رو تبدیلی رونما ہوئی۔۔ کبھی کبھی بیچارے قدیر کو وہ کھویا کھویا مگر پراسرار بلکہ خطرناک دکھائی پڑتا۔۔ پھر وہ کندھے جھٹک کر سوچتا کہ شاید اس کی غلط فہمی ہوگی۔۔ ورنہ جس شخص پر کوئی اس قدر احسانات کرے۔۔ وہ بھلا کیونکر نمک حرامی کرسکتا ہے۔۔ اور وہ بھی اپنا ہم وطن۔۔ ہم مذہب بھائی بند۔۔ جسے کل کلاں وہ ابلتے کڑاھے سے اٹھالایا تھا۔

کچھ عرصہ اور بیت گیا۔ موسم بدلے۔۔ نئی رت آئی۔۔ اس عرصہ میں آفتاب نے چپکے چپکے نہایت رازداری کے ساتھ آف ڈے پر لائبریری میں بیٹھ کر مطالعہ شروع کردیا۔۔ اور امریکہ کے چیلنج امتحان کے بعد سٹیٹ لائسنس بھی پاس کرلیا۔۔ قدیر کے فرشتوں پر اس وقت انکشاف ہوا جب آفتاب نے اپنا خالص، اپنا ذاتی آفس ہائر کرنے کی خوشی میں اس کی خدمت میں "شامیانہ" کی مٹھائی کا پانچ پونڈ والا گفٹ باکس پیش کیا۔۔ قدیر بھونچکا رہ گیا۔۔ اس موقع پر اس کو معلوم نہیں کیوں گوہپ داس کی راڑ مچائی اور دہائی کا منظر یاد آگیا، جس روز آفتاب اس کے حلوائی خانے کو بلا نوٹس دھچکا دیئے قدیر کے ہمراہ چلا آیا تھا۔۔۔ اور آج جبکہ قدیر کے تمام کاروباری معاملات اور راز آفتاب کے کندھوں پر دھرے تھے۔ وہ اس طرح اچانک بالکل غیر رسمی طور پر اسے خیرباد کہہ رہا تھا۔ آفتاب کا جواب تھا۔

"قدیر صاحب! یہ ایک مادی مگر حقوق انسانی کا پاسدار ملک ہے۔ آسان ترقی کی منازل طے کرنا اور ایزی منی حاصل کرنے کے جو گر ہیں میں نے آپ سے سیکھے ہیں۔ زندگی بھر آپ کی غلامی کی نظر کرنے سے رہا اب۔۔۔ میرا بھی یہ حق ٹھہرا۔۔

کہ آزادی کا سانس لے کر اپنی مرضی سے کام کروں' اور اپنی محنت کا ثمر تمام تر اپنی جھولی میں ڈالوں۔۔"

چنانچہ اٹارنی آفتاب بھٹی کی پریکٹس دن دوگنی' رات چوگنی ترقی کرنے لگی۔۔ نئے تارکین وطن اس کی قسمت پر رشک کرتے پائے گئے۔۔ معلوم نہیں اس کے پاس کوئی جادو تھا یا "گیدڑ سنگھی" کہ ہر وارد ہونے والا پاکستانی سیدھا اسی کے آفس کا در کھٹکھٹاتا دیکھا جانے لگا۔ بعض اوقات اکیلا۔۔ دوست و احباب یا اپنے کنبہ بھر کی سنگت میں۔۔ مگر آندھی کے کوا کی مانند ہرایک نروس۔۔ سہما۔۔ کچھ فکر مند سا اس کے آفس کے اندر داخل ہوتا اور چوروں کی مانند چپکے سے لوٹ جاتا۔۔ جاتے ہوئے خاموشی کے ساتھ اپنے تمام کاغذات اور پاسپورٹ وغیرہ اس کے حوالے کرجاتا۔۔ دو تین ماہ کے بعد جب اس کی تشریف آوری کا وقت آتا تب اپنے کاغذات کی فائل سمیٹے خوش و خرم اڑتے ہوئے اس کے دروازہ سے باہر نکلتے دکھائی پڑتا۔۔

یہ سارا پاکھنڈ ناقابل فہم۔۔ دبیز اور ڈھکا چھپا تھا۔ اس کے پرتو کبھی وا نہ ہوتے۔۔۔ اگر ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں بم کا واقعہ امریکہ کو پیش نہ آتا۔۔۔ یہ بات ہرگز نہیں کہ آفتاب بھٹی اس واقعہ میں خدانخواستہ ملوث رہا ہوگا۔۔۔ ہرگز نہیں۔۔۔ آفتاب بھٹی جیسے تعلیم یافتہ۔۔ بے ضرر اور مقدور کے مارے محنتی بندے کو ایسی متشددانہ کارروائیوں سے دور کا واسطہ نہیں ہوسکتا۔ اس جیسا کمزور دل انسان ایک چڑیا کو مارنے کے ناقابل تھا۔۔۔

ہوا یہ کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں بم کے دھماکہ کے واقعہ کے بعد اٹارنی آفتاب بھٹی اور اس جیسے دوسروں کا کاروبار نہ صرف اچانک مندا پڑگیا۔۔۔ بلکہ روزانہ کوئی نصف درجن پاکستانی اس کے دفتر کے باہر ہرزہ سرائی کرتے اور دہائی مچاتے نظر آنے لگے۔۔۔ اس کا حل آفتاب کے پاس یہی رہ گیا کہ ہر ایسے کلائنٹ (موکل) کو اس سے وصول شدہ مبلغ پانچ سو ڈالرز کیش فیس فی کس لوٹادی جائے۔ اس سخاوت نے آفتاب کو جلد ہی دیوالیہ کردیا۔۔۔

اصل تفصیل کچھ یوں ہے کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں بم کے دھماکے نے آفتاب۔ قدیر جیسے نام نہاد اٹارنیوں کی غیر قانونی پریکٹس کا فل بلاسٹ کرکے رکھ دیا۔ ہوا یہ کہ جن اولیں چار اشخاص پر بم کے دھماکہ کا الزام لگایا گیا۔ وہ پولیٹیکل اسائلم کے حصول کے ذریعہ امریکہ میں مقیم تھے۔ اور یہ بھی کہ وہ چاروں مسلم ہیں۔ اس ناطے سے امیگریشن ڈیپارٹمنٹ نے کسی بھی ایسے شخص کو جس کا تعلق اسلام سے ہے۔ پولیٹیکل اسائلم گرانٹ کرنے سے پیشتر اس کے تمام تر کاغذات کی بے طرح چھان بین کرنا شروع کردی۔ پس یہیں سے آفتاب بھٹی۔ قدیر یٹ اور اس نوع کے دوسروں کی پریکٹس کی بساط الٹ کر رہ گئی۔ کیونکہ اس پریکٹس کا تمام تر دارومدار پولیٹیکل اسائلم کے پردے میں جاب پرمٹ دلوانے کے جھانسہ پر مبنی تھا۔ اور اب امیگریشن ڈیپارٹمنٹ کی نئی کڑی سختیوں کے نتیجہ میں نہ صرف ان سب کی درخواستیں دھڑا دھڑ مسترد ہونے لگیں' بلکہ ان دونوں سمیت ایسے گرگوں کے کلائنٹ وطن واپسی کے لئے ڈی پورٹ کئے جانے لگے۔

آج کل اٹارنی آفتاب بھٹی اور اٹارنی قدیر کے الگ الگ آفس پر تالے پڑے ہیں۔ دونوں کے لائسنس ضبط اور آفس سیل ہو چکے ہیں۔ آگے ان کی اپنی قست کا فیصلہ اب امیگریشن ڈیپارٹمنٹ کرے گا۔ پر میرے خیال میں یہ فیصلہ اس کے ہاتھ ہے۔ جو جیکسن ہائٹس سے بے حد اونچی بلندی پر رہتا ہے۔ اور ہر ایک کے لئے انصاف کرتا ہے۔

اک بنگلہ بنے نیارا

ایک بنگلہ بنے نیارا

ایک بنگلہ بنے نیارا
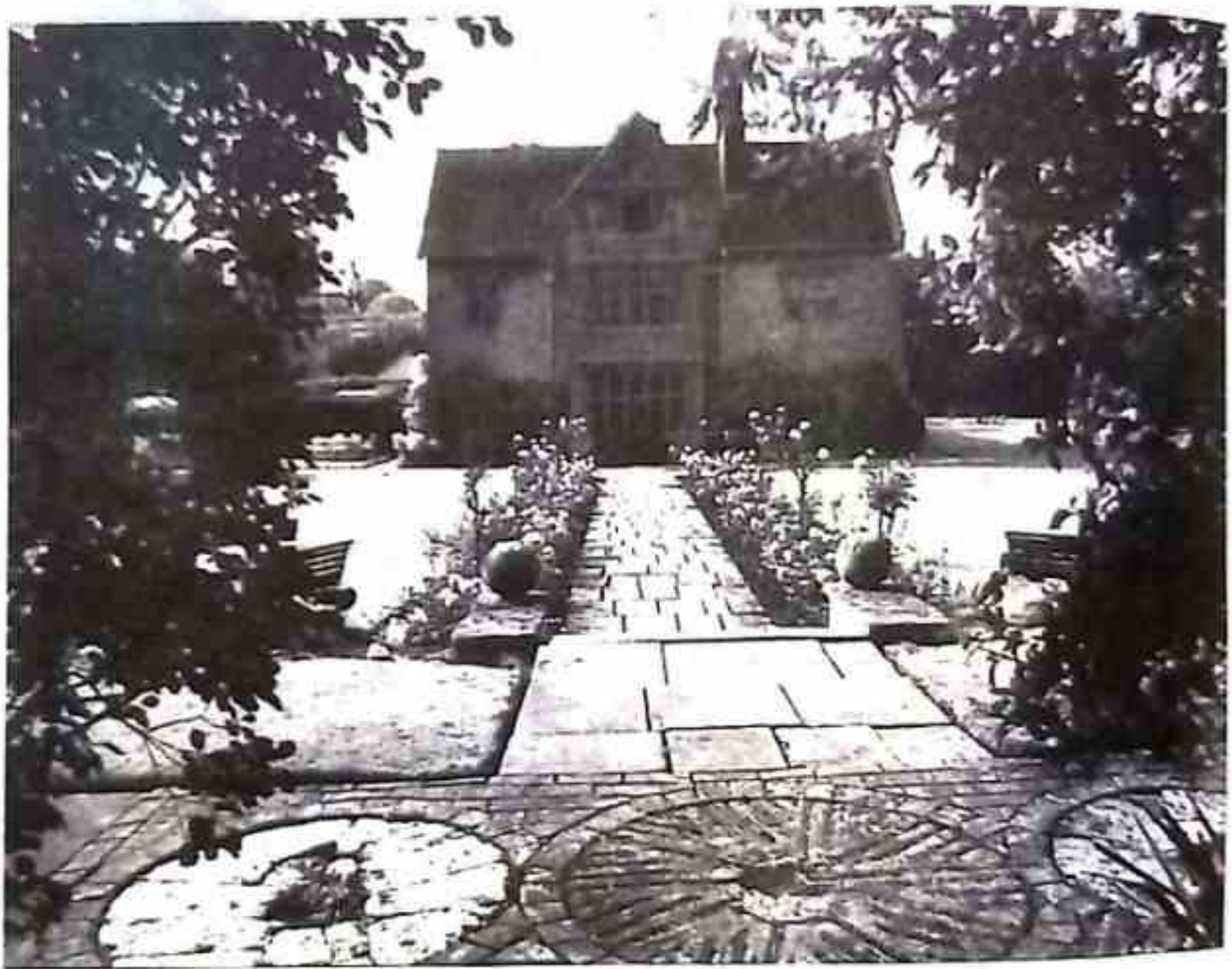
ایک بنگلہ بنے نیارا

ایک بنگلہ بنے نیارا

اک بنگلہ بنے نیارا

قدموں میں بھی تھکان تھی گھر بھی قریب تھا
پر کیا کریں کہ اب کے سفر ہی عجیب تھا
(پروین شاکر)

تین برس ادھر کا ذکر ہے۔ نیویارک میں وہ طویل موسم سرما کے آخری ایام کی صبح کاذب تھی۔ جب چوہدری فیض اللہ بمع اپنے تیرہ ممبران خاندان بذریعہ پی آئی اے کینیڈی ایئرپورٹ پر جلوہ گر ہوئے۔ گرد و پیش کی افراتفری اور محویت کے پیش نظر اپنی جاہل بیوی اور نیم جاہل بہوؤں کے چہروں پر چھائے حماقت بھرے نکتہ چیں تاثرات اور سیانے بچوں کے آداب محفل سے عاری ہنسی کے فواروں پر مسلسل کشیدہ خاطر تھے۔ بلکہ امریکی ایئرپورٹ کے قدم قدم روک ٹوک کے تقاضوں پر بارہا پشیماں اور نروس ہو کر اپنے خاندان کو بہ شکل زنجیر کھینچتے گھسیٹتے' مسافروں کے غول کو تتر بتر کرتے باسرعت آگے کو گھسے چلے جا رہے تھے۔ "کیو" کی اس خلاف ورزی پر اطراف و اکناف سے ناپسندیدہ نظریں ان کے تعاقب میں تھیں۔

اس سارے قضیہ سے نمٹنے کے بعد خدا خدا کر کے یہ کنبہ جب امریکہ میں مقیم اپنے دیرینہ رشتہ داروں کے حصار میں محفوظ و مامون اپنے کرایہ کے (پہلے سے تیار شدہ) اپارٹمنٹ تک رسائی کے لئے سرخ ہائے رائیز بلڈنگ کے ایکیلیٹر کے اندر داخل ہوا تب رشتہ داروں' عزیزوں کی زبانی ان کو معلوم ہوا کہ نیویارک کے کوئینز کاؤنٹی کا یہ خاص علاقہ فلشنگ کہلاتا ہے۔

نامعلوم طولانی سفر کی تکان یا امریکہ کی سرزمین پر قدم بوس ہونے کی سالہا سال کاوشوں اور قانونی چارہ جوئی نے جیسے دھیمے دھیمے اسے نڈھال کر رکھا تھا۔ اوپر سے مہمانداری کے مرغن پکوان کی سنگت رشتہ داروں کی اپنی اپنی ذات کے بارے میں امریکی ڈھینگیں اور امریکہ کے بارے میں ملے جلے تفریحی و توصیفی کلمات کی بھرمار یا پھر اس بھگمٹا میں اپارٹمنٹ کی بے مائیگی اور تنگی کا احساس کہ وہ یکلخت اندر ہی اندر بھبک اٹھے۔ ایسا لگا جیسے "کدھر آ گئے ہم!"

اکڑیانوالہ (پنجاب) میں اپنی ٹھنڈی پرسکون حویلی کی کشادگی اور لہلہاتے کھیتوں کی گیلی سوندھی ہواؤں کو ذہن کے تاروں کی چھیڑ چھاڑ سے منع کرنے کی تگ و دو میں وہ تین راتیں اور تین دن لمبی تان پڑے سوتے رہے۔ عزیز و اقارب ٹوہ لینے کی خاطر گاہے بگاہے وارد ہوتے اور گھر والوں کی تسلی و تشفی کر جاتے کہ چوہدری صاحب کے اوپر محض یہ جیٹ لاگ کا نشہ ہے جس کا توڑ بس لمبی گہری نیند ہے۔

خیر جیٹ لاگ کی نیند کاٹنے کے بعد ان کے حوش و حواس بجا ہوئے تو اگلا مرحلہ تھا ان کا امریکی کاروبار دکھانے اور سمجھانے کا' بظاہر روشنیوں کے عکس میں نہائی نکھری چہچہاتے فلشنگ کی وہ بھیگی بھیگی دودھیا شام تھی۔ جب چوہدری فیض بمع اپنے بے ہنگم پریوار فلشنگ کے کوچہ و بازار کی سیر کو روانہ ہوئے۔ تاکہ اپنے سٹور کی رسم رونمائی کا مبارک شگون کل سے آج ادا ہو جائے۔

بھانت بھانت کشیدہ کار گل بوٹوں والے لباسوں اور سونے چاندی کے گہنے پاتوں سے لدی پھندی ان کی جھکی جھکی خواتین اس نئے صد رنگے ماحول اور آس پاس سے تیزی کے ساتھ گزرتی مختصر کپڑوں میں ملبوس نمائشی چھچھوریوں سے اس حد تک جداگانہ دکھائی دے رہی تھیں کہ ارگرد مختلف النسل پیارے ان سیدھی سادی' بھولی بھالی حوا کی بیٹیوں کی جانب پل پل ٹیڑھی ترچھی آنکھ سے دیکھ پلک جھپک لیتے' اس صبر آزما منظر نے چوہدری کے ذہن پر تکدر اور جھلاہٹ کی کیفیت طاری کر دی۔ وہ اپنے تئیں آپ ناآموز' دقیانوس اور نادم محسوس کرنے لگے۔ اس کے مفاد پرست

رشتہ دار بھانپ گئے کہ اس نازک لمحہ چوہدری کی طبیعت کی اس بے کیفی کا موثر توڑ کیا ہو سکتا ہے۔ یعنی اس کے نئے سٹوروں کی جھلک بس ایک جھلک!

فلشنگ میں سٹریٹ کے ایک قدرے صاف ستھرے اور خوشنما کنج پر برابر برابر دھرے نئے نکور دو عدد سٹورز ایک انڈین و پاکستانی گروسری سٹور اور دوسرا بوتیک محل۔

یہ دونوں سٹورز چوہدری فیض کے پاکستانی سرمایہ کاری کے ذریعہ ان کی فرمائش پر رشتہ داروں نے پہلے ہی خرید کر دلہن کی طرح سجائے تھے۔ یہ کثیر سرمایہ چوہدری کو باپ اور دادا' پردادا کی جدی جائیداد کے فروخت سے حاصل ہوا تھا۔ اس سرمایہ کو وہ ایکسچینج کی صورت گاہے بگاہے امریکہ میں مقیم اپنے قریب ترین رشتہ داروں کے نام بھجواتے رہے۔ تاکہ ان کی آمد سے قبل کاروبار سمیت رہن سہن کا انتظام بھی کر دیا جائے۔

سٹورز تو امریکی تھے۔ پر ان کے اندر ہر شے دیسی۔ آٹا' دانا دنکا' مہندی' باسمتی چاول' دال دلیہ' انواع و اقسام مصالحہ جات و چورن' شربت' سویاں' پستہ' بادام' کشمش' خشخاش' کیوڑہ' سبز الائچی' وطن کے نام کی سبزیاں اور بدمزہ میکسیکن آم (جن کو انڈین آموں کا لیبل دے کر فروخت کیا جا سکتا تھا)۔

فرنٹ پر شوکیس میں بجی سجائی خالص دیسی گھی یعنی امریکن بٹر اور خالص دودھ سے تیار کردہ مٹھائیوں کے اشتہاء آمیز تھال اور عوامی مرغوب پکے پکائے پکوان۔

دوسری جانب طویل شیلف تھے۔ جو زیادہ تر انڈین آڈیو اور وڈیوز سے مزین الگ بہار دکھا رہے تھے۔

ادھر برابر میں دوسرا سٹور یعنی "بوتیک محل" کے اندر بڑے بڑے درجن بھر دائرہ نما ہینگروں کے بھاری ریک ترتیب وار دھرے تھے۔ ان پر جھولتے سینکڑوں دیسی لباس' بھانت بھانت گوٹے لچکے دار شلوار قمیض سوٹ' مرصع کاریاں' ہاتھ یا مشینی

کڑھائی کا میلہ، کشمیری شالیں اور دوشالے، انگرکھے، ساڑھیاں، دھوتیاں، کھے، کاسٹیوم جیولری، پلاسٹک اور کانچ کی چوڑیاں۔

چوہدری فیض کے رگ و پے میں اکڑیانوالہ سے لے کر برچک کوڑیانہ، گدووال بلکہ حسن ابدال اور واہ شہر تک پھیلے اپنے کاروبار (اب انجام کو پہنچ چکے تھے) کوندا بن کر چمکے۔ ان کے شہد بھرے امرود اور اعلیٰ نسل آموں کے باغات، گڑ کی بھٹیاں اور گڑ کی بھیلیاں، اینٹوں کے بھٹے پر کتھی گرد و غبار، غلے سے اٹے گودام، کڑھت کی کھڈیاں اور چو کھے دوپٹوں کے تھان، مختلف مقامات پر مکانوں اور دوکانوں کے سلسلے، ٹریکٹرز، ڈنگر بچھا، حالی موالی، سویرے سے اندھیرے تک ان کی بیٹھک پر ملاقاتیوں اور حاجت مندوں کا ہجوم، اس کے علاوہ حسن ابدال اور واہ میں پکی سرسوں کے کھیتوں کے ہرے اور پیلے سلسلے، اور ان کھیتوں کے اندر رہٹ اور ٹریکٹرز اور کولہو بیل اور بچھا اور ان کھیتوں پر بہتی شوڑیوں کی ہوائیں اور یہ دو نیم امریکی نیم پاکستانی بلکہ انڈین سٹورز؟ "میرے رازق مولا! میرے باپ دادا کا تمام اثاثہ اس کچرے کی بھینٹ چڑھ گیا!"

نیک طینت اور کھرے چوہدری فیض کے متصادم ذہن نے یہ آخری الفاظ زبردستی اس کی زبان سے اگلوا دیئے۔ زیرعتاب رشتہ دار ایک لحظہ کو بوکھلائے مگر فوراً سنبھل گئے۔ خلیق اور متواضع انداز میں انہوں نے انتہائی خوبصورتی کے ساتھ اپنا دفاع کرتے ہوئے چوہدری کو شیشے میں اتار لیا۔

اگلے دو چار روز ہی میں کام شروع ہو چکا تھا۔ گروسری سٹور پر بنفس نفیس چوہدری اور ہمراہ منجھلا بیٹا عادل "بوتیک محل" پر بڑا بیٹا ایاز اور سب سے چھوٹا بیٹا وقاص براجمان ہوئے۔

ہزار کوشش کے باوجود چوہدری فیض اکھڑا اکھڑا سا مشغول رہا۔ ان کی سات پیڑھیوں میں کہاں کسی نے اس نوع کے کاروبار کئے تھے۔ وہ ایک مالا مال انتظامی خاندان تھا اور بس! کہ کرنا دھرنا جن کا فقط چودھراہٹ تھی۔ دوکانیں اور کھیت چلانے

والے درجنوں ملازمین پشتوں سے ان کے نمک خوار تھے۔ کہاں یہ ہر آنے جانے والے کو سبزی ترکاری کے بھاؤ بتلانا' مصالحہ جات کی خالصی' ناخالصی کے قصے بیان کرتے کرتے منہ سوکھ جانا۔ فلم بینی کے شائقین کے روبرو لتا' کشور' رفیع' دلیپ کمار' راجکپور' نمی' نرگس' مینا کماری' مدھوبالا' کامنی کوشل اور دیو آنند کی تمام لائف ہسٹری ڈسکس کرنے کا اہل ہونا پڑتا۔ کجا مادھوری ڈکشٹ' سری دیوی' چاچا رشی کپور اور بھتیجی کرشما کپور' سلمان خان' عامر خان' جیکی شیروف' سنجے دت' جوہی چاولہ' محمود باؤلا وغیرہ کی تعریفوں کے پل باندھ کر رکھ دینا تاکہ وہ محض ایک یا دو ڈالر کے عوض فلاں فلاں وڈیو کیسٹ ضرور بالضرور گھر لے جائیں۔ رات بھر جاگ کر وڈیو بینی کریں۔ صبح جاب سے لیٹ ہونے کی وجہ سے "فائر" (نوکری سے چھٹی) کر دیئے جائیں بے شک۔

وہ ہر روز تڑکے فلشنگ کے کوچہ و بازار ناپتے اپنے سٹور تک پہنچتے۔ سٹور پر پڑا بھاری تالا کھولتے۔ دوکان کے اندر گرد و غبار جھاڑتے۔ مصالحہ جات' سبزی ترکاریاں الگ الگ لمبے چوڑے ریکوں کے اندر درست کرنے کے بعد ہاتھ میں امریکی بروم (جھاڑو) تھامتے کہ بیٹا عادل دروازے سے اندر تیز تیز قدم بڑھاتا دکھائی پڑتا۔ وہ آگے بڑھ کر ان سے جھاڑو چھین لیتا "ابا کم از کم یہ کام جیتے جی آپ کو کرنے نہ دوں گا"۔ وہ انتہائی انکساری اور لگن کے ساتھ دوکان کے اندر باہر جھاڑو لگاتا اور ٹریش کو گاربج ڈرم میں ڈالنے کے لئے بھاری بھرکم کالے گاربج بیگ دونوں ہاتھوں میں تھامے پچھواڑے کی جانب لپکتا۔

"یہ شوریدہ سر بے لگام ان جیسی سہانی صبحوں مانگا منڈی اپنے ننھیال کے کھیت کھلیانوں کے اردگرد گذرگاہوں پر شوقیہ تیز رفتار گھڑ سواری کیا کرتا تھا"۔ چوہدری تاسف کے ساتھ ہاتھ ملتا۔

"ارے مائی کے لالو! اب چارہ بھی کیا ہے۔ نچ کے بلی تو بلی ہی سہی!"۔ وہ سٹور کے شیشوں کے باہر بے دلی کے ساتھ نگاہ غلط انداز میں ڈالتا۔ جہاں اس کا قد آور حسین و جمیل نازوں پلا منجھلا بیٹا عادل ڈلیوری ٹرک سے سٹور کے لئے خریدا گیا

آج کا تازہ مال اتارنے میں مگن دکھائی پڑتا۔ گتے اور لکڑی کے بھاری بھرکم کارٹن، ٹھنڈی بیئر کے درجنوں ٹن پیک۔

"یہ کالا امریکی ڈلیوری مین، حرام خور آج پھر ایک پیٹی دودھ اور ایک پیٹی بیئر کی ڈنڈی مار بھاگا" فرش تا چھت وسیع و عریض یخ ٹھنڈے الماری نما فریزروں کے اندر مال جماتے ہوئے وہ پھولی سانسوں کے ساتھ باپ کو نوید سناتا۔

مین سٹریٹ فلشنگ دیس بدیسوں سے اٹا پڑا ہے۔ جمیکن، گریس، انڈونیشیا، تھائی لینڈرز، ملایا، پیرو، میکسیکن، سپین، کورین، فلپنی (فلپائن)، تائیوان، آئی لینڈرز اور چینی جاپانی عموماً" چینی نسلوں سے اٹا پڑا ہے۔ ا۔تھنک رسم و رواجی کھانے اور پہناوے کے علاوہ طرح طرح کے بزنس اور ریسٹورنٹ جا بجا جمے ہیں۔ سبزی ترکاریوں پھل فروٹ کے کھلے سٹال الگ بہار دکھا رہے ہیں۔ زو کینی، ہنی ڈیو، کینٹالوپ، ٹینگرین اور کنیکٹرین، ایواکاڈو، براکلی، اناس، مشروم، آسپیراگس سب تازہ بتازہ ان صاف ستھری قرینے سے بجی سبزی منڈیوں میں سیروں ٹنوں کے حساب دستیاب ہے۔ بیسوں بیکریاں ہیں۔ جگہ جگہ انڈین و پاکستانی اور دوسرے تارکین وطن کے ملبوسات کی بو تیک، ہلال میٹ شاپس، حلیم اور نہاری، انواع و اقسام مٹھائیاں، پوری اور حلوے۔

فٹ پاتھوں پر یہاں وہاں گلی سڑی مچھلی کی ڈھیریاں برائے فروخت، عاشق کے گھونسلے (Lover's Nest) جو کہ خاص قسم کا مرغوب سمندری فوڈ ہے۔ لو ۔سٹرز اور کر۔بز زندہ بڑے بڑے شو کیسوں کے پانی میں تیرتے دکھائی پڑتے ہیں۔ کوریا والوں نے کہیں کہیں دوکانوں کے باہر بڑے بڑے بوسیدہ ڈرم لگا رکھے ہیں۔ جن کے اندر گدلے پانی میں ایک ننھے پلے کے حجم کے برابر سیاہ اور براؤن مینڈک پھدکتے ہیں۔ گاہک رکتے اور بھاؤ کرتے ہیں۔ مینڈک کو ترازو میں تول کر زندہ سلامت پولیتھین کے شاپرز بیگ میں بند کر کے ان کے حوالہ کر کے دام کھرے کئے جاتے ہیں۔ موسم سرما میں مینڈکوں کا بھاؤ آسمان پر ہوتا ہے۔ ایک تو زیرزمین روپوش ہونے پر، دوسرے جاڑے کے ساتھ ساتھ مینڈک کے پکوان کھانے والوں کی اشتہا کچھ اس طرح زوروں پر ہوتی ہے جیسے ہمارے ہاں سری پائے کا

خاص سیزن ہوتا ہے۔ مینڈک کا سوپ فار ایسٹ کی پسندیدہ خوراک ہے۔

لگاتار بارش کے دنوں میں فلشنگ واقعی فلش ہوتا رہتا ہے۔ رش، کیچڑ، جگہ جگہ ابلتے گٹروں کا رکا بدبودار پانی، ٹریش، سپانوں اور اجاڑ پلاٹوں کے گرد و نواح کوڑے کرکٹ اور لنڑ کے انبار لگتا ہے جیسے ہر بدیسی اپنے دیس کی سیر کر رہا ہو۔ البتہ اچھے موسم کا منظر بدل جاتا ہے۔ خصوصاً" چھٹی اور ویک اینڈ پرتو بڑی گہما گہمی اور رونق رہتی ہے۔ اور اگر یہ دھوپیلی دوپہریں اور پہریں ہوں تو سونے پر سہاگہ، پبلک بسوں کی دو رویہ لحظہ بہ لحظہ آمدورفت، موقع بے موقع پرائیویٹ گاڑیوں کا بدحواس ہجوم، فضاؤں میں سی فوڈ، فاسٹ فوڈ اور بیکریوں کی تازہ بتازہ مہک، سب وے کا پل پل کا اژدہام اور زیر زمین ریلوں کی رفتار کا غراتا شور، فٹ پاتھیوں کا چوری شدہ اور شاپ لفٹنگ اشیاء کا کاروبار اور چور اچکوں، جیب کتروں کا گرم بازار، بھاگتی بھونڈے الارم بجاتی کاپس گاڑیوں کا موقع بے موقع دیدار، یہ ہے فلشنگ مین سٹریٹ کا مشہور بازار جو تارکین وطن میں یکساں ہر دلعزیز ہے۔

ایک روز مجھے بھی فلشنگ مین سٹریٹ کی ایک بجی سجائی دیسی بوتیک کے اندر جانے کا اتفاق ہوا تو فروخت کرنے والی نوجوان خاتون اس بوتیک کی کرتا دھرتا مجھے کچھ شناسا محسوس ہوئی۔ مخمصہ میں تھی کہ غالباً" میری غلط فہمی ہو۔

"مم! آپ کو یہاں پر ہر دیسی عورت جانی پہچانی پاکستانی دکھائی پڑتی ہے"۔ واپسی پر میرے بیٹے نے تمسخراً" کہا۔ "اور وہ جو ان محترمہ نے ماتھے پر ہندو عورتوں والی بندیا سجا رکھی تھی وہ کیا بوتیک کی پبلسٹی کا ماڈرن پاکستانی انداز ہے؟"

"ممکن ہے"۔ میں سنجیدگی سے بولی "کیونکہ ادھر اکثر ہندو، سکھوں کے ہاں ڈالر کی ریل پیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فلشنگ کی زیادہ تر خریداری ہندو عورتوں کو کرتے دیکھا گیا ہے۔ جن کو گاہک بنانے کی خاطر بعض پاکستانی سوداگر حضرات کیسے کیسے سوانگ نہیں رچاتے۔ مثلاً" پاکستانی سوداگر خواتین کو ہندو عورتوں کی مانند "گٹ اپ" میں دیکھا گیا ہے جیسے ٹی وی پر ان کی شوٹنگ ہونے والی ہو اور پاکستانی مرد سوداگر حضرات ان کی تو پوچھیں نہیں، ان کے گروسری سٹورز کا عملہ بالعموم تمام تر ہندو خصوصاً" گجراتی لڑکے لڑکیاں بھرتی

ہوں گے مقصد یہ ہے کہ ہندو اور سکھ گروسری خریدار اپنی محب الوطنی اور اپنائیت کے مارے ادھر ہی کھنچے چلے آئیں۔ کچھ ایسے پاکستانی سٹورز بھی ہیں جو بھجن اور کیرتن کو بیک گراؤنڈ میوزک کے طور پر پلے کر کے فخر محسوس کرتے ہیں۔ یہی حال پاکستانی ریسٹورنٹ کا بھی ہے' ہوس زر کے ان ہتھکنڈوں کو آزمانے والے مالکان بذات خود پس پردہ رہنا پسند کرتے ہیں۔ مبادا کہ ان کی مسلم پاکستانی اصلیت ظاہر ہونے پر ان کے متمول ہندو اور سکھ گاہک کنارا کشی اختیار نہ کر جائیں!!

چوہدری فیض کے کنبہ کی نیویارک آمد کے تقریباً" ایک سال کے بعد میری ملاقات بالکل اتفاقاً" لانگ آئی لینڈ ویسٹ بری مسجد میں صبح سویرے نماز عیدین کے وقفہ میں ہوئی تھی۔

پاکستان میں چوہدری صاحب کے قریباً" تمام خاندان سے میرا ناطہ ڈاکٹر و مریضاں کا رہ چکا تھا۔ یہ لوگ بڑے تپاک کے ساتھ مجھ سے ملے اور اسی روز یعنی عیدالفطر کے مبارک موقع پر بمعہ میرے اہل و عیال اپنے نئے نویلے گھر واقع سفک کاؤنٹی' عید ڈنر کے لئے مدعو کیا۔ یہ گھر باب لان ٹاؤن کی فارمنگ ڈیل روڈ پر واقع تھا۔ اس کشادہ آٹھ بیڈروم ہاؤس کی ابھی فیس لفٹنگ جاری تھی اور اس کو فرنیچر وغیرہ سے بھی مزین کرنا باقی تھا البتہ کچن اور کھانے کا کمرہ مہمانوں کی خاطر تواضع کے لئے عارضی سامان سے لیس تھا۔

نیویارک میں اتنا کشادہ' خوبصورت اور کسٹم میڈ ہاؤس تو کسی خالص امریکن "کائرو پریکٹک" ڈاکٹر (امریکی نیم حکیم) یا پھر پاکستانی یا انڈین پرانے ایم ڈی ڈاکٹر ہی کے نصیب میں لکھا ہو گا۔ چوہدری خاندان کے لڑکے ایف اے یا ایف ایس سی فیل اور بہوئیں پرائمری اور مڈل کے درمیان معلق تھیں (تعلیمی طور پر) وائٹ کالرز جاب کا سوال پیدا نہ ہوتا تھا اور محض ایک گروسری اور بوتیک سٹور کے بل بوتے ایسا شاندار ترقیاتی منصوبہ جب کہ ان لوگوں کو ادھر آئے صرف دو سال کا قلیل عرصہ بیتا تھا' دوسروں کی حیرت بے جا نہ تھی۔

ڈرائیو وے پر تین گاڑیاں اور ایک ڈلیوری ٹرک کھڑے تھے۔ سب کے سب برانڈ نیو، سرخ سیڈان سکارپیو گاڑی، جس کے اندر اینٹی لاک بریک سسٹم اور خودکار فوروہیل ڈسک بریک ہوا کرتی ہے۔ یہ گاڑی ان کے بڑے بیٹے ایاز کے استعمال میں تھی۔ چار دروازوں والی یہ ٹورنگ گاڑی ایکس آر فورٹی ون (X.R. 4 T I) کہلاتی ہے۔ دوسری مرکیورک رنگ کی دو دروازوں والی سپورٹس کوپے ٹربو چارج فور سلنڈر انجن گاڑی چھوٹی بہو نفیسہ بیگم کے قبضہ اختیار میں اور چھوٹا بیٹا وقاص اس کا تو پوچھیں مت، چھوٹے میاں سبحان اللہ، اس کے پاس نہایت فینسی کار تیس ایم اور ستالیس کیو بنام ان فنٹی کا لگژری سپورٹس کوپے ماڈل، جس کے اندر چھ ہزار ایم پی، دو سو اٹھتر ہارس پاور الیکٹرانک چار ویل کنٹرول، ساڑھے چار لٹر وی آٹھ انجن، چھ سات سیکنڈ میں ہوا سے باتیں کرنے والی اور کیا کہنے اس کی ون ٹچ آفتابی چھت، ریموٹ کنٹرول، ایئرکنڈیشن، پاور آئینے، پاور لاک، آڈیو سسٹم میں چار سپیکرز اور ایمپلی فائرز جیسی خوبیاں ہی خوبیاں۔

چھوٹے چوہدری ویر وقاص نے آنے سے قبل پاکستان میں اپنے نئے نکور کاواساکی موٹر سائیکل پر نئی نئی سواری کا آغاز کیا تھا۔ اور پھولا نہ سماتا تھا۔ اب جو یہ فل لوڈڈ سپورٹس کوپے اس کے ہتھے چڑھ گئی تو پارک ویز کی کشادگی اسے اکساتی کہ ویر وقاص دو چار ہی منٹوں میں حد رفتار سے نکل ہوا سے باتیں کرنے لگتا۔ تاحال دو مرتبہ سپیڈنگ ٹکٹ کا جرمانہ بھگتا چکا تھا۔

چوہدری صاحب کی تین بہوئیں اور سب کے ٹوٹل سات عدد کمسن بچے، ان کی اکلوتی بیٹی زرینہ اولاد میں سب سے بڑی اور پاکستان گکھڑ منڈی اپنے شوہر کے گھر شاد و آباد بڑی بھاگوں والی رہی۔ اس کے ہاں سات بچے ہوئے جن میں چھ بقید حیات تھے۔

چوہدری خاندان کا اکثر ہمارے ہاں تانتا رہنے لگا۔ گو سوچ و فکر کے علاوہ سڑکوں کے فاصلے بھی خاصے دوری کے حامل تھے۔ وہ سفک کاؤنٹی روٹ نمبر 110 پر اور ہم ناسو کاؤنٹی 107 پر بسیرا کرتے تھے۔ ایک لطیفہ یہ ہے کہ ان کی چھوٹی بہو رانی وہی خاتون ثابت ہوئیں جس کو فلشنگ کی ایک بوتیک پر کچھ عرصہ پہلے میں نے اپنے بیٹے کے ہمراہ شاپنگ کے

دوران دیکھا۔ وہی جس نے ہندو عورتوں کی مانند ماتھے پر بندیا سجا رکھی تھی۔ یہی "بو تیک محل" تھی یعنی میرا قیاس بالکل درست ثابت ہوا۔ جیسا کہ اس کا پہلے بھی ذکر کر چکی ہوں۔ نفیسہ کی شادی چوہدری فیض کے سب سے چھوٹے بیٹے وقاص کے ہمراہ ہماری امریکہ آمد کے بعد ظہور میں آئی تھی لہٰذا چوہدری کنبہ کی یہ لڑکی کبھی میری مریض نہ رہی تھی البتہ شادی سے پیشتر یہ لڑکی نفیسہ اپنی نوعمری کے زمانہ میں والدہ کے ہمراہ میرے کلینک پر پل بھر کو آئی تھی۔ اس شناسائی کا وہی مبہم سا ہیولہ میرے ذہن پر ٹھہر گیا ہو گا۔ بہرحال اس نے خجالت کے ساتھ واضح کیا کہ بو تیک کے اندر اسے دوکانداری اور محض پبلسٹی کی خاطر کبھی کبھی بندیا سجانا پڑتی ہے۔

پس بو تیک محل کی کرتا دھرتا اب بڑی اور چھوٹی بہوئیں تھیں۔ ایاز کی زوجہ الماس اور وقاص کی دلہن نفیسہ بانو بو تیک محل کے صدقے یہ دونوں خواتین ہر نئے دن زیادہ سے زیادہ سطوت پسند اور صحت مند ہوئی جا رہی تھیں۔

چوہدری فیض بدستور فلشنگ والے گروسری سٹور پر مصروف رہتے۔ مگر بطور نگران۔ اب ان کے آگے دو تین ہندو ملازم شفٹوں پر کام کرتے تھے۔ منجھلا بیٹا عادل ویسا ہی فرمانبردار اور محنتی، سٹور کے لئے سستا مال اکٹھا کرنے کی خاطر وہ دن کے اکثر حصہ میں اور رات گئے ایک سے دوسری اور دوسری سے تیسری کاؤنٹی پر ٹرک دوڑائے پھرتا، ان دنوں بڑے بیٹے ایاز اور چھوٹے بیٹے وقاص نے مل کر بروکلین کے ایک پرخطر علاقہ کیرل گارڈن کورٹ سٹریٹ پر ایک خاصی بڑی امریکن فوڈ ڈیلی بھی کھول لی تھی۔ جہاں پر عجیب النوع تازہ مگر نیم پکی پکائی خوراک، ڈیری اور ڈرنکس کی رات گئے تک فروخت جاری رہتی۔ اس کے علاوہ کیٹرنگ یعنی آس پاس کی بیشتر امریکی گھریلو پارٹیوں پر کھانے، پینے اور پلانے کے تمام بندوبست کا سہرا ان کی ڈیلی کے سر ہونے لگا۔

ادھر اندرخانہ چوہدری فیض کی بیگم ویسی کی ویسی سیدھی سادھی بے ریا اداس سی دیہاتی خاتون رہی۔ اس کے چہرہ سے ہر دم یہی دکھائی دیتا کہ تذبذب و تشکیک کا مرقع اس کا یہ رویہ بالکل فطرتی تھا۔ اور آلائشوں سے مبرا ماضی کی یاد کی کلبلاہٹ کا عکس تھا۔ ایک

مرتبہ مجھ سے دھیمی زبان میں یوں گویا ہوئی۔

"بیٹی! یہ ظاہری چمک دمک تو مجھے ایک دھسان کے سوا اور کچھ نہیں دکھتا' ایسا نہ ہو کہ امریکہ ایک روز ہمیں اتنا مہنگا پڑ جائے کہ سب کی آنتیں گلے کو آ جائیں"۔

"توبہ..... توبہ..... اماں کیسے برے کلمات منہ سے نکالتی ہو"۔ اس موقع پر منجھلی بہو دلشاد جس کا جاب اب گرہستی کے ساتھ سب کے بچوں کی دیکھ بھال' اس کے علاوہ فارغ اوقات میں گھریلو وی سی آر پر نت نئی انڈین فلم بنی تھا۔ وہ اماں کو ٹوک دیتی۔

"دیکھئے نا ڈاکٹرنی صاحبہ!" دلشاد اپنے پرانے انداز میں مجھ سے مخاطب ہوتی۔ "اس کرجگ میں جدھر اب سب..... پھر اموں کو یوں باتیں گھڑنے سے کیا غرض' اس امریکی حویلی کے اندر ہر عیش و آرام میسر ہونے کے باوجود اس کو ہردم اپنی تسلی کی پیڑھی کی یاد ستاتی ہے شاید"۔

"تو چپ رہ کلیجہ کھائی....." ساس اور بہو کے جھگڑے کا الارم بجنے لگتا۔ "تیرا خصم عادل" وہ بھناتے لہجہ میں بہو دلشاد سے مخاطب رہتیں۔ "اس نے بڑی ترقی کر لی نا امریکہ میں آن کر کے ہاں جب ہی اپنی ہٹی (دوکان) کے باہر پوسٹر لگا رکھے ہیں۔ اوپر اردو میں لکھا ہے "یہاں پر تازہ حلال گوشت دستیاب ہے اور نیچے وہ موئی جھل پیری انگریزی میں کہ یہاں پر ٹھنڈی یخ بیئر بھی دستیاب ہے"۔

بہو رانی لاجواب سی اپنی ادھوری انڈین فلم میں دوبارہ مگن ہو گئی' جس کے اندر شری دیوی ٹھمکا ڈالے بھونچال مچاتی ہر لحہ یتورا کر گر جانے پر آمادہ نظر آ رہی ہوتی۔

ایک روز چودھری فیض نے مجھے فون پر اطلاع دی "بیٹی! تمہاری ہمسایہ گیری میں سنتے ہیں کہ بڑے شاندار شاپنگ پلازے اور سٹور ہیں۔ بڑے اونچے شاپنگ مال بھی ہیں۔ وقاص اور ایاز بمعہ اپنی بیگمات اس ویک اینڈ تمہارے پاس ہکس ول آئیں گے۔

سنو بیٹی! اتنے بڑے گھر کو آخر کار کسی نہ کسی تک ہم نے پرتو کرنا ہے۔ کرسی' میز' پیڑی' پلنگ' بھانڈے ٹینڈے' نکا شکا' بیٹی تم یوں کرنا کہ ان کے ہمراہ ذری چلی جانا اور ان کو تھوڑی مت بھی دے دینا۔ جو شے دیکھ لیتے ہیں کھڑے کھڑے کسی بھی قیمت پر خرید لینے

کے لئے ڈھل ڈھل جاتے ہیں"۔

"میں ان کو کیا مت دے سکتی ہوں۔ چودھری چاچا' آپ کے بچے تو ازخود ماشاء اللہ بڑے ہی "بومرز" ہیں۔ البتہ آپ کی تسلی کی خاطر ہمراہ ضرور چل دوں گی"۔

اب ہوا یہ کہ ہر ویک اینڈ پر دونوں جوڑے ایاز و الماس اور وقاص و نفیسہ بہ نفس نفیس بلکہ بعض اوقات اماں اور دلشاد بمعہ بچوں کی پلٹن سویرے سویرے ہمارے ہاں آدھمکتے اور اس طرح ہمارا قافلہ ان کے سامان کی طویل لسٹ بحفاظت تھامے ان سٹوروں کی راہ لیتا جہاں پر وہ ڈسکاؤنٹ سٹور کارڈوں کے علاوہ بونس کلب ممبران بھی بن چکے تھے۔

یہاں پر بونس کلب کا عجب گنجتہ بازوں والا گھپلا ہے۔ ہر بونس کلب ممبر کی قوت خریداری جب کم از کم دو سو ڈالرز سے آگے نکل جاتی ہے تو اس کو سٹور کی جانب سے ایک عدد بونس سرٹیفکیٹ حاصل ہوجاتا ہے جس کے اندر ایک فیصد چھوٹ کی نوید ہوتی ہے۔ اس ایک فیصد چھوٹ میں اس قدر چارم ہوتا ہے کہ لوگ دھڑلے سے مزید دو سو کی شاپنگ کرڈالتے ہیں تاکہ اب کے دوبارہ ایک فیصد چھوٹ ملے گی۔ اور یوں کئی عادی شاپرز کے ساتھ یہ بیماری ایک سرکل کی صورت اختیار کرجاتی ہے۔ لہٰذا بزنس مین کے نعرہ "جتنا خریدوگے اتنا ہی زیادہ بونس ملے گا۔ کی نقیب بلند ہوئے چلی جاتی ہے' اور لوگوں کی جیبیں خالی مگر کریڈٹ کارڈ بھرتے چلے جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ بھوکے کے ہاتھ پیالہ لگا۔ وہ پانی پی پی پھولا۔

پناہ رب! ان کو نہایت ندیدے پن سے شاپنگ کرتے پایا۔ میں دخل در معقولات کی پوزیشن میں نہ تھی کیونکہ وہ تو اپنی اماں کی روک ٹوک کو موقع بے موقع مداخلت گردانتے ہوئے اور کچھ ہی ہفتوں میں اس کی حکایتوں و شکایتوں اور ہردم حلق کی دربان بن کر جاں پر معلق رہنے کے شاکی ہورہے تھے۔ لہٰذا ماں کے سرپر ڈیوٹی تھوپ دی گئی کہ وہ نئے مال و اسباب کے خالی خولی کارٹن اور ان کے اندر تہ دی گی تکھری تکھری فوم اور رنگ دار کاغذوں کی پیکنگ کو قرینے کے ساتھ تہ کرکے گودام کے اندر محفوظ کرتی جائے۔ شاید کل کلاں کو کام آجائے یہ ٹریش۔ بھولی اماں اسی کام پر جت گئی۔

مجھے حیرانگی اس بات پر ہوتی کہ پسند بھی آخرکار ان کی۔ شاہ خرچی اور اوچھے پن میں ہر خریدار سے دو ہاتھ آگے۔ پھر مجھے خواہ مخواہ ہر مرتبہ ہمراہ گیسٹ لانے کی تک؟

بس میرا ایک ویک اینڈ ہی تو تھا' جو میں اپنے بچوں کی سنگت گزارنے کا ہفتہ انتظار کیا کرتی تھی' اور پھر چھٹی کے روز پر رکے ٹھہرے تمام گھریلو کام کاج دھرے رہ جاتے۔ ہر دم مصروف رہنے والے میرے اپنے بچے بن بلائے ان مہمانوں کی بے وقت آمد آمد سے اوبھ چکے تھے۔ مگر میرا مسئلہ یہ تھا کہ طوطا چشمی کی میں قائل نہیں اور چودھریوں کا مسئلہ یہ تھا کہ دوسروں کا قیمتی وقت بڑے اعتماد اور بے تکلفی کے ساتھ تہ تیغ کرنے پر وہ کبھی شرمسار نہ ہوتے' مگر اپنے وقت کو قرینے اور ٹھکانے سے استعمال کا ان میں سلیقہ ہی نہ تھا۔

شروعات "آئی کیا" نامی سویڈش عظیم الشان ڈیپارٹمنٹل سٹور سے ہوتی ہیں۔ یہ سٹور آپ کی الف تا ے گھریلو سجاوٹوں کا حوصلہ رکھتا ہے۔ اس طرح سالانہ کوئی اسی ملین مکین زمین ان سے خریدے گئے فرنیچر سے گھروں کو سجاتے ہیں۔ امریکی بڑی بڑی ریاستوں کے علاوہ یہ سٹورز دنیا کے بیس ترقی یافتہ ممالک میں کامیابی کے جھنڈے گاڑھ رہا ہے۔ محض چالیس برس قبل دنیا کے ان سب سے بڑے فرنیچرری ٹیلر کی بنیاد ایک غریب فارم بوائے نے ڈالی تھی۔ اس ہلکے پھلکے اور آسان طرز پر بھاری بھر کم سامان کی دھڑا دھڑ فروخت اسی کے پھرتیلے ذہن کا شارپ آئیڈیا تھا۔ ان کا طریقہ کار یہ ہے کہ فرنیچر کو وہ بائے پارٹس گتے کے فلیٹ کارٹن کے اندر مہارت کے ساتھ کم جگہ پر قرینے سے جماتے ہیں' اور پھر یہ پیک شدہ گتے کے فلیٹ بکس آپ کے حوالے کرتے ہیں تاکہ گھر جاکر نقشہ اور ہدایات کے عین مطابق آپ بنفس نفیس اس کو اسمبل کرکے اس کے پیروں پر کھڑا کردیں۔

ایسا جوش و خروش پہلے میری نگاہوں سے کہاں گزرا ہوگا۔ چودھریوں کی تمام گاڑیاں ایکشن میں آچکی تھیں' اور آئی کیا سٹور سے "بائے پارٹس" انواع و اقسام فرنیچر کے پیکیجز جوق درجوق براڈوے روڈ ہکس ول ٹاؤن سے بے پی لان ٹاؤن کی جانب ڈھوئے جارہے

تھے، یعنی ناسو کاؤنٹی سے سفک کاؤنٹی کی سمت۔

ڈاینٹ (کچن ڈائننگ ٹیبل سیٹ) اور ڈیلکس ڈائننگ سیٹ اوک اور اٹالین بلیک کچن یونٹ بمعہ کچن کیبنٹ اور ہرنگ شیٹنگ۔ یوٹیلٹی میزیں اور مائیکرو ویو کاٹ۔ گلاس ڈور شوکیس۔ بے شمار چھوٹی بڑی فولڈڈ میزیں۔ فارم ہاؤس چیئرز۔ کنٹری اوک ٹیبل۔

غسل خانوں کے لئے اوک وینیٹی کا قیمتی فرنیچر۔ یکساں رنگا چیری فرنیچر۔

ڈریسنگ رومز کے لئے بیڈ روم ڈریسرز اور آئینہ چیسٹ ڈرائیرز یونٹ (دروازوں والی الماری)۔ نائٹ میزیں۔ ہیڈ بورڈز۔ کپڑوں کے لئے بڑے بڑے کلازٹ (گوکہ گھر کے ہر بیڈ روم میں پہلے سے واک ان وسیع تر کلازٹ اور واڈروب تعمیر تھیں)۔

علاوہ ازیں اونچے اونچے وال یونٹ اور لمبے چوڑے انٹرٹینمنٹ ہوم تھیٹر سنٹر اور اسی سائز میں آڈیو، وڈیو چیسٹ۔ وڈیو ٹاورز اور آڈیو سٹوریج کیبنٹ۔ چار چھ عدد آرمائر۔ تین چار عدد شاندار سٹڈی ٹیبل ہمراہ دیوار کی لکڑی کے چوڑے لمبے شیلف بک چیسٹ (مجھے اچانک خیال آیا کہ سٹڈی میزوں میں بیٹھ کر سٹڈی کون کرے گا، اور اتنے بڑے بڑے شیلفوں میں سجانے کے لئے ان کے ہاں سینکڑوں کتابیں کون منتخب کرے گا! اور اگر کسی سبیل سے یہ کتابیں گھر میں وارد ہوجاتی بھی ہیں تو ان کو پڑھے گا کون ادھر!!!)

رب بھلی کرے! اب باری آتی ہے بیٹھک۔ سوری۔ ڈرائنگ روم، نہیں، نہیں ادھر اس کمرے کو لونگ روم کے نام سے پہچانا جاتا ہے تو بھاری بد وضع ٹریڈیشنل صوفے۔ فولڈڈ آرم صوفے۔ کارنر صوفے۔ سلیپ صوفہ اور بے آرام صوفہ کم بیڈ سے لے کر ایلگنٹ اٹالین بلیک لیدر صوفے بھی اس کمرہ میں ڈمپ کردیئے گئے۔ بوڑھوں کے لئے راکر صوفے اور بے آرام تھکے ماندوں کے لئے ری کلائنر، صوفے اور آرم چیئرز کی خریداری کو سیٹرز پر اٹھا رکھا۔

ان دنوں آئی کیا کی بغل میں "بل سائیڈ بیڈنگ" کا ایک شاندار شوروم ہوا کرتا

تھا (آج کل یہ شو روم بند ہو چکا ہے)۔ لکڑی، تانبا، فارمیکا، الومنیم ہر طرح کے نئے اور پرانے فیشن کے بدوضع اور نفیس چھوٹے بڑے پلنگ پلنگڑیاں اس شوروم سے کوچ کرنے لگے۔ سنگل، فل، کوئین سائیز، جڑواں اور ماسٹر بیڈز وغیرہ ایک ہی روز میں ایک جیسی شکل و صورتوں اور وضع قطع کے خریداروں نے کہاں اس پلنگ سٹور سے بے خبری کے عالم میں اور اتنی تعداد میں گھسیٹے ہوں گے۔ ادھر امریکن تو ایک ڈالر کی شے خریدیں تو گھنٹہ بھر اطمینان سے ٹھونک بجاتے ہیں۔ سٹور کے عملہ کی باچھیں کھل اٹھیں۔ دیسیوں کو سر اور حضرت کہتے ہوئے ان کے منہ سوکھ رہے تھے۔

اس سٹور بنام ہل سائیڈ بیڈنگ پر چونکہ خالص تانبے کی اور بھی ایکٹمس موجود تھیں۔ لہٰذا نفیسہ بیگم کی فرمائش پر ادھر بھی ٹٹول شروع ہونے لگی۔ مثلاً چھوٹے بڑے، درمیانہ سائیز بے شمار دھاتی ٹیبل لیمپ۔ صوفہ سرونگ کاٹ۔ ہیٹ اینڈ کوٹ سٹینڈز۔ میگزین ریک۔ کوٹ ریک۔ تولیہ ریک۔ رضائی و دلائی ریک۔ گملوں کے ریک۔ آنے والی قیدی چڑیوں، طوطوں کے پنجروں کے ریک۔ کچن بیکرز ریک۔ لہسن، پیاز ریک اور فلاں ڈھمکاں ریک۔

ابھی سامان کی باربرداری جاری تھی کہ وقاص کو یاد آیا کہ پرشیو لاؤنج وغیرہ کو بھی تو لیس کرنا ہے۔ خیر صلا! گھر میں ایک کمی ضرور تھی کہ سوئمنگ پول نہ تھا۔ یا کبھی بہت پہلے ہوگا ضرور۔ (افواہ ہے) کہ پچھلے مالکان کا ایک سالہ بچہ اس سوئمنگ پول میں گر کر ڈوبا اور ضائع ہوگیا۔ لہٰذا اس منحوس سوئمنگ پول کی جب ہی بھروائی کروادی گئی تھی۔ اب خیر سے اس کارِ خیر کے لئے دوبارہ منصوبہ شروع ہونے والا تھا کہ سوئمنگ پول کی تعمیر اور اس کے اندر پوتر پانی کی پہلی پھوار پڑنے سے پہلے اس کے ماتھے یعنی ٹیرس کو دلہن کی مانند سجادیا جائے۔ جیسا کہ آس پاس کوٹھیوں کی ریت ہے۔ کسی سے پیچھے کیوں رہا جائے۔

پس یہ آؤٹ ڈور لوازمات خریدنے کی خاطر "فارچون آف" جیسے اونچے نام کے ڈیپارٹمنٹل سٹور پر جانا ضروری ٹھہرا۔ بدقسمتی سے یہ سٹور بھی ہمارے گھر سے

تھوڑے فاصلہ پر واقع تھا۔ شاپنگ ڈسٹرکٹ کے اندر اولڈ کنٹری روڈ کے دہانے۔ داخلی دروازے کے اندر پذیرائی ہوئی تھی۔ مانو! ایسا لگا کہ سٹور کی جگمگاہٹ سے دونوں جوڑوں کی عقل پر پتھر برسنے لگے ہوں۔ اس دیو زاد سٹور کی ہر کرسی' میز' پتیلی' ڈوئی کے آگے گویا وہ سجدہ ریز ہوئے جاتے تھے۔ خواتین بھدر بھدر ایک سے دوسری فلور پر بھاگے جا رہی تھیں۔ درمیان میں ایک مقام ایسا آیا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے پھٹے میں ٹانگ اڑائی اور اشارے کنایوں سے سمجھانے کی کوشش کی کہ آگے آگے اپنی چادر کو ذری دیکھ بھال کرہی پاؤں پسارے جائیں۔ مگر چادر ہوتی تب نا۔ یہاں شب خوابی کے لئے ہر ایک کے پاس لچکتے مچکتے ماشاء اللہ کوئین اور کنگ سائیز "وائٹ گوز ڈاؤن" (پروں سے بنائے گئے) کمفرٹرز (رضائیاں) موجود تھے۔ اپنی اپنی اجرک کی چادریں اور کھڈیوں کے کھیس سب کے سب وہ پیچھے موضع اکڑیانوالہ یا گدووال اور گھمرُ منڈی پر بھول آئے تھے۔

بہرحال فارچون آف سے کیا کچھ سمیٹا نہ گیا' بے گناہ پیکوڈالان۔ رنگ برنگے بڑے بڑے چھاتے جو کہ راؤنڈ گلاس ٹاپ ٹیبل کے سنٹر میں فٹ ہوسکتے ہیں' اور اگر آپ غسل آفتابی کے موڈ میں ہوں تو یہ چھاتے اپنی جگہ پر سے اتارے بغیر کھڑے تہہ بھی کئے جاسکتے ہیں۔ ڈیک اور سینڈ چیئرز سٹریٹو لاؤنجز (لاؤنج کے لئے آرام صوفہ)۔ لمبوتری آرام دہ کرسی جس کو چیز بولتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ آپ سوئمنگ پول سے باہر قدم دھرتے ہی (تولیہ لپیٹے ہوئے) اس کرسی پر نیم دراز ہوکر مزے سے دھوپ سینکا کریں۔ اور کمال طمانیت محسوس کریں گے۔ اپنی اماں کے لئے روکنگ چیئر بھی ضروری تھی۔ ان تمام میز کرسیوں سٹولوں وغیرہ کی سیٹوں پر دھرنے کے لئے ذرا بڑھیا کوالٹی کشن کی تلاش میں مزید دو روز خرچ ہوئے۔

اس سے اگلی صبح سویرے سات بجے کے قریب نفیسہ بیگم کی ضروری کال نے ہمیں ڈسٹرب کیا۔ گلہ کررہی تھیں کہ میں نے ان پر کل یعنی بروز اتوار سخت ظلم ڈھایا۔ میں چونکہ جاب پر جانے کی جلدی میں تھی۔ اس لئے قیاس کے مطابق بات

لپیٹنے کی کوشش کرتے ہوئے گویا ہوئی۔ "بھئی تمام تر اپنی شاپنگ تو تم لوگ اپنی مرضی کے ساتھ کر رہے ہو۔ میں تم لوگوں کی ادائیگیوں کے سمے رجسٹر (کاؤنٹر) کے قریب موجود رہنے سے کتراتی ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ بڑے چودھری کے باوا۔ دادا کے خمیر سے اٹھائی گئی محنت کی کمائی کو اس پردیس میں غیروں کی جیب کے دہانے اوندھے منہ گرتے دیکھنا کم از کم میرے بس کا روگ نہیں ہے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔؟"

"ٹھیک تو کہہ رہی ہوں۔ کاش تم لوگ ہر امریکی سٹور کے اندر حاتم طائی کی قبر پر اس بھونڈے انداز میں قلا بازیاں کھانے سے باز آجاؤ۔"

"ارے نہیں۔ نہیں۔ ڈاکٹر صاحبہ۔ آپ تو سرے سے ہی غلط سمجھیں۔ ارے یہاں فضول خرچی کا رونا کون رو رہا ہے۔ ڈالر ہویا روپیہ۔ فرق کیا۔ پیسہ تو آنی جانی شے ہے۔ مگر یہ بھلی بھلی اشیاء جوکہ ان کاغذی ٹکڑوں سے ہم خریدتے ہیں۔ اس خریداری میں کیا من موہنا جادو ہے۔ رب جانے کیسے دل باغ باغ ہوجاتا ہے۔"

"پر تم نے ابھی ابھی مجھ سے کوئی ظلم ڈھانے کا ذکر کیا تھا۔" اس کا فلسفہ میرے پلے نہیں پڑ رہا تھا اس لئے میں نے درمیان میں ٹوکا۔

"ہاں جی۔ وہ بات کررہی تھی' بھانڈے۔ شانڈے خریدنے کی تو وہ خریدنا بھول ہی گئے۔ آپ نے بھی یاد نہ کروایا۔ ابھی تک ایک گلاس اور ایک ڈوئی تک خریدی نہیں ہم نے۔ تاحال رشتہ داروں سے مستعار لئے گئے برتنوں پر گزر بسر ہورہی ہے"۔

"اگر ایسی بات ہے تو آنے والے بروز ہفتہ تم لوگوں کو براڈوے مال یا روز ویلٹ مال کے اندر واقع برتنوں کی ڈسکاؤنٹ شاپ "لیچرز" دکھا دوں گی"۔

"نہ جی نہ۔ جیسا نام ویسا گھٹیا مال ہوگا۔ لچر۔ لچر۔ نام ہی کافی ہے۔ لچر سی دکان"۔

"ایسا نہیں ہے۔ "لیچر" برتنوں کا ایک فینسی سٹور ہے۔ ہر قسم کے اعلیٰ کوالٹی

برتنوں سے بھرا پڑا' مگر قیمتیں اکثر مارک ڈاؤن' یہ ان کی بزنس کی ایک ادا ہے۔ گھٹیا پن نہیں ہے"۔

"نہ جی۔ ہم تو بس فارچون آف چلیں گے۔" وہ بچوں کی سی آواز میں مچل رہی تھی۔

"اچھا۔ سنو۔ نفیسہ بی بی۔ کیوں نا دوبارہ آئی کیا کی انڈر گراؤنڈ (بیس منٹ) مارکیٹ پلیس سے بقیہ خریداری کرلیں۔ وہاں پر یورپین اور ایشیائی سٹائل انواع و اقسام بھانڈے دستیاب ہیں۔"

"نہ جی۔ بس کہہ دیا نا! فارچون آف۔ کچھ پوچھیں مت۔ فارچون آف نے تو ہمارے چودہ طبق روشن کر چھوڑے ہیں۔ کیا سوہنے سوہنے چمکتے دمکتے ست رنگے بھانڈے"۔

پھر سے فارچون آف کے پھیرے شروع ہوچکے تھے۔ ہر ویک اینڈ پابندی وقت کے ساتھ صبح سٹور کھلنے کے ساتھ یہ قافلہ ان کے اسکیلیٹر پر سوار ہوکر برتنوں والے ملیح و فصیح' طویل و عریض' پرفشاں فلورز پر جا اترتا۔

سودا ہینڈ کٹ کرسٹل سے شروع ہوا۔ بوریا جرمنی سے دساور کئے گئے مہنگے دلکش ہینڈ کرسٹل لیمپ۔ ہینڈل والی خوبصورت سجاوٹی باسکٹ۔ مشروب دانیاں۔ فروٹ سیٹ' آئس کیوب اور پنچ پول سیٹ۔ ڈیزرٹ سیٹ۔ چپ اینڈ ڈپ سیٹ۔ سلاد سیٹ۔ کیک پیسٹری اینڈ گیز سیٹ۔ کینڈی ڈشیں۔ موم بتی دانیاں' چینی اور نمک مرچ۔ دودھ دانیاں۔ پھولدان اور بھانت بھانت ننھے ننھے سجاوٹی مجسمے۔ ڈالرز کی بھینٹ چڑھتے گئے۔

ڈنر ویئر۔ فلیٹ ویئر اور چائے سیٹ وغیرہ کے انتخاب میں وہ اپنے پرانے ٹیسٹ پر اتر آئے۔ پورسلین اور سٹون ویئر خریدے گئے۔ گو روزمرہ سروسز میں اس میٹریل سے بنائی گئی کراکری کو ہینڈل کرنا قدم قدم دوبھر رہتا ہے۔

کونے کھدروں کے شوکیس میں بجے سجائے جرمن سلور پلیٹ سے بنائے گئے چائے اور کافی کے مرمریں سیٹ بمعہ ٹریڈیشنل ٹرے اور سینی اور کنندہ طشتریاں لپیٹ میں آگئے۔

لو جی! اب نظر بد کے نرغے میں آتے ہیں۔ مائیکروویو محفوظ برتنوں کے انبار۔ اس کے بعد ہوسٹس سیٹ۔ پھر تھرمل سرو سیٹ۔ سمر پکنک ڈرنکس ویئرز۔ انواع و اقسام نفیس بید کی تیلیوں سے بنی ٹوکریوں کے سانچوں کے اندر محفوظ نہ ٹوٹنے والے اور آگ پروف برتن جن کو باسکٹ بوفے تنور ویئر سیٹ بولا جاتا ہے۔ بھاری بھر کم دھات کنندہ کٹلری سیٹ۔

اب وہ سب فان ڈیو سیٹ کو گھیرے کھڑے تھے۔ فان ڈیوسیٹ چھوٹی بڑی دعوتوں میں گرما گرم کھانا پروسنے کے کام لایا جاتا ہے۔ اسے گلاس ٹاپ نفیس ٹیبل پر مہمانوں کے درمیان جمایا جاتا ہے اور پین کے پینیدے کے نیچے ننھے سے برنر کے اندر موم بتی جلاکر مہمانوں کو "کوزی" محسوس کرنے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے۔ بڑی دعوتوں میں اس جیسی ٹور قائم رکھنا ہوتو سلور پلیٹ کی غضب ناک بڑی سینی یا اپنے پاؤں پر کھڑی ڈھکن والی اولڈ سٹائل پراتیں اور سیناں، طشتریاں گھنٹوں گرما گرم کھانا مہمانوں کو پیش کیا کرتی ہیں۔

اب ڈھنڈ یا مچتی ہے۔ مختلف میٹریل کے رنگ برنگے پیسٹڈ اور تصویری مگ کے واسطے کہ ہر گھر کے کچن کیبنٹ پر قطار اندر قطار ان کے لٹکنے کا دستور ہے۔ کچن ٹول سیٹ۔ دانا دنکا سٹور کرنے کے واسطے شیشے سٹون ویئرء اور پورسلین کے ایئرٹائٹ خوشنما گلکاریوں والے مرتبان۔ سوچا گیا کہ کیز، کریکرز۔ پریٹ زل۔ ڈوریٹوز وغیرہ ان مرتبانوں کے اند بھرے رہیں گے تاکہ آئندہ بچے اپنی پرانی عادات کے مطابق ابا کو مجبور کرنا چھوڑدیں کہ وہ اپنے گروسری سٹور سے ریوڑیاں چنے بطور سنیکس ڈھویا کریں۔

آگے کیا مزید خریداری باقی ہے؟ دم لیجئے! ابھی تو پریشر کگر بلکہ ہر قسم کے کک

ویئرز باقی ہیں۔ سٹین لیس سٹیل کی تو سوچیں مت' وہ تو قریباً آؤٹ آف فیشن ہو چلا ہے' اور عام دیگچی' پتیلی' توا' پرات کڑاھی' توبہ کریں۔ آپ امریکہ کے اندر رہائش پذیر ہوں اور اپنے کچن کے اندر پروفیشنل انداز میں پکائیں' ریندھیں نہیں' تو حق ہمسایوں کے درمیان کسی قدر نیکی کا مقام نہ ہوگا۔

لہٰذا نان اسٹک شیف پاٹ یعنی بھاری بھرکم آٹو فرائے گر جوکہ تھرمو سٹیٹ اور سگنل لپکتی جھپکتی لائٹ سے مزین تھا' اور جس کے عین اوپر فٹ آگ پروف شیشے کے سٹائلش ڈھکن کے آرپار ڈھلکیاں مارتا بھاپ چھوڑتا رنگ برنگی کھانا کس قدر اشتہا انگیز محسوسات کا حامل نہ ہوگا۔

اس کے بعد رجوع ہوتا ہے۔ یو ایس ہیوی کاسٹ خصوصی نان اسٹک المونیم کی جانب جس سے ڈھالے گئے درجنوں پین۔ ملٹی پریشر گکرز۔ بوائلر۔ روسٹر۔ بیکرز اور کیا کچھ۔ ایک جگہ پر تھکی تھکائی ہانپتی الماس رکی کھڑی شیشے سے بنی کسی بڑی سی شے کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔ اطلاع ملتی ہے کہ اس نے تھرمل پروف گلاس سے بنائے گئے دلکش رنگوں کے کرین بیری کک ویئر سیٹ کو تاڑ رکھا ہے' لہٰذا وہ بھی اپنی پوری تفصیل کے ساتھ کئی کارٹن کے اندر ٹھنسوا دیا گیا۔

توبہ ہی بھلی! ادھر پرے شوہروں کے حلقہ اختیار میں کچھ تھا جسے وہ برابر گھورے جارہے تھے۔ قریب جانے پر معلوم ہوا ہمارے ہاں کا دیسی کڑاہی سے مشابہ الیکٹرک کچن گرل ۔ اونچا آؤٹ ڈور باربی کیو گرل جو ننھے ننھے ٹائروں پر چلتا ہے' اور ہملٹن بیچ روسٹر اوون۔ ٹوسٹ آر اوون برائلر بلکہ "وافل" میکر بھی دھرلئے گئے۔ گو آج تک "وافل" گھر میں کسی نے چکھ کو دیکھے نہ تھے۔

ان لوازمات کے ساتھ ساتھ برائل کنگ الیکٹرک ٹیبل اور پورٹیبل الیکٹرک کی رینج برائل کنگ بھی لازم و ملزوم تھے۔ اس لئے کہ رات کو گھر میں تاخیر سے داخل ہونے والوں کے لئے کھانا عام الیکٹرک آون کے اندر بند کرنے کی بجائے ڈائننگ ٹیبل کے اوپر پروس دیا جائے۔ تاکہ تھکے ہارے رت جگے کرنے والے محنتیوں کو

رات کے کسی بھی پہر گرما گرم کھانا نصیب ہو سکے۔

"ارے! وہ شاندار سا گکر کیا بلا ہے یہ؟" کسی کی نگاہ کے نیچے بھاری سٹیمر گکر آچکا تھا۔

"وہ وزن گھٹانے کے خواہش مند حضرات کے لئے مدھم گرمائش پر کام کرنے والا الیکٹرک گکر ہے، جس کے اندر تازہ بتازہ سبزی ترکاری۔ راجماہ بلکہ ساتھ میں چاول اور مچھلی کے قتلوں کا ملغوبہ بغیر گھی یا تیل تیار ہوتا ہے۔" خواتین لپک جھپک ادھر متوجہ ہوئیں۔

آج کل وقاص کے علاوہ تمام بہوؤں کا وزن بھی دن دوگنی رات چوگنی ترقی پر تھا۔ لہٰذا آزمائش کی خاطر صحت مندانہ ڈائیٹنگ کا سٹیمر گکر بھی بغل میں داب لیا گیا۔ محض ڈھائی تین سو ڈالرز کی تو بات تھی، بعد میں خواہ مخواہ افسوس رہتا کہ صحت کی جانب کسی کا دھیان نہیں ہے۔

اگلے ہفتہ کا پلان تھا۔ کچن کے سوفیسٹیکیٹڈ قسم کے مال و اسباب یعنی کچن ایڈ کا۔ کہ یہاں پر لوگوں کو ان کے بغیر کھانا ہضم نہیں ہوپاتا۔ یہ الگ بات ہے کہ گورے امریکی شاذونادر اپنا سجا سجایا کچن استعمال کرپاتے ہیں۔ چوبیس گھنٹوں میں بیس گھنٹے تو ان کا طعام و قیام آوٹ ڈور یعنی گھر سے باہر ہوا کرتا ہے۔ خیر بات ہو رہی تھی کوفی میکرز۔ پرکولیٹر۔ ہر شکل و وضع کے گرائینڈرز۔ فوڈ سلائسرز۔ الٹرا پاور مکسرز اور جوس جائنٹ بلینڈرز کی اور ساتھ میں کچن الیکٹرک عظیم الجثہ چھرے۔ چھریاں۔ چاقو۔ ٹوکے اینڈ وٹ ناٹ۔

آج دلشاد بیگم بھی ہمراہ تھی۔ سٹور بند ہونے سے کچھ دیر پہلے اسے خیال آتا ہے کہ پلاسٹک کا کچھ خریدا نہیں گیا۔ لہٰذا اس کی فرمائش پوری کرنے کی دھن میں دیور اور جیٹھ ٹھن گئے۔

ادھر ربڑ میڈ کی چاندی ہونے لگی۔ ربڑ میڈ کمپنی کا نفیس پلاسٹک اڈونگ بروڈنگ بے صبری میں جس کے ہاتھ جو لگا پلے باندھ لیا گیا۔

ہر سائز ڈبے۔ ڈبیاں۔ جگ۔ مگ۔ چمچے۔ کفگیر۔ ڈوئیاں۔ ٹوکرے۔ ٹوکریاں۔ چھابیاں۔ چھابے (چنگیریں)۔ ہیمپرز اور لانڈری کے مختلف لوازمات۔ گھر کے اندر باہر کے لئے چھوٹے بڑے درمیانے گاربج کین۔ ہر کونے کھدرے کے لئے ڈسٹ بن' بچوں کے کھلونے سٹور کرنے کے لئے بڑے بڑے چوکور لال پیلے' نیلے پلاسٹک بکس' لنچ بکس اور ٹریش بکس۔

ایسے میں سٹوروں کے اندر داخل ہوتے ہوئے تو شاید عوام الناس ہمارا کوئی خاص نوٹس نہ لیتے ہوں گے' بلکہ قطعی نہ لیتے ہوں گے' مگر جب یہ قافلہ' بھری ٹھنی ٹھسائی دو درجن سے اوپر بھاری بھر کم اور کشادہ سٹیل شاپنگ کارٹس کے ہمراہی میں جوق درجوق ایگزٹ دروازوں سے باہر مارچ کرتا نمودار ہوتا تو غیر شرفا بھی چند لمحے رک کر رستہ دینے لگے کہ شاید براتی جارہے ہیں۔

اس روز جاتے ہوئے سندیسہ ملتا ہے۔ "کچن کا ہیوی ڈیوٹی الیکٹرانکس مال کسی اور اونچے سٹور سے خریدا جائے گا۔ ذرا دیکھ بھال رکھئے گا۔ رب راکھا۔ اب اگلے ہفتے ملاقات ہوگی۔"

میرے اپنے ذاتی فرائض۔ گھرداری۔ سٹڈی۔ میری یونیورسٹی کوئی ڈیڑھ گھنٹہ کی ساخت پر واقع تھی۔ روزمرہ ایکسپریس وے کے رش کے گھنٹے اور اکلوتا ویک اینڈ۔ ہر ویک اینڈ چودھری خاندان کے ہمراہ سٹوروں اور شاپنگ پلازاؤں کو کھنگال کر رکھ دینے میں ضائع ہوجاتا' ادھر میرے بچے الگ چیں بہ جبیں تھے کہ لوگ میری مروت کے تقابل سراسر خودغرضانہ اطوار اختیار کرنے لگتے ہیں۔ خداوند واحد! میں آخرکار زچ ہونے لگی۔ سوچا کہ ہیوی ڈیوٹی گھریلو الیکٹرانکس کے لئے ان کو سیئرز کا رستہ دکھا دوں گی کہ اس میں ان کا اور میرا دونوں کا بھلا ہے۔ ان کا بھلا اس لئے کہ سیئرز نسبتاً سستا مگر معیاری سٹور ہے' اور میرا بھلا اس وجہ سے کہ یہ سٹور میرے گھر سے چند منٹ پیدل فاصلہ پر واقع تھا۔

اگلے ویک اینڈ سے پہلے ایک رات کا ذکر ہے کہ آئی کیا سے خریدے گئے بھاری بھر کم پیکیجز کھولے گئے تو چودھریوں کو یہ حقیقت آخری پہر جاکر کہیں تسلیم کرنا پڑی کہ ان میں سے کوئی مائی کا لال ان ہائے پارٹس فرنیچر کو اسمبل کرنے کی اہلیت ہرگز نہیں رکھتا۔ درمیان میں یہ مسٹری جانے کیونکر سرزد ہوئی کہ تمام سامان گڈمڈ کردیا گیا۔ اس کے لئے بھی حسب معمول مورد الزام اماں ٹھہریں کہ انہوں نے خالی خولی ڈبے اور پیکنگ سنبھال رکھنے کی بے خبری میں یہ گھپلا مچادیا۔ یعنی الماریوں کی درازیں اور میزوں کی ٹانگیں یکجا۔ کرسیوں کے بازو اور پلنگڑیوں کے پائے گڈمڈ اوپر سے تمام کل پرزے کیل کانٹے آپس میں مدغم۔ لہٰذا اگلے روز آئی کیا کے ماہرین کو ہوم کال کیا گیا جنہوں نے بھاری اجرت کے عوض تمام فرنیچر صحیح و سلامت اپنے پاؤں پر کھڑا کرکے ان کے کمروں کے اندر باہر قرینے سے سجادیا۔ آنے والے ویک اینڈ الیکٹرک اپلائنس کے لئے مختص تھا' چنانچہ سیئرز برینڈ سنٹرل پر ہلا بول دیا گیا۔

ہیوی ڈیوٹی الیکٹرانکس کی شروعات لان اور گھریلو اوزاروں یعنی ٹول ٹال سے ہوئیں۔ بجلی کی ڈرل مشین کیٹرپلاڑ۔ سکریو ڈرائیور۔ بورنگ مشین جائنٹ۔ جھاڑیاں پتے کاٹنے اور پیسنے والی مشین۔ پتے گھاس چھانٹنے اور اڑانے والا برقی بلوئر۔ کرافٹ مین کا برقی الٹرا لان ویکوم اور تیرہ سو ننانوے جمع مول کا کرافٹ مین برقی لان ٹریکٹر۔ کیش ہضم۔ قضیہ ختم۔ ڈالرز پھوں پھڑک۔ پر کیش ختم ہونے کے باوجود آپ کا خزانہ بھرا پڑا رہتا ہے۔ یعنی "پلاسٹک منی" پھر فکر کاہے کی۔ بہو رانی کے پاس ویزا کارڈ۔ ابو کی ملکیت بلا شرکت ایرے غیرماسٹر کارڈ اور بیٹے۔ ایک کے بٹوہ میں کریڈٹ کارڈ۔ دوسرے کے پاس امریکن ایکسپریس کارڈ اور پھر نرالا سیئر کارڈ تو آپ کو بغیر تگ و دو مل جاتا ہے۔ ساتھ میں فری گفٹ یا پھرپانچ ڈالر گفٹ سرٹیفکیٹ جو آپ کسی بھی روزمرہ خریداری پر بھنا سکتے ہیں۔

اے لو! کارڈوں کی رسم رونمائی شروع ہوچلی! سب سے پہلے کیم کارڈر مووی کیمرہ۔ اپنے پرائے دیسی بدیسی' رشتہ دار۔ عزیزواقارب۔ خصوصاً" پاکستان میں مقیم

مہمانوں پر ہر لحاظ سے سبقت تو وہ لے چکے تھے' مگر اس کا ثبوت خصوصاً" ہوم لینڈ کے لئے کس طرح وساور کیا جاتا۔ لہٰذا کیم کارڈر مووی اس نمود و نمائش کا کتنا رنگین مگر ایک کتابچہ جتنا مختصر ذریعہ ہے۔

امریکن ایکسپریس کارڈ کے صدقے فیو جیکس آٹھ کیم کارڈر جس کے اندر ون ٹچ چوڑالینز۔ ملٹی ایکشن ہینڈ گرپ۔ چھ ایکس پاور زوم۔ اس کی ٹائٹل یادداشت کو آٹھ مختلف رنگوں۔ وقت اور تاریخ کے حساب سے سپر امپوز کیا جاسکتا ہے۔ لائٹ شر موجود ہے۔ ان خوبیوں کے باوجود کم وزن ہے' اور بیٹری اور کرنٹ دونوں سے چلتا ہے۔ لہٰذا دھروالیا گیا۔ کیونکہ بے حد ضروری تھا۔ وگرنہ اس نویلے ماڈرن یعنی امریکن رہن سہن کی نمودونمائش کو اس دل آویز اور کم خرچ طرز پر گاہے بگاہے کچھ کرنا کس طرح ممکن ہوتا۔ امریکن ایکسپریسوے کارڈ کے اندراج پر صرف پچاس ڈالر ماہوار کے حساب سے کل بیس ادائیگیاں۔ گل ہی کچ نہیں جی!

البیلے وقاص کے لئے الگ مووی کیمرہ ضروری تھا۔ اس ایک دم امریکنائیزڈ متمول زندگی نے اس کی سوچ و فکر پر نئے تاثرات جو مرتب کرنا شروع کردیئے تھے۔ ان میں ایک یہ بھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ پرسنلائزڈ ہوا جاتا تھا۔ چھوٹی سی مثال لیجئے گھر میں کبھی ڈنر کے لئے پیزا جو کہ "پیزا ہٹ نامی" فرنچائز کمپنی سے فون آرڈر پر گرما گرم منگوالیا جاتا تو گھر بھر کے لئے جو آرڈر کیا جاتا تھا وہ ڈبل ڈیل ڈبل پیزا کی دیوزاد روٹیاں' مگر وقاص میاں اپنے حصہ کا سالم پرسنل پین پیزا لئے الگ تھلگ جا بیٹھتے اور بچوں کو بھی بت نہ کرتے۔

وقاص نے سیئرز کارڈ کے وسیلہ سے اپنے لئے سونی کمپنی کا فل فنکشن یعنی بیک وقت وائرلیس ریموٹ اور اے ای پروگرامنگ اینڈ مینوئل کنٹرول ہائے فائے سٹریو فل ایگزٹ بارہ ایکس زوم' جس کی دم پر بیک لائٹ سوچ اور ایزی ہک اپ تھا منتخب کرڈالا۔ اس شاندار کیمکارڈ کی اس روز کی سیئر سٹور کی سیل قیمت نو سو ننانوے ڈالر اور ہمراہ ننانوے سنٹ کا دم چھلہ۔ یعنی کل ملاکر ایک پینی کم ایک ہزار ڈالر۔

اگر خریداری کے رنگیں سے آپ کی جیب خالی ہے تو پروا کسے۔ سیئر کارڈ کی مہربانی سے فقط اکیس ڈالر ماہوار اقساط پر ادائیگیاں شروع ہوسکتی ہیں' چنانچہ یہ کیمرہ و قاص کے فربہ کندھوں کی زینت ٹھہرا۔

الماس اور نفیسہ کو شکایت رہنے لگی کہ فون کا کوئی مزہ نہیں ہے جی۔ لوگ باگ گھروں میں موجود نہ ہوں۔ تب بھی ان کے فون خود بخود بولتے ہیں۔ ان کا مطلب آنسرنگ مشین سے تھا' چنانچہ اگلے ہفتہ پینا سانکس کا ڈیلکس ماڈل فیکس فون آنسرنگ سسٹم جی ٹو۔ جی تھری گھر آگیا۔ پچاس ڈالر ماہوار کی کل بیس ادائیگیاں امریکن ایکسپریس کارڈ نے ادھر بھی ان کی کھل کر مدد کی۔ سہیلیوں کے فصیح و بلیغ پیغامات دھڑا دھڑ بھرنے لگے۔ ایک ہفتہ بعد ان پر قیامت سی ٹوٹ پڑی' جب پتہ چلاکہ آنسرنگ مشین نے بھرے جانے سے اب انکار کردیا ہے۔ دراصل خراب نہیں ہورہی تھی' بلکہ فیکس پیپر اور آنسرنگ مشین ٹیپ ختم ہوچکی تھی۔ ٹیپ کو ری وانڈ کرنا سکھایا اور فیکس پیپر کے لئے آفس سپلائز سٹور کا رستہ دکھایا گیا۔

ٹی وی۔ رے ٹی وی! آپ امریکہ پہنچیں اور اتنے ماہ و سال ایک شاندار قسم کے ٹی' وی کے بغیر زندہ رہیں۔ کیسے ممکن ہے۔ شاید ممکن ہو بھی' مگر جس تباہ کن لونگ روم کے فرنیچر۔ قالینوں اور درو دیوار کی سجاوٹ پر آپ تقریباً ہلکان ہوچکے ہوں' اگر اس میں ایک عدد ا یلگنٹ جائنٹ سکرین کلر ٹی وی جلوہ گر نہ ہو تو آپ کو کون عقل مند مانے گا۔ لہٰذا ہٹاچی کمپنی کا دو ہزار ڈالرز قیمت کا سراؤنڈ ساؤنڈ اور سکین سیکنڈ ریموٹ کنٹرول دیوزاد ٹی وی بے حد ضروری تھا۔ ایک سو اُٹھتر چینل' مائی گاڈ! ریڈ ملٹی اے ون۔ اے وی ان پٹ جیکس اور ایس وڈیو ان پٹ جیک بلکہ مختلف النوع آڈیو آؤٹ پٹ جیکیں اور جانے کیسی کیسی قیامتیں نہ تھیں۔ سوچیں ذری! محض بیالیس ڈالر ماہوار سیئرز کارڈ ادائیگی پر اللہ اللہ اس انوکھے ایم ٹی ایس کم ایس۔ اے پی سٹیریو ساؤنڈ سسٹم ٹی وی کے ہمراہ اگر وی سی آر کیبل بھی موجود ہوتو یقین

سامنے پل کی پل آپ کو زندگی کی ان تجلیات کی جھلکیاں دکھادے گا۔ جن کا ارمان ہر دل بے ایمان میں بسا کرتا ہے۔ ان کا فلسفہ حیات یہ ہے کہ اللہ میاں کی جنت دوزخ تو بعداز مرگ دیکھی جائے گی۔ پہلے اس دنیا کے تختہ کی جنت کی سیر تو کرلی جائے۔ وہ جنت جو ان کے مقدر میں صرف پچاس انچ سکرین سے لکھی نہیں جاتی' بلکہ سنگت میں کیبل وژن اور ایچ بی او کے دروازے بھی "وا" ہونا چاہئے۔ جو ٹی وی سکرین کے انتہائی دلکش رنگوں کی کلیکسی کا نظارہ دکھاتے ہیں۔

ایک سو اٹھتر چینل دیکھنے کے واسطے آپ کو کیبل خریدنا پڑتا ہے۔ بیشتر لوگ خریدتے ہیں' اسی فیصد امریکن نے خرید رکھے ہیں۔ ری سیشن کا زمانہ ہویا جنگ کا۔ لوگوں کی سب سے بڑی تفریح مووییز ہے' اور مووی رینٹل پر امریکہ میں دس ملین ڈالرز سالانہ خرچ آتے ہیں۔ سینما اور دوسرے ذرائع سے دیکھنے پر چار اعشاریہ نو بلین کا خرچہ آرہا ہے۔ ہوم سیٹلائٹ ڈش کی تعداد تین اعشاریہ پانچ ملین ہے۔ خیر سے ہوم وڈیو مارکیٹ بزنس دن دوگنی رات چوگنی ترقی پارہا ہے' دس بلین سے اوپر جارہا ہے' جہاں دنیا وڈیوز اور کیبل پر ٹوٹی پڑرہی ہو' وہاں چودھری خاندان کسی سے پیچھے کیونکر رہ سکتا تھا۔ پہلے فیملی کیبل خریدا گیا۔ پھر فیملی پلس۔ اس کے بعد فیملی پلس ٹو۔ تھری۔ پے پر ویو اور رین بو گولڈ جیسا واہیات چینل بھی۔ مگر رین بو گولڈ کسی کو دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ خوشی ناخوشی بڑے چودھری کو ایک نظر آزمائش کرنا تھا۔ وہ صلواتیں پڑیں کہ الٹا فیملی چینل پر مراجعت کرنا پڑی۔ اب ان کے پاس یو ایس نیٹ ورک' سی بی سی۔ شو ٹائم' سینمکس' پی بی سی' بدنام زمانہ ایم ٹی وی' نمال وی ایچ ون' مہنگا پے پرویو (پی بی وی) نام کا فیملی چینل (ایف اے ایم) پرسکون سائلنٹ ہنچر۔ ویدر (موسمیات) چینل۔ فاس فائیو۔ ٹی بی ایس اور ٹی این ٹی وغیرہ تھے۔

فلمیں تو سب ہی دیکھا کرتے ہیں' مگر کیبل وژن پر فلم دیکھنے کی بہار ہی نرالی ہے۔ دلشاد بیگم کو اب انڈین فلموں میں قطعی کوئی چارم نہ ملتا۔ اسے تو عادت پڑچکی تھی۔ اب ذرا کھڑ مینچ ٹاپ انگلش مووییز کے ہمراہ کیبل ویژن اور جائنٹ ٹی وی

سکرین۔ کچھ بور یا قابل اعتراض نہ ہوتا تھا۔ سائیلنس آف دا لیمب' گاڈ فادر تھری۔ ڈک ٹریسی۔ الہ دین۔ ڈانسنگ ود ولفز۔ گڈ فیلاز۔ گوسٹ۔ چائیلڈ پلے ون یا ٹو۔ سنگل وائٹ فیمیل۔ فلیٹ لائنرز۔ اب وہ تڑکے سے ان تمام روزی کمانے والوں یعنی گھر کے مردوں اور مرد نما خواتین (اپنی جیٹھانی' دیورانی) کی ٹہل سیوا کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑتی' تاکہ وہ جلدازجلد گھر سے سدھاریں۔ اور پھروی سی آر ٹی وی ہو اور دلشاد آلتی پالتی مارے اس کے حضور میں جابیٹھے۔ اماں؟ ان کا پوچھیں مت۔ بس چپ ہی کرجائیں۔! اماں کی تسبیح کہیں کھو گئی تھی۔ جیسے دوسری تسبیح خریدنا امریکہ میں جوئے شیر لانے کے برابر ہو۔ نمازیں ضرور پڑھتی تھیں مگر نفل کی تعداد میں دن بدن کمی آتی گئی اور عام گھریلو امریکن ٹی وی شو کے لئے شعور اجاگر ہوتا گیا۔ میریڈ ود چلڈرن۔ ہو از دا باس۔ ارلس ان چارج۔ گروئنگ پین۔ ماما فیملی' کاز بے سیریز این آدر ورلڈ۔ یا پھر بے حد فربہ اور کلہ دراز بے ہودہ ترین مگر ہر دلعزیز روزین شو۔ اب اکثر اماں سے ہنڈیا جل جاتی تھی۔

"اماں کچھ پلے بھی پڑتا ہے"۔ بیٹے چھیڑتے۔

"ارے ان روسیاہ' مکمل پیروں کی مسخریاں کس کے پلے نہ پڑیں گی۔ ہنستے ہنستے بکھیاں دوہری ہوجاتی ہیں۔ اس انگریزی اوتری تکھتری کو سمجھ کر کیا لینا ہے۔"

"اری نیکوکار! کن جنمی پروگراموں کی لت پڑگئی ہے تجھے!" بڑا چودھری اپنی زوجہ کی سرزنش کرتے ہوئے رائے دیتا۔ "اگر ٹی وی دیکھنا مقصود ہے تو کوئی پکانے ریندھنے والے ہنرمند شو دیکھا کرو۔ کیا چنگا سا نام ہے اس شو کا یار۔"

"ماسٹر شیف۔ ابا جی۔ جس میں انواع و اقسام پکوان پکا کر دکھائے جاتے ہیں۔" وقاص فرماں برداری سے جواب دیتا۔

"ویسے چچا آپ کو تو باڈیز ان موشن دیکھنا چاہئے"۔ ایک بچہ شرارتاً ٹپک پڑتا۔

"آپ کو ہروقت اپنے موٹاپے کا غم کھا رہا ہے نا"۔ ایک ٹین ایجر چہکا۔

"چپ بے نامراد! تو خود بھی سکول سے واپس آکر چپک رہتا ہے ٹی وی کے ساتھ۔ سچ بتا کیا دیکھا کرتا ہے تو؟"

"میں بتاؤں چچا"۔ ایک شریر سی بچی بے صبری سے بولی۔

"بچ ایم ٹی وی۔ کلب ایم ٹی وی اور ٹوٹلی ایم ٹی وی پالی۔ یہ پروگرام دیکھتا ہے ویر۔"

"کیا۔ کیا۔ کیا؟" وقاص تھپڑ مارنے کو بڑھا۔

"بکواس کرتی ہے یہ۔ چچا۔ میرا تو مستقبل قریب میں کچھ کمائی ومائی کا پلان بن رہا ہے"۔ ٹین ایجر آئندہ کی متوقع خیالی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے گویا ہوا۔ "لہٰذا میں تو فقط ایف این این پر سے خوشحالی کے گر کا رٹا کرتا ہوں۔ جیسے وال سٹریٹ کاؤنٹ ڈاؤن۔ پریس یوئر لک۔ مارکیٹ ریپ اور فیملی فیوئڈ۔ بمپر ٹمپر اور سپر مارکیٹ سویپ جیسے حساب دان پروگراموں سے مت لیا کرتا ہوں میں۔ ہاں جی!"

"ماشاء اللہ ہماری نئی نسل ہم سے زیادہ ہوش مند ہے۔" عادل امپریس ہوئے بغیر نہ رہتا۔

"بنا رہا ہے۔ یہ ہم سب کو۔ الو کی دم۔ نالائق ہے زمانہ کا۔" اپنے باپ ایاز کی آواز سن کر وہ دم دبائے وہاں سے کھسک جاتا۔

"مجھے معلوم ہے۔ یہ دیوس کیا دیکھتا ہے۔" دلشاد اپنی دیوانی نفیسہ کے کان میں گاسپ سناتی۔ "وہ کیا ہے مقابلہ حسن۔"

"کیا کہہ رہی ہو۔" عادل بیوی کو ٹوک دیتا۔ "تمہارا مطلب ہے یہ حضرت مس ٹین یو ایس اے *پیجنٹ دیکھا کرتے ہیں۔"

"بالکل درست فرمایا آپ نے چچا حضور!" ٹین ایجر جینز کی بیک پاکٹ میں ہاتھ اڑسے نمودار ہوتا۔ "ضرور دیکھتا ہوں۔ اس لئے کہ حسن پرستی کا قرینہ جس کی فطرت میں موجود ہوگا۔ وہ سی پی ایس کے نظاروں اور بت طنازوں کو قطار اندر قطار بس دیکھا کرے گا۔ یقین نہ ہو تو ابھی پوچھ لیجئے دادا جان سے"۔

"کفر تول رہا ہے۔ یہ دوزخ دینہ۔" دادی جو تم پھنکار کرتے اس کے پیچھے لپکتی تو وہ ایک ہی جست میں کھڑکی سے باہر فرنٹ یارڈ میں۔

"بات یہ ہے۔" بڑے چودھری نے خفت مٹانے کے لئے رعب شوب جھاڑنے کی سعی ناتمام کی۔ "امریکی معاشرہ کے سنسنی خیز حقائق سے واقعیت رکھنے کا شوق پیدا ہو چلا ہے' بس ذرا وہ دیکھ لیتا ہوں۔ وہ بے ڈھنگے شو کیا نام ہے۔"

"جیرالڈو شو ابا۔" عادل سے اپنے والد کی خفت برداشت نہ ہو رہی تھی' اس نے فضا کے تکدر کو کم کرنے کی خاطر ساتھ دیا۔ "آپرا ون فرے۔ جینی اور جونز شو۔"

"مجھے تو یقین نہیں آتا کہ ابا کو اس قسم کی واقعیت سے روشناس ہونے کا چسکا پڑ چلا اندر ہی اندر۔" الماس اپنے میاں ایاز کے کان میں پھسپھسائی۔

"کیا باتیں کرتی ہو جی! میں نے اپنی گنہگار آنکھوں سے ابا جی کو لو کنکشن ہارڈ کاپی اور ان سائیڈ ایڈیشن بڑے تجسس و انہماک سے دیکھتے پایا ہے۔" ایاز نے بیوی کو سرگوشی میں جواب دیا۔

"اچھا۔ خود تو آپ ہیں نا ایک دم فرشتہ۔ میں تھکی ہاری تو سو جاتی ہوں۔ رات گئے تک آپ کیا ملاحظہ کیا کرتے ہیں۔" الماس اچانک اونچی ٹون میں بولنے لگی۔

"اری نیک بختے! مجھے تو بس علت ہے' اچھل کود۔ مار دھاڑ جیسے۔ ایکس جمپ سٹریٹ۔ کوانٹم لیپ۔"

"اور آپ عادل بھائی؟"

"بھئی میں تو سنجیدہ چیزیں پسند کرتا ہوں لیری کنگ لائیو اور کارسن۔ اس کے علاوہ نیشنل جیوگرافک میرے ذوق کے لئے باعث تسکین ہے۔ انسانوں کی یاوہ گویوں اور جگریوں کی نسبت جانوروں کے شو فطرت کے قریب تر تو ہیں۔ وائلڈ لائف' وائلڈ امریکہ وائلڈ ورلڈ آف اینیملز میرے پسندیدہ ہیں۔"

"یار بور ہو تم بالکل۔" وقاص نے لقمہ دیا۔ "مائی ٹو ڈیڈز۔ باسم بڈیز۔ امنی

نمبر ٹو اور سائیڈ گگز جیسے پروگرام کیا برے ہیں۔"

"اور تمہارے کیا شغل ہیں ٹی وی سکرین پر وقاص؟" ایاز نے پوچھا۔

"کھیل اور کھلاڑی۔ میں تو اکثر ایشس سی اے۔ ایس پی این سپورٹس چینل سے رغبت رکھتا ہوں۔ بیس بال۔ بولنگ۔ ساکر۔ پاور بوٹ۔ باکسنگ بلکہ ریس کورس وغیرہ۔ اور آپ؟"

"مجھے۔ میری آج کل صحت و تندرستی کی جانب توجہ ہے۔ ایل آئی ایف لائف ٹائم میرا محبوب چینل ٹھہرا۔ انٹرنیشنل میڈ-سن اپ ڈیٹ سے کافی معلومات حاصل ہوجاتی ہیں میڈیکل سائنس کے بارے میں"۔

"پپا آپ ڈاکٹر بنیں گے بڑے ہوکر؟" ایاز کی پانچ سالہ پیاری سی بیٹی نے اطلاعاً" مداخلت کی۔ "مگر میں؟ تو میں ماڈل بنوں گی۔ سپر ماڈل۔ اس لئے آج کل میں ڈانس پارٹ یو ایس اے دیکھ رہی ہوں۔ سنا ہے سپر ماڈل بننے کے لئے ڈانس سیکھنا ضروری ہے۔"

سب کو جیسے سانپ نے سونگھ لیا ہو۔ بغلیں جھانکنے لگے۔

"سنو عاقبت نا اندیشو! آئندہ بچوں کا ٹی وی بند۔" بڑے چودھری نے ہنگامی بنیاد پر فیصلہ صادر کیا' اور تڑپ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میرا خیال ہے۔ ٹی وی بند کرنے سے بات نہ بنے گی۔" دلشاد حوصلہ مندی سے درمیان میں ٹپک پڑی۔ بچوں کے لئے خصوصی ان کے چینل کی حد بندی کردی جائے۔؟

"ہاں۔ ہاں۔ بچوں کے چینل کو مختص کردیا جائے۔" عادل نے حمایت کی۔

"اس معاشرہ میں ان کو ٹی وی دیکھنے سے روکا نہ جاسکے گا۔ یارو! بچے تو ہمارے باپ ہیں ادھر۔ باپ رے! ہم مارے جائیں گے۔ ان پر بے جا پابندیاں قائم کرنے کے اب ہم مجاز کہاں رہ گئے ہیں۔ یہ امریکہ ہے ابا۔ پاکستان نہیں ہے۔"

اگلے ویک اینڈ یہ مقدمہ میرے سامنے پیش ہوا' کہ کم از کم میں یہی مشورہ

دوں کہ چودھری خاندان کی "وڈ بی" ماڈرن نسل کے لئے روزمرہ ٹی وی بینی میں کن احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے یا کم از کم ان کے لئے پروگراموں کی زبانی ایڈیٹنگ ہی کر دوں۔ جو حل میں نے ان کے گوش گزار کیا انہوں نے پورے دھیان سے سنا اور بھونچکے رہ گئے۔ میرا حل یہ تھا کہ بچوں کو فیملی چینل بے شک دیکھنے دو' مگر کم از کم ٹین ایج اور بچوں کے امریکی مقبول ترین "شہدے" پروگراموں کے سم قاتل سے بچائے رکھو۔ میں جانتی ہوں کہ ان کو یہ اعتراض تھا کہ بچے بالغاں کے پروگرام کیسے برداشت کریں گے۔ لفرٹا درحقیقت یہ ہے۔ بچوں کے لئے فیملی چینل کے بالغاں پروگرام بالکل لائٹ ہیں' جبکہ بالغاں کے لئے ٹین ایج ٹی وی پروگرام بنام نکولوڈین ایک دم سنسنی خیز ہیں۔ اور۔ اور بچوں کے لئے بنائی جانے والی پی۔ بی۔ ریٹ فلموں کے بارے میں کیا خیال ہے۔ جسے دیکھ کر والدین شرم سے پانی پانی ہو جاتے ہیں۔ خدا لگتی پوچھیں' تو بچوں کے ہر دلعزیز نکولوڈین پروگراموں نے ان کو سوائے والدین کی نافرمانی اور متشددانہ رویوں۔ بھڑکوں اور نٹ بھانڈ بننے کے کوئی خاص کارروای سرانجام نہیں دے رکھی ہے۔

"تو پھر ہم کیا دیکھیں آخر؟" ایک ٹین ایجر کڈو بڑوں کی گفتگو میں آن ٹپکا۔ "کیا آپ یہ توقع کرتی ہیں کہ اس عمر میں ہم بچوں والے پروگرام دیکھا کریں۔ فن ہاؤس۔ فن ٹاؤن فیئر۔ ڈس کڈ۔ سکوبی ڈوبی۔"

"اور روٹم ٹوٹم۔" اس کی چار سالہ بہن نے لقمہ دیا۔ "بریڈی بنچ۔ گڈ مارننگ مکی۔ ڈمبو سرکس۔"

"کیا تم کو داین سٹریٹ الیکٹریکل بریڈ ڈرن چینل کرنٹ مارتا ہے۔ بچوں کے اس آزمائشی دور کے لئے بیک سٹیج ڈزنی کا دیکھنا ہی سبق آموز ہو سکتا ہے۔ سمجھے!" عادل کے دس سالہ بچے نے اپنی انگشت شہادت کے اشارے سے محفل کی سرزنش کے سے انداز میں کہا۔

"وہ دیکھو! نیا وی سی آر آگیا ہے۔ دو بچے فرنٹ یارڈ سے بھاگتے پوشیو میں

داخل ہوئے۔"

"صرف جائنٹ سکرین ٹی وی سے کام نہیں چلتا۔ اگر وی سی آر کلاس ون نہ ہو۔" وقاص نے پھولی سانسوں اور الجھی آوازوں کے ہمراہ بڑا سا کارٹن صوفے پر لا دھرا۔

"پرانے اپنے ہی کلاس وی سی آر سے کتنا بڑا ستم رہ گیا تھا۔ یہ چار ہیڈ ہائے فائے ایم ٹی ایس سٹریو۔ وی ایچ ایس' وی سی آر ہے۔" اس نے حاضرین محفل کی جانب چہرے کرتے ہوئے اس نئے وی' سی آر کے کچھ اس طرح گن گانے شروع کئے جیسا وہ اس کا مالک نہیں بلکہ سیلز مین ہو۔ "اس کے اندر وڈیو کیسٹ ریکارڈر پلس بلٹ ان آؤٹ انٹر پروگرام کوڈ۔ کیبل آن شٹل کنٹرولنگ ملٹی بینڈ یونیورسل ریموٹ کنٹرول کے لئے سپیڈ ریوائنڈنگ۔ اے وی ہیڈ کلینزاور آٹومیٹک ٹیک لنگ شامل ہے' بلکہ پروسلین کیبل بکس بھی ہمراہ ہے۔"

"چاچا زندہ باد"۔ بچوں نے نعرہ مارا۔ خواتین نے نئے وی آر کے دیدار کے لئے لپک جھپک شروع کردی۔ محفل میں افراتفری کا سا سماں چھاگیا۔

"اب! تمہارا کیا خیال ہے بیٹی؟" چودھری فیض مجھ سے مخاطب ہوئے۔

"اگر آپ کا بس چلے تو اپنے بچوں کو امریکن ٹی وی کی علت بد سے بچایئے۔ سرے سے۔ اگر ایسا ممکن نہیں۔ تب کم از کم ان کی بیس بہاروں کو اس مسمومیت کے ذریعہ کمہلانے نہ دیں۔"

جب میں اس بھگدڑ سے کھسکنے لگی تو جاتے ہوئے ایک مرتبہ پلٹ کر محفل پر نگاہ غلط انداز ڈالی۔ دیکھتی کیا ہوں کہ چودھری فیض متاسفانہ انداز میں دھیمے دھیمے اپنا کلیجہ پیٹ رہا تھا اور کوئی اس کا نوٹس نہ لے رہا تھا۔ سبھی نئے انوکھے وی سی آر کے کنکشن کے لئے بے صبرے ہوئے جاتے تھے۔

چلیں اب ایک گوسپ بھی ہوجائے۔ ہوا یہ کہ وقاص کی بیگم نفیسہ کو امریکن ایکسپریس کے طفیل گاڑی کے لئے ناوائٹل کا سیلولر فون ولا دیا گیا' نہ صرف

ٹرانسپورٹیبل تھا' بلکہ تین سالہ لیفٹ وارنٹی بھی اس کے اندر شامل تھی۔ خریداری کے بعد منٹوں میں فٹنگ کروالی گئی۔ اس سرشاری میں نفیسہ بیگم نے پارک وے پر گاڑی ڈال دی' اور ترنگ میں آکر اس نئے نکور سیلولر فون کا رسم رونمائی کروالی۔ اس سے اپنی نئی سہیلی بد دماغ رجنی کپور جو کہ سکھ بوتیک کی مالکہ ہے۔ کا نمبر ڈائل کیا۔ دائیں ہاتھ میں سٹیرنگ اور بڑے سٹائل کے ساتھ بائیں ہاتھ میں سیلولر فون تھامے رکھا۔ گپ شپ کے آغاز میں ہی ذرا نئے فون کا رعب شوب ڈال رہی تھیں کہ گاڑی کے اندر اس غیر مانوس افتاد کو ہینڈل کرنا دشوار سا محسوس ہونے لگا۔ سپیڈ کنٹرول نہ کر پائیں' اور بغیر وارننگ گاڑی دائیں بائیں لین کے آرپار ڈگمگانے لگی۔ تینوں لین پر گاڑیوں کے تانتا کی وجہ سے چین (زنجیر) ایکسیڈنٹ ہونے میں کوئی کسر نہ رہ گئی تھی۔ دھڑا دھڑ بریکیں لگ رہی تھیں۔ ساعتوں کے اندر ٹریفک پولیس کی گاڑی اس کا تعاقب کررہی تھی۔ "پل اوور پلیز!" کاپ نے تیز و تند الارم اور روشنیوں کے ذریعہ گاڑی روکنے کا اشارہ دیا۔ نفیسہ بیگم نے بمشکل تمام لرزیدہ ہڈیوں سے گاڑی کو پارک وے کے "شولڈر" کے اندر جمایا۔ وہ اس غضب کی سردی میں سر سے پاؤں تک پسینہ میں شرابور ہوگئی۔ سیلولر فون چھوٹ کر کاپ کے قدموں میں آن پڑا۔ باپ رے باپ اس گورے ہلنے کے ساتھ سچ مچ کی انگریزی کیسے بولے بیچاری۔ خیر۔ گاڑی کے کاغذات کی چیکنگ کا مرحلہ شروع ہوچلا تھا۔ انکشاف ہوتا ہے کہ یہ کوئی ڈیڑھ سال سے ہورہا ہے کہ وہ تن تنہا گاڑی لئے اڑتی پھرتی ہے۔ فیل شدہ تحریری امتحان کے فارم کی شہ پر اس تحریری ڈرائیونگ امتحان میں ماشاء اللہ تین مرتبہ فیل ہوچکی ہیں۔ روڈ ٹیسٹ کی باری کبھی آئی نہیں تو نیویارک کا کٹھن ترین ویلڈ ڈرائیونگ لائسنس کہاں سے آتا۔

نیویارک ٹریفک پولیس کے رواج کے مطابق ایک دو تین کاپس گاڑیاں بمعہ رنگین لائٹس اس کی گاڑی کے عقب میں قطار باندھے پارک ہوئیں۔ ان کی بھڑکیلی روشنیوں نے ہر سیکنڈ گزرنے والی مسافر گاڑیوں کو ربڑی گردن کی کیفیت میں مبتلا کئے

رکھا۔ ربڑ گردن محاورۃ اس صورت حال کو بولا جاتا ہے۔ جب ایکسپریس وے یا پارک ویز پر کوئی گاڑی بوجوہ ٹریفک پولیس یا "ہائے وے پٹرول" کے نرغے میں گھری ہو۔ اور تیز رفتار گاڑیوں کے ڈرائیور اپنی رفتار کو ذرا سا دھیما کرکے ایک لمحہ کے لئے گردن گھما کر ایک نگاہ غلط انداز ادھر بھی ڈالتے ہیں۔ اس سے عموماً ٹریفک کی ٹوٹل رفتار معمولی طور پر متاثر ہوتی ہے۔ ان جیسے حالات میں متاثرہ ڈرائیور بھاگا ہوا ایک گاڑی چور تصور کیا جاتا ہے۔ لہٰذا وہ دن پتھر پر لکیر کہ ڈرائیونگ نفیسہ بیگم کے لئے نائٹ میئر بن گئی۔

کاپس نے گاڑی کی نمبر پلیٹ اتار کر ٹوہ کروا دیا۔ اس کے بعد بھاری جرمانہ' عدالت کی پیشیاں۔ تحریری امتحان نامے کا اگلا اجازت نامہ کینسل وغیرہ وغیرہ۔ اوپر سے ایاز بھی لپیٹ میں آگیا کہ مذکورہ گاڑی اور فورڈ رینجر ایکس' ایل' ٹی ٹرک بڑے بیٹے ایاز کے نام رجسٹرڈ اور انشورڈ تھے۔ پر رجسٹریشن اور انشورنس ایکسپائر شدہ۔ ظاہر ہے کہ مزید انشورنس خریدنا جوئے شیر خریدنے کے برابر تھا۔ اس واقعہ نے انشورنس کے ریٹ آسمان پر پہنچا دیئے۔ نفیسہ کی اس فاش غلطی کا مزید خمیازہ ایاز کو اس طرح بھی بھگتنا پڑا کہ اگلے تین ماہ تک اس کے ذاتی ٹرک کو بھی گیراج سے باہر نکالنے کی ممانعت ہوگئی۔

اس ناخوشگوار واقعہ نے بہرحال روزمرہ معمولات اور شاپنگ پر کوئی مندے اثرات نہ چھوڑے' کیونکہ امریکہ میں وقت کو پر لگے رہتے ہیں' اور ان پروں کے سائے میں پلاسٹک منی کے میلے ٹھیلے ہر وقت اور ہر موسم عالم شباب پر ہوا کرتے ہیں۔ کسے ہوش کہ راہ میں ذرا تھم کر خوشگوار یا ناخوشگوار واقعات پر غور و غض کرتا پھرے۔

گھر میں میلے چیکٹ کپڑوں کے انباروں سے ہمپرز بھرتے جارہے تھے۔ ادھر ہاتھوں سے کپڑے لتے دھونے کا ٹائم کس کے پاس ہوتا ہے۔ کبھی کبھی دلشاد اور اماں پبلک لانڈرومیٹ پر چلی جاتیں۔ مگر یہ متمول لوگوں کا رہائشی علاقہ تھا۔ اس کے قریب

تر کوئی لانڈرومیٹ نہ تھا۔ دھلائی نکھرائی کے لئے دور دراز لانڈرومیٹ پر سے ایاز یا عادل کو انہیں ڈراپ یا پک اپ کرنا پڑتا۔ واشنگ مشین واقعی ان کی اولین ضرورت تھی۔ کین مور کی اٹھارہ سو ڈالرز کی مشین سیئرز کارڈ نے ساٹھ ڈالرز کی ماہوار آسان اقساط میں تقسیم کردیں۔ دھلے کپڑوں کی بھاری گانٹھیں خشک کرنے کے واسطے ادھر کوئی الگنیاں تو ہوتی نہیں ہیں۔ لہٰذا واشنگ مشین سے ملتا جلتا اسی کمپنی کین مور کا سیاہ رنگا بارہ سو ڈالر قیمت کا بھاری ڈرائر دھروالیا گیا۔ پینتیس ڈالرز ماہوار آسان اقساط پر۔

برتن دھوتے دھوتے دلشاد کے ہاتھ ایک بڑھیا جیسے کھونڈے دکھائی دینے لگے تھے۔ لہٰذا اسی روز سنتالیس ڈالر ماہوار ادائیگی پر کچن ریڈ کمپنی کا ان گنت خوبیوں والا ڈش واشران کے وسیع کچن کے اندر رونق افروز ہوچکا تھا۔

ہر روز بھاری سے بھاری بھر کم مشینوں کے کارٹن گھر کے اندر یکے بعد دیگرے داخل کئے جاتے' اور محض مٹھی بھر ڈالروں کی اقساط ادائیگیاں! یہ سب گھر کے مکینوں کو تب تمسخر آمیز اور کس قدر ناقابل یقین لگا کرتا۔ ہر خریداری کے بعد مل جل وہ کچھ اس انداز میں ٹھٹھے اڑایا کرتے۔ گویا سٹوروں والے تو نرے گدھے ہیں۔ جن کو بے وقوف بنا کر وہ گھر پہنچے ہیں۔

عام سا پرانے برینڈ کا ریفریجریٹر گھر میں موجود تو تھا' بلکہ اچھی خاصی بھاری ضروریات کو تھامے ہوئے تھا۔ یہاں پر ہر گھر کے اندر خواہ وہ بڑا ہویا ننھا سا۔ کرائے کا اپارٹمنٹ یا ایکڑوں پر کھڑا مات گیج سے خریدا گیا گھر۔ بنیادی ضروریات کی چند ایک سہولیات مثلاً ریفریجریٹر۔ ہیٹرز۔ گرم و ٹھنڈا پانی' کوکنگ یونٹ بمعہ آون۔ کبھی کبھی ڈش واشر اور اے سی بھی مفت موجود رہتے ہیں۔ چودھریوں کی موجودہ پوزیشن نے ان کو مجبور کیا کہ اچھا بھلا چالو ریفریجریٹر اٹھا باہر گاربیج کی نذر کردیا جائے۔ یہ فیشن ایبل انداز انہوں نے خالصتا" ادھر کے پھٹے بگڑے اپنے پرائے امریکہ مقیم بھائی بندوں کی دیکھا دیکھی تکبرا" اپنایا تھا۔ "یار! پھینکو فلاں گاربیج پیں کو باہر۔ اٹھا کر ڈال آؤ کوڑے

کے ڈھیر پر۔ وہ اس نوع کی گفتگو کے تحت فخر سے پھولے نہ سماتے کہ سرعت کے ساتھ امیر یکنائزڈ ہوئے جاتے ہیں ماشا اللہ!

سنٹرل برینڈ سیئرز کی وسیع مرمریں لابی میں داخل ہوتے ہی دائیں جانب پہلا ہی ای مبلغ ساڑھے بائیس سو ڈالر کا محض بیاسی ڈالرز ماہوار ادائیگی کے اندراج پر لو ڈور عظیم الشان ریفریجریٹر سب کو بھا گیا۔ اس کے اندر اس قدر کشادگی تھی۔ کہ کئی گیلن دودھ، اورنج جوس، لسی کے ڈول اور منوں ٹنوں خوراک کو ذخیرہ رکھنا کس قدر سہل ہو چکا تھا۔ جمالین (خاکروب) کا ادھر گھر گھر کا رواج نہیں ہے اور جھاڑو دھاڑو سے کام تو چلتا نہیں۔ اتنے بڑے گھر کی صفائی ستھرائی کوئی مذاق تو ہے نہیں ادھر کین مور کا ویکیوم کلینر مبلغ آٹھ سو ڈالر مگر تئیس ڈالر ماہوار اقساط پر گویا ان ہی کا منتظر تھا۔ ڈیلیکس پاور میٹ ڈبل برش والا یہ بھاری بھرکم کلینر گاڑی کے ٹرنک میں دھروا لیا گیا۔

چھوٹی موٹی روزمرہ ضروریات اس روز سیئرز کے بند ہونے تک باسرعت سمیٹی گئیں مثلاً آئرن بورڈ اور استریاں، پنکھے، مائیکرو ویو ہیومڈی فائر (ہوا کی فالتو نمی کو خشک کرنے والا آلہ)۔

سبحان اللہ۔ آخر میں ماحول کا ٹون رکھنے کے لئے الیکٹرک خوشبودار ایئر کلینر کو بھی ضروری ٹھہرایا گیا۔ تاکہ دیسی کھانوں کی مہک سے گورے ہمسایوں کے مزاج کی فضائی آلودگی نہ ہوا کرے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ گورے ہمسایوں کے کچن اور ڈائننگ روم سے اٹھنے والی مچھلی کے بساند اور بیئر کی سرانڈ پر دیسی بھی ناک بھوں نہیں چڑھاتے۔

وہ نیویارک کے خوبصورت موسم خزاں یعنی ستمبر کے شب و روز تھے اس مرتبہ بھی لیبر ڈے ویک اینڈ کے ساتھ شامل ہوا۔ تو لوگ باگ لانگ ویک اینڈ پا کر پھولے نہ سمائے۔ کہ لیبر ڈے پر طویل فراغت اور آسانی پر لوٹ سیل کے طویل مزے لوٹ سکتے تھے۔ گورے کالے دیسی بدیسی سب نے ان تھک خریداری کی۔ یہ خریداری کر

رہے ہیں اور وہ خریداری رہے تھے۔ لہٰذا ہم اور آپ کسی سے پیچھے کیوں کر رہیں۔ اس لوٹ مار کا اختتامی روز منگل تھا۔ اور یہ اس ہفتہ کا مصروف ترین کاروباری دن تھا۔ خریداری کا نشہ ٹوٹ رہا تھا کیونکہ سویرے سویرے سبھی کو اپنے اپنے سٹوروں کے لئے روانہ ہونا تھا۔ اطلاع ملتی ہے کہ اس پسوڑی والے روز دلشاد بیگم نے گھر بھر کو زبردستی روزہ رکھوا دیا۔ فرماتی ہیں کہ کوکنگ رینج کے تمام برنرز خراب ہو چکے۔ چولہے ٹھنڈے پڑے ہیں۔

پرانے وزنی لمبے چوڑے کوکنگ رینج کو بمشکل تمام گھسیٹ کر باہر سائیڈ وارک پر بطور ٹریش جما دیا گیا۔ ایاز اور وقاص بھوکے پیٹ گھر سے نکلے اور سیئرز کے باہر دروازے کھلنے کے انتظار میں براجمان ہوئے۔ جین ایئر کمپنی کے انیس سو ڈالر قیمت کے کوکنگ رینج پر نگاہیں ٹھہر گئیں۔ اور لنچ سے پیشتر ان کے کچن کے اندر سیئرز کے کارندوں کی کرامت کے ذریعہ چالو تھا۔ اس شام گرما گرم ڈنر کے لئے مجھے بھی دعوت دی گئی مگر میں اس نئے دیدار سے بوجوہ محروم رہی۔

چیزیں، چیزیں، اشیاء چیزاں، چیجاں، رپ، دیکھتے دیکھتے آنکھیں پرباش ہو چکیں۔ سنتے سنتے کان پک گئے۔ مگر نئی خبر یہ تھی کہ خاندان بھرپور ہو رہا ہے آج کل نہ ہر بندے کو اپنی اپنی دل پسند موسیقی سننے کے لئے خوش آواز اور بلند آواز سی ڈی سسٹم چاہئے تھا۔ دن بدن ذوق و شوق کی بلندی نے اب سیئرز جیسے سٹور سے باہر قدم نکالنے کا حوصلہ دیا۔ وہ اپنی مدد آپ کے تحت ٹاور ریکارڈ اور پی سی رچرڈ اینڈ سنز کے مشہور الیکٹرانک سٹورز میں قدم رنجہ ہوئے کوئی ڈیڑھ ہزار کے لگ بھگ ڈالرز کسی ایک کے کریڈٹ کارڈ پر بھروا کر ٹیکنکس کمپنی کا ہائے فائے سسٹم خرید لیا گیا۔ طاقت ور ایمپلی فائز پانچ عدد سپیکرز، تھری ڈائے مینشن ساؤنڈ، پانچ ڈسک گھومنے والے سی ڈی چینجر کے ذریعہ چار ڈسک تبدیل کریں اور پانچویں کو سنتے رہئے۔ ڈبل کیسٹ ڈیک آٹو ریورس اے وی ریموٹ کنٹرول آئی ڈی سکین پھر بھی اتنے بڑے خاندان کے لئے واحد سسٹم ناکافی تھا ویسے بھی یہ سسٹم انگریزی گانوں کے لئے زیادہ موزوں دکھائی دیا۔

چنانچہ دیسی گانوں کا ذوق رکھنے والوں کے واسطے سادہ میگنا واکس کا سٹریو ریکارڈر اے ایم ایف ایم کمپیکٹ ڈوئل کیسٹ سی ڈی ریکارڈر ساتھ ہی چونگے میں ڈال دیا گیا۔ بار بار کون چکر لگائے گا۔ اس سے بچے بھی ہمراہ تھے۔ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی مچل اٹھے۔ کہ کھلونے لیں گے۔ اتنے سوفیسٹیکیٹڈ سٹور میں کھلونے کہاں سے آتے۔ چنانچہ کھڑے کھڑے ان کو مختلف کیمرے خریدوا کا بہلایا گیا۔ اولمپس زوم' نائے کون زوم' منالٹا زوم وغیرہ یہ تمام کیمرے آٹو فوکس' آٹو لوڈ اور ریموٹ کنٹرول ہیں۔ کیمرے پا کر بچے بہلائے گئے اور بڑوں نے سکون کے ساتھ اپنے نئے کھلونوں پر توجہ مرکوز کی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ہم نے اپنی رہائش ہکس ول کے شہر سے "ایسٹ میڈو" ٹاؤن کے لئے تبدیل کر لی تھی۔ نیسو میڈیکل سنٹر جو لانگ آئی لینڈ کا سب سے بڑا کاؤنٹی ہسپتال ہے۔ ہمارے گھر سے پیدل فاصلہ پر واقع تھا۔ لہٰذا بارونق ہمپسٹڈ ٹرن پائیک جو کہ روشنیوں' پلازاؤں' مارکیٹوں' گاڑیوں کے شورومز' بینکوں' ریستورانوں' آئزن ہاور پارک اور ٹریفک بھیڑ بھاڑ کی مصروف ترین شاہراہ اعظم ہے۔ ہماری روزمرہ آمدورفت کا معمول بن گئی۔

چوہدریوں کے علم میں جب یہ بات آئی کہ ہم پلازاؤں کی جنت میں رہتے ہیں تو ان کے ایسٹ میڈو کے چکر شروع ہو گئے۔ بس پھر کیا تھا۔ کلیئر میڈو پلازا' ایسٹ میڈو پلازا ایسٹ میڈومال' میڈو بروک سکوائر باری باری سبھی کھنگالے جانے لگے۔ سروس کیٹلاگ سٹور' گیپ گارمنٹس سٹور' شو ٹاؤن' کے مارٹ کال ڈور' لارڈ اینڈ ٹیلرز' راک باٹم' نیسو مال' لیوی ٹاؤن فلی مارکیٹ' زیکریز' موڈیل سپورٹس' ہوم ڈپو' آڈجاب' وال بم سپرمارکیٹ' کنگ کلن' پاتھ مارک' موڈیل اور فوڈ ٹاؤن جیسی ہیوج سپرمارکیٹیں یہ تمام کلیکسیاں ان کے گھیراؤ میں آ چکی تھیں۔

تیزی سے بندھتے بنڈل اور کارٹن' بڑے بڑے پھولے ہوئے شاپنگ بیگ'

درجنوں جوتوں کے ڈبے، انواع و اقسام پیک شدہ کھانے، تازہ یا ٹن فوڈ کے درجنوں ڈبے، لفافے، لفافیاں، سکین مشینوں سے گذرتے کارڈرز، کارڈز جو دن بدن لمحہ لمحہ کیش کے نت نئے اندراج سے لدے پھندے لاغر و کمزور ہوتے گئے بڑے چوہدری کا ویزا کارڈ پچاس ہزار ڈالرز کا قرضہ دار ٹھہرا۔ دوسروں کے ماسٹر کارڈز، گولڈ کارڈ، کریڈٹ کارڈ درجہ بدرجہ خشوع و خضوع سے دوہرے ہوتے گئے۔ شہدا ماسٹر کارڈ تو اس قدر ٹھونسا گیا۔ کہ آخر میں اس کی حیثیت محض چند سو ڈالرز کی رہ گئی۔ ون فیملی یونٹ سسٹم جو تھا۔ تمام خرچ و اخراجات سانجھے، اس کی بندوق اس کے کاندھے اور اس کا پیسہ اس کے پھڈے، یہ قرضہ خواہ دوسرے کے خرمن و طمع کی بدولت تیسرے کے سر آ چڑھا تھا۔ سود در سود کا پھندا الگ، مگر قانونی طور پر قرضدار وہی ٹھہرا کہ جس کے نام کا کارڈ حاصل کیا گیا ہو۔ خواہ وہ یہ قرضہ پانچ سات سال تک اتارنے کے قابل نہ ہو پائے۔ کارڈوں کے سلسلہ میں "ڈی فالٹر" ہونے کی سزا معمولی نہیں ہے۔ ہر بینک، ہر انشورنس کمپنی، ہر کاروباری اداروں کے فرشتوں کو خبر ہو جاتی ہے کہ آپ ڈی فالٹر قرار دیئے جا چکے ہیں۔ ایک سینٹ کا کاروبار آپ سے کرنے کے لئے کوئی شناسا نہیں رہتا۔ یہاں پر بدلتے ہم وطنوں کی طرح کاروبار کا کیا بھروسہ، کب مندے کا رجحان شروع ہو جائے۔ آج کوئی سٹور گاہکوں سے کھچا کھچ بھرا ہے تل دھرنے کو جگہ نہیں۔ اگلے ماہ "بند ہے" کی تختی کے نیچے جلی حروف میں راج ہو گا۔ "سوری! آؤٹ آف بزنس!" کاروبار ٹھپ ہو جائے تو سب سے پہلے بینکوں والے بے مروت اور طوطا چشم ہو جاتے ہیں۔ اوپر تلے نوٹس آپ کو پوسٹ میں وصول ہونے لگیں گے۔ آپ کی ایک نہ سنیں گے۔ کسی وعدے وعید کا ان کے ہاں پاس نہیں ہے۔ وہ بس ڈالر لسانی کی سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔

غالباً" ایاز کے پاس چکا چوند گولڈ کارڈ تھا۔ وہ ابھی اتنا "نچڑا" نہ تھا۔ میڈو کے پلازاؤں سے اور مارکیٹوں سے جی بھر گیا تو انہوں نے فلشنگ کے الیگزنڈرز اور سٹینز روز و یلٹ فیلڈ مال کے میسی، اے اینڈ ایس، اور جے سی پینی جیسے عظیم الشان

ڈیپارٹمنٹل سٹوروں کی راہ دیکھ لی۔ لگتا تھا خاص کر الیگزینڈرز کا تو وہ کچ نہ چھوڑیں گے۔ کیونکہ خبر مل چکی تھی کہ یہ چین سٹور آؤٹ آف بزنس جا رہا ہے۔ لہذا اب کے لیل کیش پر بھی بے پناہ ندیدہ پن جاری رہا۔ پہلے جو بھی گھر میں تھا ڈبل ٹرپل ہونے لگا۔ آئیڈیا یہ تھا کہ کوئی بندہ بشر اس پریوار کا خالی ہاتھ رہ نہ جائے ہر ایک کے حصہ میں ہر لٹرم پٹرم آنا چاہئے جو بچ رہے گا کل کلاں کے لئے ذخیرہ کر رکھیں گے۔ ایسے مواقع روز روز کہاں ہاتھ لگتے ہیں۔ وہ بھی امریکہ کے اندر جہاں پر راتوں رات الیگزینڈر جیسا عظیم الجثہ سٹور بند ہونے والا تھا۔

حرص و ہوس، مادے کی بے تابی بڑھتی چلی گئی۔ قدم بڑھاؤ ساتھیو! کسی سے پیچھے کیوں رہ جائیں۔ آگے اور آگے ایک صبح بروز ہفتہ وہ مین ہیٹن نیویارک سٹی جا پہنچے۔ پھر سنا نیو جرسی کی جانب دوڑیں لگ رہی ہیں کہ نیو جرسی سٹیٹ کے اندر اشیاء پر ٹیکس معاف ہے لہذا وہاں پر چیجاں (چیزیں) بلاٹیکس خریداری کی بنا پر سستی ہیں۔ کسی کو باؤلے کتے نے کاٹا ہے کہ بلاٹیکس خریداری کی نعمت سے محروم رہ جائے۔

وقاص اور ایاز کو اپنی ڈیلی (فوڈ سٹور) کی خاطر ڈلیوری اور کیٹرنگ وغیرہ کے جھمیلوں میں بڑے وہیکل کی ضرورت تھی لہذا دو سو بارہ ہارس پاور بتیس سو پاؤنڈ وزن اٹھانے کا اہل چار دروازوں والا ٹیوٹا لینڈ کروزر بھی ان کے کشادہ ڈرائیو وے پر لینڈ ہوا۔

ایک روز خبر ملی کہ گھر بھر کو امریکہ کے فیشن ایبل مرض نے بھی آ لیا ہے یعنی الرجی۔ سبھی کورس میں چھینک اور سونک رہے ہیں۔ سروں پر کسوائے باندھ رکھے ہیں!

فزیشن کو بار بار تبدیل کرنا یہاں پر ناممکن ہے لہذا ادویات تبدیل ہونے لگیں۔ غسلخانوں کے تمام میڈیسن کیبنٹ اینٹی الرجک سیرپ، گولیوں، کیپسولوں سے بھرنے کے بعد دوبارہ خالی ہوئے اور ان کے معدوں میں اترتے چلے گئے۔ ایک روز مزاج پرسی کے خاطر میرا ان کے ہاں جانا ہوا۔ تو مشورہ دیا کہ "وہائٹ گوز" اصلی ڈاؤن

(پروں والے) کے تمام تکئے، کمفرٹر (لحاف) گدے، بلکہ جیکٹ وغیرہ سے کچھ عرصہ نجات حاصل کر کے اور ان کو سٹور روم میں لے جا کر پچھواڑے کی کلازٹوں کے اندر ڈمپ کر دیا جائے۔ پہلے تو میرا یہ مشورہ ان کو بالکل بے جا بلکہ ناروا محسوس ہوا۔ کچھ روز مزید بیت گئے۔ ان کا فریشن ادبھ گیا اور ہیلتھ انشورنس کمپنی بول اٹھی۔ تب میرے قیمتی مشورہ کو اماں نے سیدھا سادا ٹوٹکا قرار دیتے ہوئے اس پر عمل درآمد پر اصرار شروع کر دیا مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق ان سب نے حامی بھر لی۔ اماں اور دلشاد نے دن بھر لگا کر اصلی وہائٹ گوز ڈاؤن کے تمام پہناوے اور تکئے لحاف کمروں سے غائب کر ڈالے پس اسی روز سے سب کی چھینکیں غائب اور ناک کھل گئے۔ دماغ ہلکے پھلکے، سر درد ندارد، دراصل وہ سب گوزڈاؤن پروں کی شدید الرجی میں مبتلا تھے۔

اکثر ہم وطنوں کے ساتھ کچھ یہی ہوا کرتا ہے مگر وہ گوز ڈاؤن کے فینسی آرام، گرمائش و نرماہٹ کے اس قدر گرویدہ ہو جاتے ہیں کہ چاہتے ہوئے بھی ان مصنوعات کو اپنے تن اور اپنے بستر سے جدا کر نہیں پاتے۔ ایسے لوگوں کے لئے یہ محاورہ عین مطابق ہے کہ "میں تو کمبل کو چھوڑتا ہوں پر کمبل مجھے نہیں چھوڑتا"۔

درمیان میں جاڑا پڑتا تھا۔ طویل سناٹا چھایا رہا۔ ایک صبح بیدار ہوئے تو پتہ چلا کہ باہر گھٹنے برابر برف پڑ چکی ہے۔ کاروں کے انجن جامد، رستے بند، خاموشی، اداسی، سفید نحوست، بے سرا پن، نیویارک کی برف باری مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ آپ برف کی یخ سفیدی کے اندر محبوس ہو کر رہ جاتے ہیں۔

میں ناشتہ تیار کر رہی تھی کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی اس کا تو کام ہے بجنا مگر اس سمے اس کی آواز میں نہ جانے کیوں اس قدر وحشت و کرختگی تھی۔ کہ میں نے سچ مچ بوکھلاہٹ کے عالم میں ریسیور اٹھایا۔ دوسری جانب نفیسہ بیگم تھی بے حد گھبرائی سٹپٹائی سی ٹوٹی پھوٹی آواز۔ جلدی جلدی پتہ نہیں کیا کہہ گئی۔ اس کی یہ منمناہٹ میرے پلے نہ پڑی تو ادھر الماس نے شاید زبردستی اس سے ریسیور چھینا۔ وہ بھی بے صبری کے عالم میں گمگمیانے لگی۔ شائد ہچکیوں کے درمیان بول رہی تھی۔ تب

چوہدری فیض کی آواز درمیان میں گرجی۔ وہ دونوں بہوؤں کو اس نالائقی پر ڈپٹ رہا تھا کہ وہ اس نازک لمحہ ڈھنگ سے اپنا متن سمجھا نہیں پا رہی ہیں۔ اور وقت ضائع ہو رہا ہے "بیٹی! میں لٹ گیا اس کالے مادر زادوں نے مار مار کر میرے وقاص کا بھرکس نکال دیا۔ ایاز جب بیچ بچاؤ کی خاطر درمیان میں کودا تو خنزیر کے پتروں نے اس کی دائیں ٹانگ توڑ ڈالی۔ یا میرے مولا! میرے بچوں کی بلا مجھ پر آئی ہوتی"۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ چوہدری چاچا' کس نے؟ کیوں مارا پیٹا وقاص اور ایاز کو؟؟ کہاں اور کب؟"

"دھی رانی! ان کوڑھی حرامزادے' سور کے پتروں نے مار مار ادھ موا کر دیا میرے لعل جیسے بچوں کو' اس کے ساتھ ہی پورا ڈیلی سٹور باہر فٹ پاتھ پر انڈیل کر رکھ دیا۔ اور اس پر طرہ یہ کہ آنے بہانے لوٹ مار مچائی۔ جو بھی جس کے ہاتھ لگا بغل میں اڑس بھاگا۔ پولیس پورے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد پہنچی جائے واردات پر۔ اور آنڈھ گوانڈھ' راہ گیر دور کھڑے تماشائی بنے رہے کسی نے بیچ بچاؤ نہ کیا۔ ہائے ربا! میرے بچے!!"

جس کسی بھی جان پہچان ہم وطنوں کے فون نمبر میرے پاس موجود تھے۔ میں نے جلدی جلدی ان کو اس دلخراش خبر کی اطلاع دی اور ایک گھنٹہ کے اندر ہم دشوار موسم کو پھلانگتے آگے پیچھے بروکلین کی جانب روانہ ہوئے۔ تاحال وقفہ وقفہ سے برف باری جاری تھی۔ اس موسم میں گاڑیوں کو بے حد تکلیف کا سامنا رہا۔ ونڈ سکرین پر بار بار برف جم جاتی۔ جسے اینٹی فریز لوشن بھی پگھلانے سے قاصر تھا۔

آخرکار جب کیرل گارڈن کورٹ سٹریٹ بروکلین کے اس خطرناک زون کے قریب پہنچے تو وہاں پولیس کی بے شمار گاڑیاں اپنی کرخت چمچماتی بتیوں سمیت موجود تھیں۔ وقاص اور ایاز کو پولیس ایمبولینس ہسپتال لے جا چکی تھی۔ سادہ طبیعت چوہدری فیض سردی اور صدمے سے نڈھال ڈیلی کے دروازے سے ٹکا کھڑا اپنے کھردرے کوٹ کی آستین سے بار بار آنسو پونچھ رہا تھا۔ ایک پاکستانی شناسا نے آگے

بڑھ کر اس کے کندھے پر تشفی کا ہاتھ رکھا دوسرے نے اپنا رومال پیش کیا۔ تھوڑی دیر میں کئی ہم وطن مرد عورتوں کا اس کے گرد جمگھٹا تھا۔

ڈیلی کے اندر باہر کا نظارہ اس قدر سوہان روح تھا۔ شیشے' کھڑکیاں' دروازے' کمپیوٹرز' شو کیس چور چور کرسیاں' میزیں ریک اوندھے پڑے تھے۔ خوبصورت ڈیلی تہس نہس اندرونی فروش سے لے کر باہر سائیڈ واک کے برفانی کمبل پر جا بجا بکھرے ڈیلی کے تازہ بتازہ رنگ برنگے کھانوں کے ملیدے' نوچ کھسوٹے تازہ چیز کیک' گھریلو تیار کردہ خالص پنیر مختلف اقسام و اشکال میں پکے پکائے پاستا کی ڈھیریاں' کول سلا' ٹارٹیل لینی' سلوی' پاسترامی' پیپرونی' سٹرا مبولی' فیٹوسینی' لنگ وینی' بلاگنا' لاسانگنا (یہ سب اٹالین ڈشیں مرغوب ڈیلی کیسی سمجھی جاتی ہیں)۔ ادھر کوڑا کرکٹ کے ڈرموں سے ذرا پرے ہیم اور ٹرکی گوشت کے سلیقہ سے باریک کٹے کٹائے کولڈ کٹس رل رہے تھے۔ ساتھ ہی سموک شدہ پوک کے بڑے بڑے لوتھڑے' زندہ چوڈار اور سکالوپ ابھی تک پھڑک رہے تھے۔

بلیک ہمسایوں کے چھوٹے بڑے بچے خشک کھانوں سے جھولیاں بھرنے کے لئے کوشاں پولیس کا احاطہ توڑ آنے کے لئے کشاکش تھے۔ براؤنی' کیک' گارلک بریڈ' باکالیکا' بیکون سلائس' پی کین پائے' ناچو' اوٹ میل ریزن اور ماٹ زوفوڈ' نوڈل' پڈنگ' کن کن خوان نعمت کو وہ ترسی نظروں سے تاڑے جا رہے تھے۔ چکن پزولا' مفن کیک' ڈونٹ' بیگل' رولز' پین کیک' ہاٹ ڈاگز رولز کے ادھ کھلے بنڈل ابلے راجماہ کے تھال' ہوگی کے لمبے لمبے رولز' اور تو اور ڈاکوؤں نے تو یہودیوں کے کوشر فوڈ کو بھی بری طرح جوتوں کے نیچے مسل ڈالا تھا اس کی مقدس چالہ ڈبل روٹی جگہ جگہ بکھری پڑی تھی۔ ہمراہ بدبودار بیئر کے پچکے المونیم کے درجنوں خالی ٹن' سرکے اور اچار کے انڈیلے گئے کرچی کرچی مرتبان' کٹھی کریم (ساور کریم) کٹھی میٹھی ڈک ساس' باربی کیو ساس' ایپل' سویا' کرین بیری اور کئی دوسری ساسیں' ان میں کلام ساس (خاص مچھلی کا ملیدہ) اور ایلی شرمپ اپنی سرانڈ کی وجہ سے نمایاں تھیں۔ اردگرد

کھڑے بلیک امریکن چھوٹے بڑوں کے منہ میں گویا پانی بھر بھر آ رہا تھا۔ جسے وہ بار بار نگلنے پر ہی اکتفا کر رہے تھے جب کہ ان ہی کے بھائی بند حملہ آور ڈاکوؤں نے رات کے دوسرے پہر اس بھری پری ڈیلی کی تمام ڈیلی کیٹ سن (نعمتوں) کو ہیپ آف ٹریش میں تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔

پولیس جنگلہ کے حصار کے اندر برف بری طرح مسلی کافی میلی میلی دکھائی پڑی۔ جیسے اس کے اوپر کسی کو دور تک گھسیٹا گیا ہو اور مابعد برف کے گرتے پھوہوں کی ہلکی ہلکی تہ برابر ہو رہی ہو۔ میں نے ایڑیوں پر اچک کر حد نگاہ برف کی سفیدی کے پرے دیکھنے کی کوشش کی۔ ایک سرخ سا سیال مادہ برف کے دودھیا پن کو رنگ دے رہا تھا۔ مجھ پر سردی کی لہر کے ساتھ خوف اور دکھ کی شدید کپکپی طاری ہونے لگی۔ یہ زخموں سے چور ایاز اور وقاص کے خون کے بڑے بڑے دھبے تھے۔ جو رات کو ان کے بے یارومددگار وہاں پڑے رہنے کے دوران رستے رہے ہوں گے۔

ہم بڑے چوہدری کو ہمراہ لے کر ہسپتال کی جانب روانہ ہوئے۔ وہاں کوریڈور میں صوفے پر اماں ڈھیر سی پڑی بالکل ہلکان ہو رہی تھی۔ نفیسہ و الماس کے چہرے خوف سے ستے' آنکھیں سوجھی ہوئیں۔ دور کھڑا عادل گم سم خالی خالی نظروں سے سب کو باری باری گھورے جا رہا تھا۔

یہاں کی ایک ریت ہے کہ جب کسی پر کوئی ابتلاء نازل ہوئی تو تنہا نہیں۔ بلکہ آفتوں کے جم غفیر کے اولے برس پڑتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی چوہدری خاندان کے ساتھ ہونے لگا۔ ایاز ایک ٹانگ سے معذور ہو چکا تھا۔ ظالموں نے نہ صرف اس کی دائیں ٹانگ کی ہڈیاں مڑوڑ توڑ ڈالیں بلکہ اس ٹانگ کو اس بری طرح رگیدا اور باری بوٹوں کے ساتھ مسل ڈالا کہ تمام پٹھے' اعصاب اور وریدیں شریانیں کٹ پھٹ گئی تھیں اوپر تلے کئی اپریشن ہوئے مگر افاقہ نہ ہوا۔ آخر تان پرا ستھیس پر آ کر ٹوٹی۔ وقاص نہایت آہستگی کے ساتھ روبہ صحت ہو رہا تھا مگر دماغی چوٹوں نے اس کی چلبلی تیز و طرار شخصیت کو چکنا چور کر کے رکھ دیا۔ اس سنگین واقعہ نے اسے ایگوروفوبیا میں

جلا کر دیا۔ اپنے گھر کے دروازے سے باہر کی دنیا میں قدم دھرتے ہی وہ کپکپانے لگتا۔ اسے ہر کس و ناکس سے اب ڈر آتا تھا۔ الماس اور نفیسہ بیگم کو رونے دھونے اور آہ و زاری سے فرصت نہ تھی عادل کو امریکہ کے ایک خاص مرض ڈیپریشن نے آ لیا۔ بڑی چوہدرانی نے نماز و تہجد میں پناہ ڈھونڈ لی۔ بڑے چوہدری پر آشوب دھر چہار جانب سے حملہ آور تھا۔ مایوسی کے عالم میں وہ ہر ایرے غیرے کے آگے ذاتی ڈھکے چھپے رازوں کو سرنگوں کرنے لگا۔ کہ گھر ماٹ گیج پر تھا۔ تاحال محض سال دو سال کی اقساط بھری ہیں بلکہ یہ سمجھ لو کہ سود کی ادائیگی ہوئی ہے اور اب بقیہ پینتیس چالیس سال کی اقساط ادا کرنے کے بعد ہی وہ اس عظیم الشان گھر کے قانونی مالک کہلائے جا سکتے ہیں۔ فی الحال اس گھر کا اور ان کی ادا کی گئی اقساط کا مالک بنیا یعنی ان کا بینک تھا۔ فلشنگ والے دونوں سٹورز کی اگلی لیز چھڑانے کے واسطے کسی کے پاس پھوٹی پنی نہ بچی تھی اماں نے اندر خانے جو اپنا جیب خرچ جمع جوڑ رکھا تھا۔ وہ ایاز اور وقاص کی بیماری کے لمبے چوڑے بلوں کی نذر ہوا۔ کیونکہ یہ بل انشورنس کی حد سے کہیں آگے تھے۔

''لوگو! میرا اوج و مرتبہ خاک میں مل گیا''۔ چوہدری ہردم نوحہ کناں رہنے لگا۔

جو اشیاء کیش پر خریدی گئی تھیں۔ ان سب کی رسیدیں گم کر چکے تھے۔ ورنہ ٹنوں منوں کے حساب سے سامان اگر سٹوروں کو واپس کر دیا جاتا تو اچھا خاصا کیش ری فنڈ ہو سکتا تھا البتہ جو رسیدیں سنبھال کر رکھی گئیں کینوبر کیٹلاگ سٹور اور الیگزنڈر ڈیپارٹمنٹل کی تھیں اور شومئی قسمت ان دونوں کی تمام برانچیں آوٹ آف بزنس ہونے کی وجہ سے مکمل بند ہو چکی تھیں۔

چیزیں بھاری چٹانیں بن گئیں۔ جن کو اپنی جگہ سے ٹلانا ہلانا جوئے شیر لانے کے برابر تھا۔ زندگی بوجھل روکھی پھیکی، اداس اور مشکل ترین ہوتی گئی۔ فلشنگ والے سٹوروں کے بھاری سامان کو لیز کی رقم کی ادائیگی نہ ہونے پر اتھارٹی نے سیز کروا دیا۔ جس گھر میں ہر سے خریداری کا ذکر خیر رہتا تھا۔ اب وہاں پر اس بوجھ سے

نجات کے ذریعے سوچے جانے لگے۔ امریکہ میں استعمال شدہ مال و اسباب لوگ ہاگ خرید لیتے ہیں۔ مگر اونے پونے' ایک مرتبہ شو روم سے نئی نویلی گاڑی آپ کے پورچ پر لا کر کھڑی کر دی جائے تو اس کی قیمت نصف رہ جائے گی اور اقساط پر خریدی گئی گاڑیاں کس کھاتے میں۔ اگرچہ کمپنی کو لوٹانے کا ارادہ ہو تو وہ آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں گے۔ کیونکہ اقساط پر لی گئی گاڑیوں کا قرض خواہ بینک ہوتا ہے۔ لہٰذا غیرادائیگی کی صورت میں اس گاڑی کی ملکیت بھی بینک ہی کے پاس رہتی ہے۔

بالفرض محال آپ سال' چھ ماہ سے مستقل مزاجی کے ساتھ اقساط ادا کر رہے ہیں ایک یا زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ ادائیگی مس ہو جائے تو پچھلی ادا کی گئی رقوم سب کی سب کھوہ کھیل' کمپنی والے آپ کی تسلی کی خاطر ایک حل ضرور بتا دیں گے۔ کہ موجودہ گاڑی کو ان کے ہاں ٹریڈ ان کروا کر کوئی دوسری بھلی سی گاڑی خرید لیں۔ یہ ٹریڈ ان کا چکر بھی بس زباندانی حساب کا سا ہوا کرتا ہے۔ یعنی نئی گاڑی کے ہمراہ آپ دوبارہ نئی اقساط اور نئے سودی قرضے کے شکنجہ میں کس دیئے جاتے ہیں بلکہ پرانی گاڑی نہ تین میں اور نہ تیرہ میں۔

کسی بھلے مانس نے نفیسہ اور الماس کو گیراج سیل یا موونگ کی راہ بجھا دی۔ بھولی خواتین اپنے گیراج کے اندر باہر بھاری مال و اسباب سجائے کئی مرتبہ ویک اینڈ پر جمی بیٹھی رہیں۔ لوگ راہ گیر اس چمکتے دمکتے نئے نئے سامان کی کشش پر متوجہ ضرور ہوتے مگر جس طرز پر اس شوق سے خریدے گئے مہنگے بھانڈے ٹینڈے اور فرنیچر وغیرہ کا وہ بھاؤ کوڑیوں کے مول لگاتے۔ اس سے سوائے دل آزاری اور کوفت بیچاریوں کو کیا حاصل ہو سکتا تھا اور گیراج سجانے کے واسطے تڑکے سے بیداری' سامان کی لوڈنگ ان لوڈنگ' رات گئے تک پبلسٹی کی خاطر ہر گلی کوچے کے ماتھے پر اشتہاری پوسٹر وغیرہ کا چسپاں کرنا الگ تماشا اور سر دردی۔

یہ فطرت کا کھیل ہے کہ کسی بندہ بشر کے لئے یکساں زمانہ نہیں رہتا۔ اور زمانے کے زیر و بم تب اچانک ان پر کڑوی کسیلی حقیقت کا انکشاف کر دیتے ہیں کہ

ماٹ گیج پر خریدا گیا گھر محض ایک ہوائی قلعہ ہے اور اس ہوائی قلعہ کے اندر باہر کچھ بھی اپنا نہیں۔ ادھر۔ کیا؟ کچھ اپنا ہے کیا؟ خبر نہیں کس کا ہے۔ مگر بظاہر اپنا۔ مگر جلد یا بدیر پرایا۔ شاید سٹوروں کا ہے۔ بینکوں کا ہے۔ ہے تو یہ ڈالر گیم تماشا۔ جب تک ڈالر آپ کی ہتھیلی پر کھیل کا میدان باوا کی ملکیت لگتا ہے۔ مانو سارا یہ جہان ہی اپنا سا ہے۔ ڈالر ہتھیلی سے پھسلا نہیں کہ بینک بے نوا ہو جاتے ہیں۔ سٹوروں والے سوتیلے کا روپ دھار لیتے ہیں۔ لیز پر دینے والے باؤلے کتے کی مانند کاٹنے کو دوڑتے ہیں۔ دور مت جایئے آپ کے پیارے عزیز و اقارب میٹھے براداری کیمونٹی جان پہچان والے بچھ بچھ جانے والے شناسا اور دم بھرنے والے ہم وطن سبھی اچانک آپ سے دامن چولی بچاتے پھریں گے۔ کوئی پرسان حال نہیں رہتا۔ سب اچانک اپنی اپنی کھوکھلی دنیاؤں میں مگن بے حد مصروف بزی ہو جاتے ہیں۔ سلمیت' تریاہٹ' واہ ری ملمع سازی' خود فریبی' ریا' دوغلہ پن' ابن الوقتی' اشیاء۔ اشیاء۔

"اگر بندہ ان بے جان اشیاء کی اصلیت کو بروقت پہچان لے تو اس قدر گھاٹے میں نہ رہے"۔ یہ فلسفہ چوہدری نے ایک روز اپنے تمام اہل خانہ کے روبرو بیان کیا۔ تب ان کی سمجھ میں بخوبی آ گیا۔ مگر تب..... تب.... بہت تاخیر ہو چکی تھی۔

بہرحال کٹھن ترین مرحلوں سے جو چند ہزار ڈالرز کسی نہ کسی صورت اکٹھے کئے گئے وہ بمشکل تمام اس گنتی میں تھے کہ خاندان بھر کے لئے پاکستان واپسی ہوائی ٹکٹوں کا کرایہ پورا کیا جا سکے۔ بقیہ بھاری بھر کم اور نہایت قیمتی مال و اسباب کا انجام کیا ہوا۔ بڑے چوہدری کے آرڈر پر "جب سارا جاتا دیکھیو تو آدھا دیجئیو بانٹ" لٹا مال کی سو پا کر ایک مرتبہ پھر دوست و احباب جھانکنے لگے۔ شاہ جیونہ اور برچک کوڑیانہ پنجاب میں چوہدری فیض کی بچی کھچی تھوڑی بہت زرعی زمین باقی تھی۔ لہٰذا ان بے نوا پنچھیوں کی پرواز کا رخ اب ادھر ہی تھا۔

رخصتی کے وقت ایئرپورٹ پر ان کو سی آف کرنے والوں میں صرف میں ہی موجود تھی۔ "بیٹی! آج تم سے ایک ذاتی سوال کروں گا۔ اگر اجازت ہو؟"

"ضرور چاچا"

"بیٹی.... جب میرا کنبہ ببول کے پیڑ بو کر آم کی آس کے لئے بے حد و حساب خوش فہم تھے۔ میرا دھیان کبھی کبھی تمہارے خاندان کی جانب اٹھ جاتا۔ اور سوچ بچار میں پڑ جاتا۔ کہ تم لوگ امریکہ آ کر بھی اس قدر سادہ زندگی بسر کر رہے ہو۔ آج یہ بات ضرور سمجھاؤ کہ تمہارے بچے اس محنت و لگن کے بعد اس بے مروت' ناپائیدار سرزمیں سے کیا آس لگائے بیٹھے ہیں۔

"چوہدری چاچا!" میں نے دھیرج سے جواب دیا۔

"میرے بچوں نے ادھر اشیاء اور دھن دولت کو نہیں اپنایا اور نہ امریکیت کا غلاف اوڑھنے میں فخر محسوس کیا ہے وہ محض علم کو اپنانے کی دوڑ میں شامل ہیں اور آپ نے بچپن میں اپنے پرائمری سکول کے استادوں کی زبانی بیسیوں مرتبہ کچھ اس قسم کے اقوال زریں سنے ہوں گے کہ علم کا زیور ایک پھول کی مانند ہلکا پھلکا جس کو پہنے کہیں بھی سفر کیجئے مگر وفادار اس قدر کہ کوئی چور اچکا رسہ گیر اس کو آپ سے چھین نہ پائے"۔

"دھی رانی! یہ مت تم نے میرے بچوں کو کبھی نہ دی؟" اس نے کف تاسف ملے۔

"یہ مت میں نے ایک سے زیادہ مرتبہ دی تھی ان کو' مگر آپ کے بچے آپ کی اولاد وہ سب کے سب بڑے مومرز ہیں۔ خود فریبی ان کا خاصہ ہے"۔

"کیا جواب دیا تھا انہوں نے؟"

"ان کا ٹکہ سا جواب تھا کہ جن کے پاس دھن دولت کے انبار ہوں ان کو یونیورسٹیوں میں دھکے کھانے کی کیا ضرورت امریکہ آن کر کے"۔ یہ سن کر چوہدری فیض پشیمانی اور رنج و غم کا مرقع بنا کچھ لمحے کھڑا رہ گیا۔

"صد حیف! دھیرا سو گہرا۔ عاقل کو اشارا احمق کو پھٹکارا"۔ لابی میں داخل ہونے سے پیشتر چوہدری فیض نے اپنی خلجان اور پریشان اولاد کی سمت غصہ کے عالم

میں جملہ پھینکا۔ جو وہ اس سے کچھ کر بھی لیتے تو ان کے لئے اب بے معنی تھا۔

کچھ دیر بعد کینیڈی ایئرپورٹ پر ایک مرتبہ پھر وہ ان کو بشکل زنجیر بھیڑ بھاڑ میں آگے اور آگے کھینچتا پی آئی اے لاؤنج کی جانب بڑھتا آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ تب مجھے اچانک ایک دل آزار خیال نے آ گھیرا' اف! وہ گھڑی جب وہ گٹھڑیاں بھر بھر روپیہ پیسہ امریکہ لائے تھے۔ کس قدر طمطراق کے ساتھ اور اب وہ بالکل خالی ہاتھ اس سرزمین کو چھوڑ رہے ہیں۔ امریکی بینک کارڈوں اور سٹوروں کے ڈالرز کے قرضہ کے جو انبار ان کے سر واجب الاداء ہیں۔ ایک سینٹ ادا کئے بنا یہ لٹے پٹے' بھولے پردیسی' الٹا چوروں کی مانند اس چکا چوند دھرتی سے کھسک رہے ہیں۔ یہاں جہاں ان کی آخری پونجی تک' شعوری یا لاشعوری طور پر انہوں نے ازخود دوسروں کی نوچا کھسوٹی کے حوالے کر دی۔ جس کشش سراب نے ان کو شاہ سے گدا کر کے چھوڑا۔ آج وہ اسی کے مجرم تھے۔

"گڈ مارننگ امریکہ!" سامنے ٹی وی پر اناؤنسر کہہ رہا تھا۔

○☆○

رولر کوسٹر

رولر کوسٹر کے گھن چکر

مارگیج کا گھر

ایپ کارٹ سنٹر کی فضا میں معلق دنیا کا سب سے
بڑا کرسٹل گولہ

مارگیج کا گھر

پیٹ شاپ
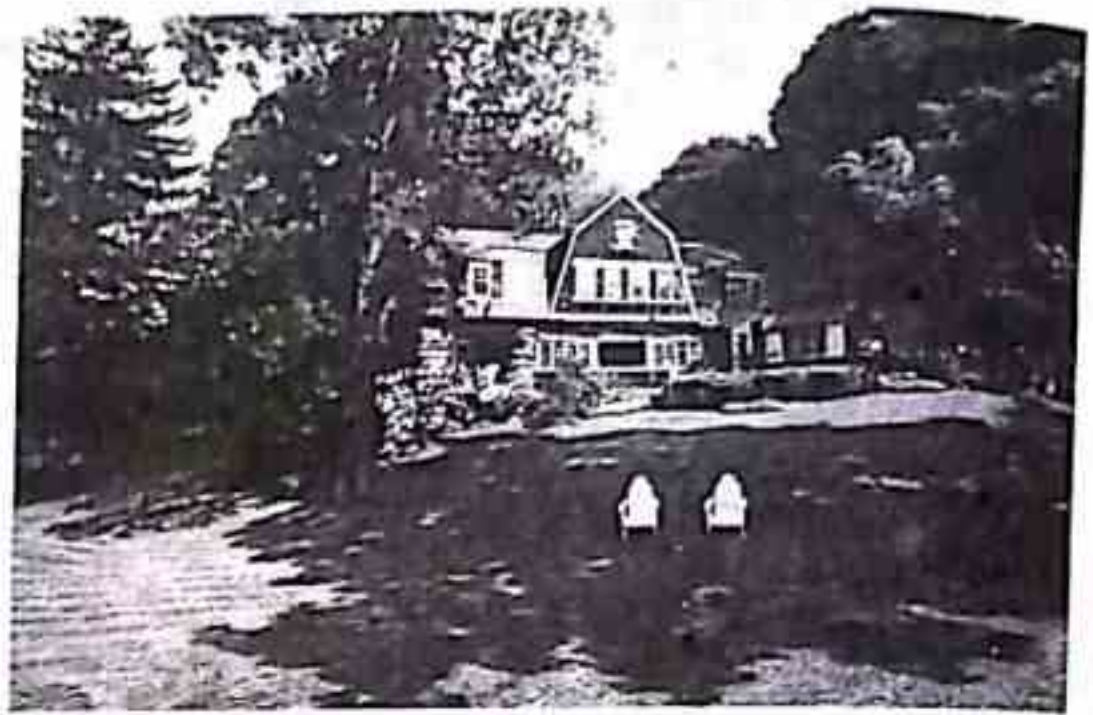
ایپ کاٹ سنٹر ڈزنی ورلڈ

ہیوی میٹلسٹ ہارڈ راک سنگر
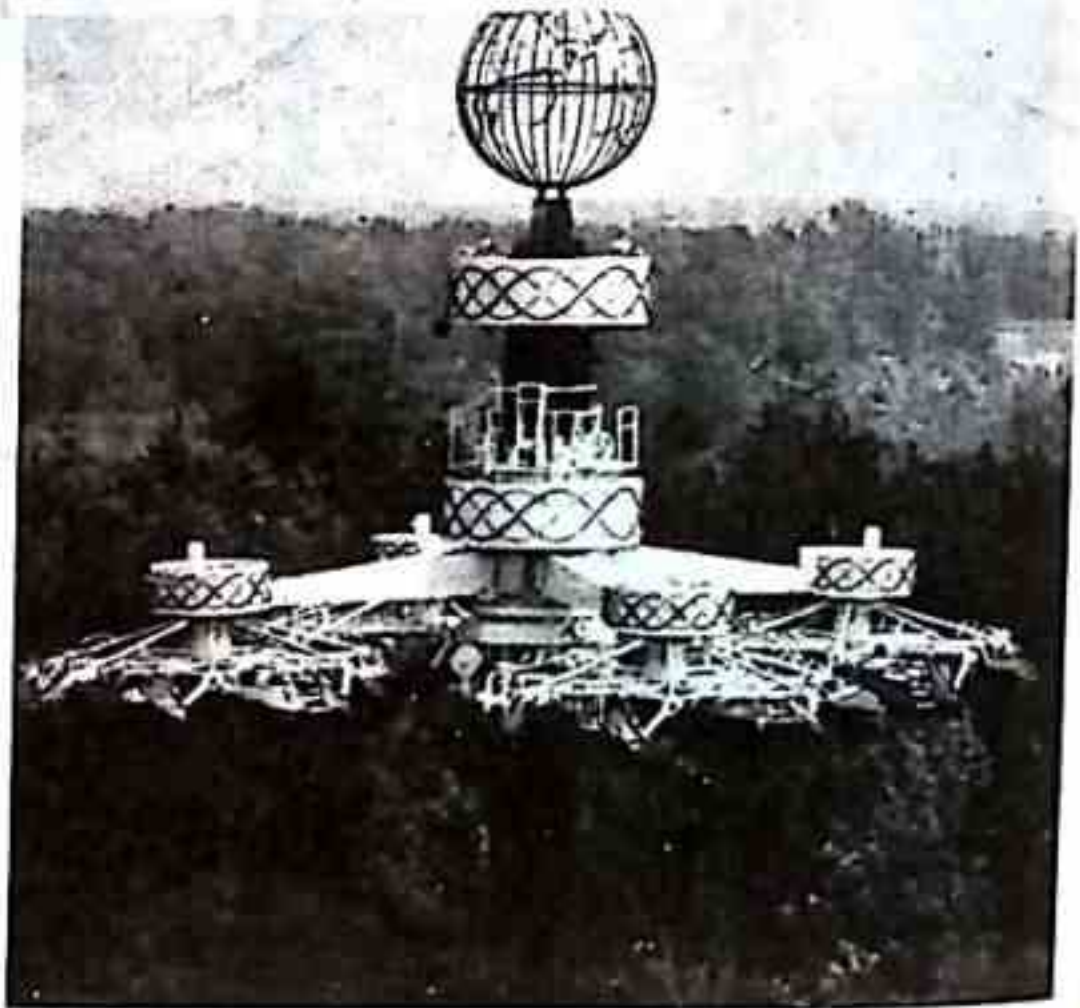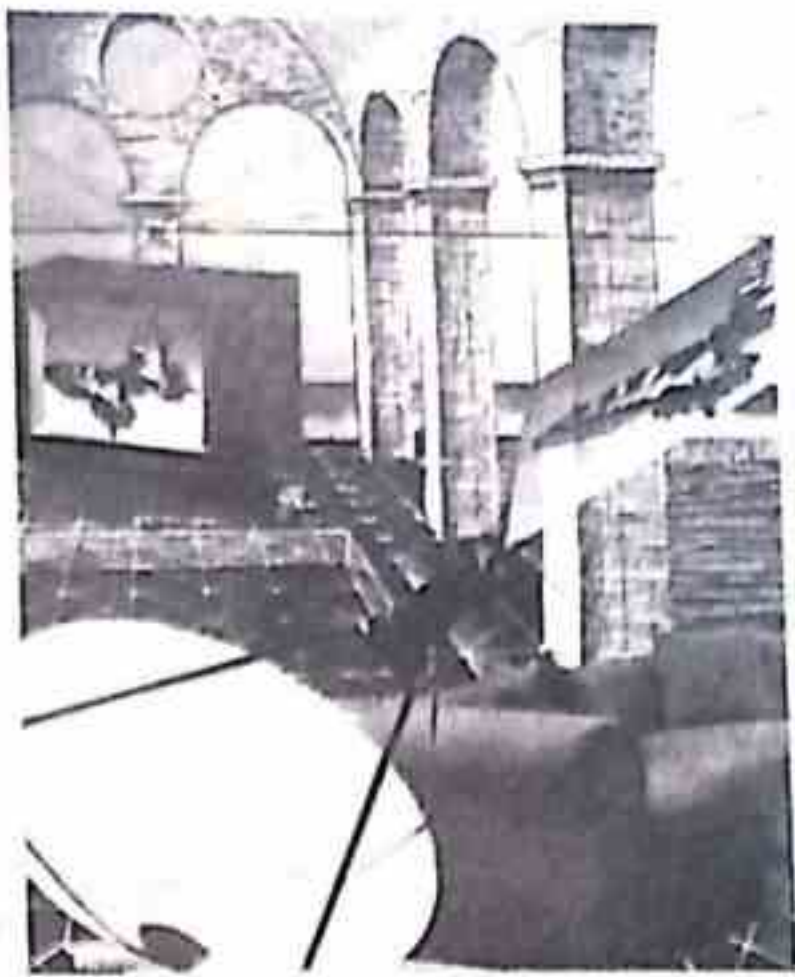
ٹائن ہیڈرڈ نمبر نئی ٹیکنالوجی

نئی ٹیکنالوجی

پیٹ شاپ

ہیوی میٹلسٹ
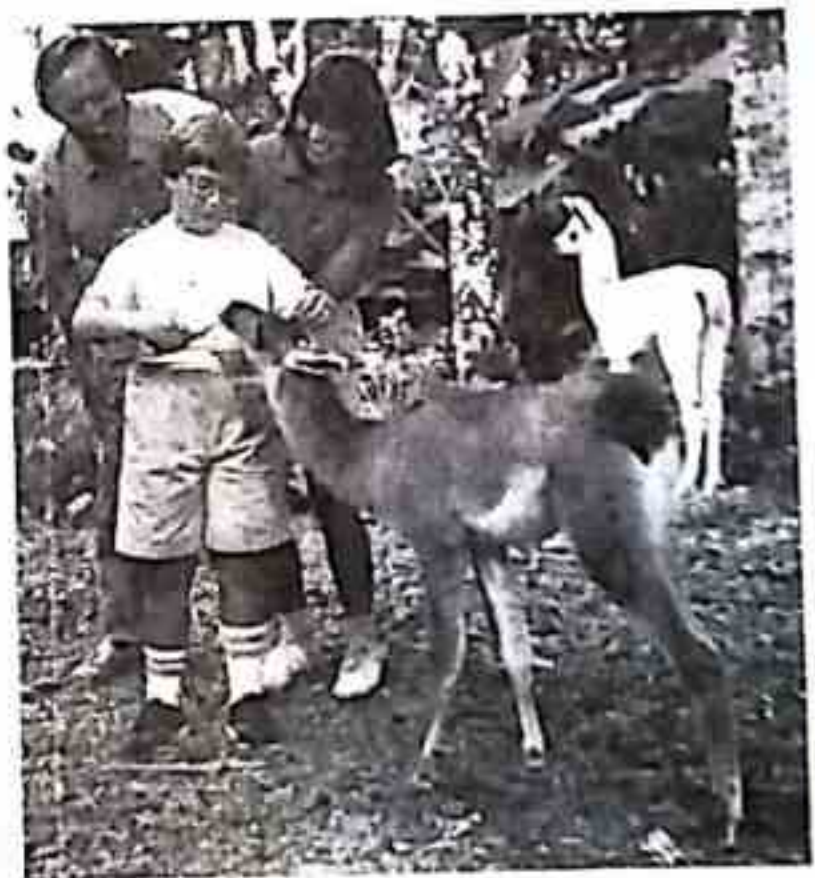
پیٹ شاپ

رولر کوسٹر

آہ! کھولا کس ادا سے تو نے داو رنگ و بو
میں ابھی تک ہوں اسیر امتیاز رنگ و بو

اقبال

راجہ داؤد تنولی انتہائی ذہین، محنتی اور تعلیم یافتہ بزنس مین تھا۔ اس کے والدین ذات کے تنولی تھے۔ جائے پیدائش تنول۔ ضلع ہزارہ۔ بعد ازاں خاندان بھر راولپنڈی اٹھ آیا۔ وہاں پر انہوں نے مل جل کر فیبرکس کے کاروبار میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی پائی۔ باڑہ مارکیٹ اور موتی بازار میں ان کا بزنس پھل پھول رہا تھا۔ چند ہی برس میں داؤد کے چاچا تایا نے اپنے حصے بخرے کر لئے۔ برسہا برس کی تگ و دو سے ہر ایک نے اس قدر ذخائر کر لئے تھے کہ اپنا اپنا کاروبار، گھربار اور اولادوں کے حصے کا الگ الگ پلاٹ سیٹلائٹ ٹاؤن کے اندر۔

وقت کے ساتھ ساتھ ان کے بچوں نے خوب ترقی اور خوب تعلیم حاصل کی۔ ان کے درمیان داؤد حد درجہ کا تیز و طرار اور ذہین و فطین ثابت ہوا۔ اس کا سلسلہ تعلیم بھی بزنس ہی کے ساتھ منسلک تھا۔ ہونہار طالب علم تھا۔ چنانچہ پہلے کالج لاہور کیمپس سے تعلیم مکمل ہوتے ہی بڑی دھوم دھام کے ساتھ والدین نے اس کی منگنی ایک امیر کاروباری خاندان میں کر دی۔

راجہ داؤد کی ماڈرن سوچ نے والد کے کاروبار میں تھوڑے ہی عرصہ میں نکھار دے دی۔ اب ان کے بزنس کی وسعت اسلام آباد کی مارکیٹوں تک جا پہنچی تھی۔

نئے زمانہ کے نئے اور پوش سٹورز۔

ان ہی دنوں کا ذکر ہے کہ داؤد خان کا ایک پرانا رفیق اور ہم جماعت امریکہ سے سی پی اے کی ڈگری حاصل کر کے واپس پاکستان پہنچا۔ وہ بھی اپنا بزنس ادھر سٹارٹ کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس سلسلہ میں اس کو داؤد کے صلاح مشورہ کی ضرورت درپیش تھی۔ دوستوں میں اکثر راہ و رسم رہنے لگی۔ باتوں ہی باتوں میں داؤد اپنی جگہ اس راز کی کھوج میں تھا۔ کہ امریکہ میں لوگ راتوں رات کیونکر اور کس الٰہ دین کے چراغ کے ذریعہ ملینیئر بن جاتے ہیں۔ اس کے دوست وقاص نے کمال فراخدلی کے ساتھ بزنس پروفیشنلز کے ترتیب دیئے گئے طلسمی کھاتے گھول گھول اس کے بھیجہ کے اندر انڈیلنے شروع کر دیئے۔ وقاص نے کچھ فارمولے اسے تحریر بھی کر دیئے اور ہدایت کی کہ ہر رات سونے سے پہلے کمرہ بند کر کے اطمینان کے ساتھ اس پلندے کی چھان پھٹک کر لیا کرے۔

راجہ داؤد صاحب پر عجیب بے قراری کا عالم طاری رہنے لگا۔ گھر والے بھی اس کے رویہ کو نوٹ کر رہے تھے۔ کہ وہ اپنے کاروباری تقاضوں سے ایک حد تک لاپروا ہورہا تھا۔ داؤد اپنے بڑے چھوٹے کی نصیحت کو دونوں کانوں سے نکال اپنے بزنس سے بے نیاز ہفتوں امریکی تجارت اور سوداگری کے طلسم خانوں کے اندر سرگرداں پھرتا۔ایک روز اس نے باور کر لیا۔ کہ اس کے روشن ترین مستقبل کا راز امریکہ کی "وال سٹریٹ" کے اندر پنہاں ہے۔ وقاص نے بھی ترغیب دلائی کہ ایسی شاندار بزنس ڈگری محنتی فطرت اور غیر معمولی ذہانت کا مالک ہونے کے باوجود وہ یہاں بیٹھا کیا کر رہا تھا۔ "یار میرے!امریکہ تو بس تم ایسے ذہن و فطین لوگوں کی سواگت سوجاں کے لئے چشم براہ ہے"۔دوست کی جمع منفی کا نیٹ ورک۔ اور سونے پر سہاگہ کہ خوبصورت لفاظی ترغیب نے کام کر دکھایا۔ داؤد نے اگلے چند ماہ کی سر توڑ کوشش کے بعد ویزا حاصل کر ہی لیا۔ اپنے پرائے سر پیٹتے رہ گئے۔ چھوٹی بہنوں کے داود کی عنقریب سہرا بندی اور گھوڑی چڑھنے کے خواب پاش پاش ہو گئے۔ اس نے

ایک نہ سنی۔ وہ ان سب کنوئیں کے مینڈکوں کا دل ہی دل میں ٹھٹھا اڑاتا۔ جہاز میں سوار یہ جا وہ جا۔ سیدھا امریکہ جا پہنچا راہ بھر یہی سوچ سوچ زیر لب مسکرایا کیا۔ کہ ان نادانوں میرے اپنوں کو کیا معلوم کہ امریکہ میں ملینئر بننے کا طلسمی راز میرے ذہن کے نہاں خانوں میں محفوظ ہو چکا ہے۔ ایک پاور فل منی جنریٹنگ پلان۔

ایئرپورٹ سے سیدھے اس کا رخ مین ہیٹن سٹی کی جانب تھا چند روز ایک عزیز کے ہاں اقامت پذیر رہا۔ پھر اسی کی مدد سے جلد ہی اپ ٹاؤن مین ہیٹن کی ایک کمپلیکس اپارٹمنٹ بلڈنگ میں سنگل بیڈ روم اپارٹمنٹ کرایہ پر حاصل کر لیا۔ ایک تو کرایہ زیادہ تھا۔ اور نیچے سٹی کی تیز رفتار۔ شوریدہ اور کرائمز سے بھرپور بھانت بھانت مخلوق کا اژدھام۔ چند ہی دنوں میں اس کی سٹی گم ہو کر رہ گئی۔ سفر کے جیٹ لاگ سے دنوں نجات نہ پا سکا۔ ساتھ ہی ہوم سک نیس نے بھی آ لیا۔ پھر اس نئی دنیا کے گرانبار اور نرالے رنگ و ڈھنگ۔ طور طریقوں سے وہ قطعی نا واقف۔ گھر سے ہمراہ لایا گیا سرمایہ با سرعت گھٹنے لگا۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ اپنے ایک دور پار کے ماما سے رجوع کیا۔ جو مین ہیٹن سٹی کے اندر عرصہ سے ٹیکسی ڈرائیونگ کرتا تھا۔ ماما ایک گھاگ بندہ تھا اسے جب داؤد کے اس پاور فل منی جنریٹنگ پلان کی خبر ہوئی۔ پہلے تو اسے احمقوں کی جنت قرار دیتے ہوئے دل میں ہنس دیا۔ پھر سوچی سمجھی تدبیر کے مطابق داؤد پر چھا گیا چنانچہ ذہن اور سرمایہ داؤد کا۔ اثر و رسوخ ماما کا۔

داؤد تب سوشل سیکیورٹی کارڈ کے حصول کا مجازی نہ تھا۔ لہٰذا ماما نے اس کا تمام سرمایہ اپنے نام کچھ اس طرز پر جوائنٹ کر لیا۔ کہ اس اکاؤنٹ کو آپریٹ صرف ماما ہی کرنے کا اہل تھا۔ ماما نے حوصلہ دلایا۔ اور اس پلان کی ابتداء گھریلو بومنگ سیر میل آڈر بزنس سے کی گئی۔

وقاص نے جس طرح ہدایات تحریر کی تھیں۔ ان کے مطابق اسے ایکسائیٹنگ سیل ٹیکنیک پر کام کرنا تھا آپ کو فروخت کیا کرنا ہے۔ اس نقطہ پر زیادہ زور نہ دیا گیا تھا۔ کچھ بھی بیچ ڈالیں۔ ادھر ہر اڈنگ بڈونگ بک جاتا ہے۔ اصل مرحلہ ہے

ایڈورٹائیزنگ کا۔ اور ہمراہ گاہکوں کی میلنگ لسٹ کا سودا۔ ان دونوں کو چمکانے کا حربہ ہے پر تاثر سرکلر لیٹرز اور پبلسٹی پرنٹنگ۔

ایڈور ٹائز کرنے کی خاطر آپ کو مہنگے میڈیا کی جانب رجوع کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس قسم کے میگزین اور بروشرز جن کو یہاں کی اصطلاح میں جنک میل یا ٹریش میل کہا جاتا ہے۔ بے حد سود مند ثابت ہوا کرتے ہیں۔ عوام و خواص اپنے لیٹر باکس میں نت نئے دن بالکل مفت اور عموماً" بذریعہ ڈاک وصول پاتے ہیں۔ اور اندر خانے ٹریش کرنے سے پیشتر پڑھتے ضرور ہیں۔ ان کے اندر بے حد کم داموں پر اشتہار بازی کا پروگرام وضع ہوتا ہے۔ ان کو کلا سیفائیڈ اشتہار بولا جاتا ہے۔

ماما۔ بھانجے نے ان کمپنیوں کی جانب بھی رجوع کیا۔ جو میلنگ کسٹمرز کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتی ہیں۔ یعنی آپ کے اوپر اجنبی گاہکوں سے خط و کتابت کی لسٹ فروخت کرتی ہیں۔ یا کرایہ اور لیز پر چڑھا دیتی ہیں۔ ان گاہکوں کی میلنگ لسٹ جن کے فرشتوں کو خبر تک نہیں ہوتی۔ کہ ان کے اتہ پتہ اور لیٹر باکس کی یہ درگت بن رہی ہے۔

ان کمپنیوں کے بھاؤ کا انحصار اچھی بری میلنگ لسٹ پر ہے۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔ اس مرحلہ میں داخل ہونے کے بعد ایڈورٹائزنگ کے تحت آڈرز وصول ہونے کا امکان روشن تھا۔ اس لئے بقیہ مندرجات جلد از جلد طے کرنے کی خاطر ماما نے یلیو کیب سے دو چار روز چھٹی کر کے داؤد کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ اشتہاروں اور خطوط کی سپرپاور ہیڈ لائنز پہلے ہی گرینچ ولیج کے ایک آرٹ اینڈ ڈیزائنگ کے طالب علم سے نہایت سستے داموں ترتیب دلوائی گئیں۔ سستی پرنٹنگ حاصل کرنا ماما کے لئے کوئی مسئلہ نہ تھا۔ ڈاک خانہ سے بلک ریٹ خرید کر اسے فرسٹ کلاس میل کی شکل دینا معمولی بات تھی۔ "مگر" ماما نے مت دی۔ "ان خاص الخاص گاہکوں کی خاطر ہم کو فیڈریل ایکسپریس ڈیلیوری سسٹم کے در پر بھی جانا پڑے گا کبھی کبھی۔ وہ گاہک جو اچھی رقوم خرچ کر کے ہم سے مال منگوانے کے خواہشمند ہوں گے"۔

کوئی تیسرا ایمپلائے بھرتی کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ ماما بھانجہ بالکل کافی تھے۔ پرکشش الفاظ اور دلکش اشتہارات' سچائی سے بھرپور خطوط۔ یہی حربہ جات ہیں اس بزنس کے۔ ملینئر بننے کی پہلی سیڑھی۔

"جو گاہک ایک مرتبہ پھنس جائے۔ برسات کے پتنگوں کی مانند اس کو گھیر لینے ہی میں عافیت ہے"۔ ماما گاہے بگاہے اس کو سمجھاتا۔ کیش ادا کرنے والے کسٹمر پر آئندہ بلا جھجک مہنگا سامان فروخت کریں گے"۔

"اکاؤ مال کے ساتھ تھوڑا بہت خرچہ تاجر کا۔ مگر اصل قیمت سے کئی گنا وصول کرنے کے ساتھ ساتھ سارے اوپر کے اخراجات گاہک کے سر صحیح کہہ رہا ہوں نا؟" بھانجہ لقمہ دیتا۔

"رائٹو! اس کو ادھر شپنگ اینڈ ہینڈ لنگ جیسا من موہنی نام دیا گیا ہے"۔ ماما جھٹ سے جواب دیتا۔

مال کی خریداری کی دوڑ دھوپ شروع ہوئی۔ داؤد اس سلسلہ میں بالکل کورا تھا۔ مگر ماما ان تمام انڈر گراؤنڈ منڈیوں سے واقف تھا۔ جدھر عوامی امنگوں کے رائج الوقت فیشن کے مطابق انواع و اقسام تازہ بتازہ مگر گھٹیا کوالٹی مینوفیکچرز انتہائی سستے داموں دستیاب تھے۔

پولی ایسٹر' کاٹن اور نائیلان کے زنانہ و مردانہ غیر معیاری گارمنٹس۔ ہوزری اور آؤٹ نٹس۔ بکنی اینڈ انڈر گارمنٹس جیکٹ اور کوٹ۔ گھٹیا ترین وڈیو کیسٹ کے اندر مقید ڈزنی کارٹون ٹائٹل کا سٹاک۔ ہلکے پیتل اور چمڑے سے بنائے گئے ڈائمنڈ ٹریول بلف (نقلی) اور ٹوٹی بیگ۔ وینائل کے سپورٹس اور کیری بیگ۔ میک اپ کٹس' شیو کٹس' ڈفل ٹریول بیگ اور بیرل بیگ' زنانہ و مردانہ کیری آن گارمنٹس بیگ اور سفری سوٹ کیس' سلائی و کڑھائی کی مشینیں (غیر معیاری) کار پاکٹ کلازٹ (دوران سفر گاڑی کا کوڑا کرکٹ ٹریش کرنے کے لئے) پاکٹ سائز شوز بیگ (سفر کے لئے) کروم سے ٹین شدہ چمڑے کے لوازمات (نقلی) ہر رنگ و موسم اور ہر ضرورت

کے لئے غیر پائیدار میٹرل کے دستانے۔ بزنس سپلائیز۔ سستے میگزین سستی الیکٹرانک رسٹ واچ زنانہ و مردانہ و بچگانہ۔ الارم کلاک' ریڈیو کلاک اور وال کلاک (غیر پائیدار۔ کرسٹل ہیٹرز (نقلی)۔ ان ڈور ٹی وی اینٹینا(بے کار) بجلی سے گرم شدہ دستانے اور جرابیں (خطرناک) ٹریڈیشنل برتش سکیل (نقلی) سلم لائن ہیلوجن لیمپ (نقلی)

بچوں کے لئے بھی ضرورت سے زیادہ سٹف تھا۔ بیٹری چارج اور الیکٹرانک کھلونے (غیر پائیدار) اور مقبول عام ڈزنی کہانیوں کے کاسٹیومز۔ ہر رنگ وینائل کے بیک پیک (سکول کے بستے) لیپ سیک (کندھوں کے پیچھے لٹکانے والے ننھے منے سفری بیگ) خوش رنگوں میں ملائم نائیلون کے گدیلے لنچ کٹس (یہ سکول کے دوران لنچ کو گرما گرم رکھتے ہیں)۔

سلی سلائی اور پیک شدہ کاٹن اور لیس کی ویلنس (کھڑکیوں کے پردوں کے اوپر سجاوٹ والی جھالریں) ہینڈ تولیہ سٹینڈ (الیکٹرک) ایتھلیٹ کا ہینڈی سامان اور سستے میٹرل سے تیار کئے گئے ایتھلیٹ شوز۔

نئے زمانہ کی یہ تمام تر ضروریات خاص اقسام کی انڈسٹری تیار کرتی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے۔ کہ چند روزہ استعمال کے بعد ہر شے ناکارہ ہو جائے تاکہ اس انڈر گراؤنڈ انڈسٹریل' کیش فلو میں رخنہ اندازی نہ پڑے۔ یعنی خریداری جاری و ساری رہے۔ مال کی برآمد کے بعد تاخیر بے معنی تھی۔ آڈرز وصولی کی نسبت سے پہلی پہلی پرجوش اور ان تھک پیکنگ دونوں نے مل جل کی ڈاک اور ڈاکیہ کے مرحلہ جات ساتھ ساتھ شروع اور ختم ہوئے۔

اب آگے موقع تھا۔ گھر پر آرام سے بیٹھ کر فقط اور فقط میلنگ (ڈاک) کا انتظار۔ وقاص کے بیان کے مطابق داؤد کا لیٹر باکس (بلا ناغہ) چیک۔ منی آرڈرز اور کیش کے لفافوں سے منہ در منہ اٹا پڑا ہو گا۔ مگر ہوا یہ کہ ہفتہ دو ہفتہ میں محض ان آڈرز کی وصولی ہوئی۔ جنہوں نے شروع میں بکنگ کروائی تھی۔ کسی نے ایڈوانس

چیک۔ منی آرڈر یا کیش ارسال نہ کئے تھے۔ ماما نے داؤد کو مایوسی کی گہری کھائی کی جانب مارچ کرنے سے پہلے ہی دبوچ لیا۔

"یار اس طرح کام نہ چلے گا۔ ہمیں کوئی امریکی سالا یا سالی ہائر کرنا پڑیں گے"۔

"وہ کیوں؟ وقاص نے تو کہا تھا۔ کہ یہ ون مین شو ہے۔ نو۔ ہائرنگ۔ نو فائرنگ"۔

پلے پڑنے سے رہیں۔ لہٰذا کسی سن برن تو بڑے کو وسیلہ کرنا ہی پڑے گا ہمیں"۔

"تاکہ یہ تو بڑا بقیہ میرا سرمایہ دنوں میں نگل جائے"۔

"یار! ایسی ٹاک ٹوئیاں مارتے رہے۔ تو ملینئر بننے سے گئے"۔

چنانچہ ضرورت روزگار کا اشتہار دیا گیا۔ بے روزگار ٹوٹ پڑے۔ جن میں کچھ دیسی بھولے بسرے بھی ادھر آن ٹپکے لیکن ماما اور بھانجہ کے رخ مبارک پر نظر پڑتے ہی رفوچکر ہو گئے۔ خیر داؤد کو پہلی مرتبہ اپنی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ امریکہ کے اندر۔ نیچے بلڈنگ کی لابی میں ماما کی تڑی تھی۔ جاب حاصل کرنے کے خواہشمند حضرات کو اس نے اپنے روبرو لائن حاضر کر رکھا تھا۔ تاکہ باری باری ان کو خواجہ داؤد بتولی کے آگے پیش کیا جائے۔ ملی جلی نسلوں کے اس کیو کا سامنا اور انٹرویو داؤد کو نروس ریک بنائے دے رہا تھا۔ اس نے یہ کیا۔ کہ انٹرویو کی امیدوار اپارٹمنٹ میں داخل ہونے والی پہلی لڑکی کو پہلی سبک اندام، تیز و طراز چھبیس سالہ بلانڈی کو ہائر کر لیا۔ بقیہ کو چھٹی۔

اس بلانڈ حسینہ کا نام تھا ٹارا۔ ٹارانک وہ ہائر ہوتے ہی ان کی فاش غلطیاں گنوانے پر چیں بچیں ہوئی۔

"ایک تو یہ کہ کھرے گاہکوں کے پوسٹل ایڈریس پتے پر نہ لئے گئے ۔ اس سستی خریداری سے الٹا۔

"گراں بہ حکمت ارزاں بہ علت"۔ ماما ڈنکے سے حسینہ کی قطع کلامی کرتے ہوئے داؤد سے ہمکلام ہوا۔

"ول۔ یو۔ شاپ جنٹلمین! ابھی میری بات ادھوری تھی ہاں تو میں کہہ رہی تھی۔ کہ سرد گاہکوں کی لسٹ خریدی گئی۔ جو اس قدر کاہل ثابت ہوئے۔ کہ ماسوائے چند۔ دو سطریں جواب تک لکھنا گوارا نہ ہوا۔ لہٰذا اب ان بندوں کی لسٹ خریدی جائے گی۔ جو ایک دم ہاٹ (گرمجوش) یعنی فوری جھانسے میں آنے والے ثابت ہوں گے۔

"یہ کیونکر معلوم ہو گا۔ کہ وہ ہاٹ ہیں؟" داؤد نے اس کی کرسٹل بلیو بجلی چشم گریہ کی تیز دھار سے اپنی روح کو بچانے کی کوشش میں دبی زبان سے بڑبڑاہٹ ۔ وہ اپنی سیٹ سے اٹھی۔ اور سج سج اس کی اور بڑھنے لگی۔

"پوسٹل ایڈریس کی خرید و فروخت کرنے والی کمپنیاں۔ وہ خط و کتابت کے ذریعہ ان کی رگ و پے کی آزمائش کر چکے ہوتے ہیں۔ کہ یہی ان کا جاب ہے"۔ چونچال بول رہی تھی۔

"خوب" ماما نے داد دی۔ معلوم نہیں چونچال کے غمزوں کی۔ یا کمپنیوں کی دقیقہ شناسی کی۔

"اس کے علاوہ آپ لوگوں نے فقط مال نکالنے کی سوچی۔ پر بونس گفٹس کو درخور اعتنا بالکل نہ گردانا"۔

"وہ کیا ہے؟" داؤد نے تجسس سے دریافت کیا۔

"مرغی کو منکا ڈالنا"۔ ماما نے پھر مداخلت کی۔

"مثلاً" تارا نے ناگواری کے ساتھ ماما کو سرسری دیکھا اور پلٹ کر داؤد سے مخاطب ہوئی۔ "مثلاً" بائے ون۔ گٹ ون فری"۔ (ایک شے خریدو اور دوسری مفت دھروا لو۔)

"اتنا بڑا گھاٹا!؟" داؤد نے سسکاری بھری۔

"آپ گھاٹے کی بات کر رہے ہیں۔ افوہ"۔ وہ سنٹرل ٹیبل پر چڑھ بیٹھی۔ اور ایک خوبصورت ٹانگ اپنی دوسری خوبصورت ٹانگ پر ٹکاتے ہوئے سریلے انداز میں

گویا ہوئی۔ "سنو۔ میری جانب توجہ دو۔ میں آپ کو سمجھاتی ہوں۔ پرل۔ کوہن۔ اور سڑلنگ آپٹیکل کمپنیوں ہی کو لیجئے۔ یہ لوگ عینک۔ فریم اور کنٹیکٹ لینزز کا کاروبار کرتے ہیں۔ عموماً" آنکھوں کا معائنہ فری۔ ایک جوڑا عینک خریدو۔ دوسرا فری پسند کرو۔ ایک جوڑا گرین کنٹیکٹ لینز خریدو ساتھ میں بلیو جوڑا فری آنکھوں کے ڈھیلوں پر چڑھالو۔ از۔ اٹ۔ ناٹ۔ نیس نے تھنگ؟

ادھر" کارل پلیس لانگ آئی لینڈ پر چمڑے کی ایک کمپنی کا نام نظر سے ضرور گزرا ہو گا۔ مینڈی لیدر۔ ان سے کوئی شے محض دس ڈالرز اوپر مالیت کی خریدو تو لپ اسٹک کا لیدر کور، تحفتہ" لو"۔ کئی کمپنیاں خریداری پر چھتریاں۔ ہینڈ لوشن اور لیدر چابیاں بانٹتی ہیں۔ یہ بزنس کی چال ڈھال ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی سوغات تھوڑ دلے، گاہک کا دل موہ لیتی ہیں۔ سیکو گھڑی یا کلاک خریدنے پر ایک قیمتی بال پوائنٹ فری۔ ریویرا دھوپ عینک ضرورت پڑ جائے تو لینز صاف کرنے والی کٹ۔ اگر باسکٹ بھری پرفیوم اور باڈی لوشن کا سیٹ خریدوگے۔ تو پچاس ڈالرز کے لگ بھگ سفری بیگ کاندھے پر ٹکالو۔

"یوئر ڈیول! میری سوہنی دھرتی! مجھے دنیا کھال ادھیڑنے والا قصاب کہتی ہے مگر حقیقت میں کس قدر فیاض ہے اے میرے وطن امریکہ! لوٹ سیل کا بازار بارہ ماہ تیرے دامن میں گرم رہتا ہے۔ کبھی کبھی کوئی عظیم سٹور چار پانچ گھنٹوں کی تیز رفتار سیل لگا کر گاہکوں کی چاندی بنا ڈالتا ہے (اور اپنا سونا!) مثلاً" اے ۔ سی ۔ (الف لا رین۔ برگ ڈاف۔ بینا ٹان، سیک ففتھ ایونیو۔ لارڈ اینڈ ٹیلر۔ پولو۔ گڈمین ففتھ ایونیو۔ ان کی "سیک" سیل صبح سات تا گیارہ بجے پر محیط ہوا کرتی ہے باریک بیں قسم کے حضرات صبح تڑکے روانہ ہو جاتے ہیں۔ چین سٹوروں کی تو پوچھئے مت۔ کرسمس اور آفٹر کرسمس کے علاوہ انواع و اقسام کے ہالیڈے سیل کی فیاضی ان پر ختم۔ ویلنٹائن ڈے۔ ہیلو وین ڈے سیل۔ تھینکس گونگ ڈے سیل۔ گراونڈ ہاگ ڈے۔ لنکن برتھ ڈے۔ واشنگٹن برتھ ڈے۔ ایسٹر ڈے۔ سینٹ پیٹرک ڈے۔ ویٹرن ڈے۔ یوم

آزادیفورتھ آف جولائی۔ ٹیڈی روز ویلٹ ڈے۔ کولمبس ڈے۔لیبر ڈے۔ پریذیڈنٹ ڈے۔ مدر ڈے۔فادر ڈے۔ بڈی ڈے۔ سیکرٹری ڈے۔ بیب ڈے وغیرہ وغیرہ۔

اگر کوڈک کمپنی کی ممبر شپ فری لیں۔ تو معلوم ہے کیا کچھ ہاتھ لگتا ہے۔ ایک سو کوڈک فلم رولز مفت اسی ممبر شپ کٹ کے اندر بچت کی کوپن بک۔ اگر آپ انہی کی نیشنل لیبارٹری سے پرنٹ بنوائیں۔ تو ڈیو یلپنگ چارجز پر کھرے چالیس فیصد رعایت۔ فری میلرز۔ تقریباً" چھتیس والٹ سائز فوٹوز۔ پانچ بائے سات کی دس عدد فری انلارجمنٹ اور آٹھ بائے دس کی چار عدد مزید فری انلارجمنٹ۔ تین عدد مفت فوٹو پزلز۔ پتیس کے لگ بھگ ایم۔ ایم کیمرہ گفٹ سر ٹیفیکیٹس۔

"بی بی! ماما نے سونف سپاری چباتے ہوئے ڈھٹائی کے ساتھ رخنہ اندازی کی۔

"سنو بی بی!"

"وٹ؟ بے بی؟۔ ہاؤ - ڈیئر۔ یو؟"

"بے بی نہیں بی بی۔ ماما نے تم کو بی بی کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ بی بی ہمارے ہاں کسی خاتون کے لئے باعث احترام تخاطب ہے۔ اس کا مطلب ہے مادام۔ میڈم"۔ داؤد نے موقع محل سنبھالا۔

"مجھے خطابات کا کوئی شوق نہیں ہے۔ تم میرے فسٹ نام سے مجھے پکار سکتے ہو۔ ثارا۔ ثارا میرا فسٹ نام ہے"۔

"خیر جو بھی ہے مجھ غریب سے مطلب۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ ایک سو مرتبہ ان سے ڈیو یلپنگ کرواؤ۔ تب کہیں جا کر ایک سو رولز پر تھوڑی بہت رعایت حاصل کرو۔ ساتھ میں کوپن کا گھپلہ بھی خوب ہے۔ اس کے علاوہ سال بھر ممبر شپ فیس ادا کرتے پھرو۔ خواہ آگے آپ کو کچھ بنوانا ہو یا نہیں۔ وگرنہ فری رولز کی خوشی میں بلاوجہ تصاویر کھنچواؤ اور ان کی لیبارٹری کو روانہ کرنے کا شغل جاری رکھو۔ بڑے استاد ہیں یہاں کے تاجر حضرات"۔

"یہی تو آج کا ٹریڈ سیکرٹ ہے۔ بظاہر دو۔ مگر اندر خانہ دونوں ہاتھوں سے

سمیٹ لو"۔

"بھئی! میرا تو خیال ہے کہ کئی ایک بزنس مین کھرے ہیں۔ سچے۔ صاف نیت اور آج کے حاتم طائی۔ اب دیکھو میں اور ماما ایسے ایسے سخی داتا ریستوران مثلاً" شیف الفریڈو۔ ولا پیشا ماریتا۔ سین مار ٹینو۔ عدن ٹیرس۔ کری محل۔ انڈیا گارڈن اور کیا بھلا سا نام ہے اس جاپانی سٹیک ہاؤس کا "تاؤاز"۔ وہاں ہم دونوں اکثر کھانا طعام کیا کرتے ہیں۔ میں اور میرا یہ ماما ان کا نعرہ ہے۔ ایک کھاؤ تب دوسرے کو ہم کھلائیں گے"۔

"یعنی تمہارے ان دوست کو چیریٹی فوڈ طعام کرنے کی لت پڑ چکی ہے"۔

"نہیں۔ نہیں۔ یہ بات نہیں"۔ داؤد نے موضوع پلٹا۔ مبادا کہ ماما اپنی سرشت پر اتر نہ آئے۔ "ہاں تارا! بتاؤ۔ وہ سپر سیونگ سرٹیفکیٹ کا کیا چکر ہے ادھر بڑا دبدبہ سنتے ہیں ان کا بھی"۔

"ہاں۔ہاں۔ سپر ڈسکاؤنٹ سرٹیفکیٹ" تارا رعونت کے ساتھ گویا ہوئی۔ "کبھی نہ کبھی آپ لوگوں کو بھی بذریعہ ڈاک موصول ہونگے۔ ان میں ہوتا ہے کہ مثلاً" امریکن کروزل انٹری کے لئے ایک کا ٹکٹ خریدو۔ ساتھی کو فری کروزل کی رائیڈ دلوا دو۔ بے شمار سائیٹ سیٹنگ جگہوں جیسے سائنس سنٹر آرلینڈو۔ بش گارڈنز فلوریڈا۔ سینٹ آگسٹن۔ سائیٹ سیئنگ ٹرین فلوریڈا۔ پرنس کروز وغیرہ۔ جانتے ہو۔ میں نے بذات خود بالکل مفت انجوائے کیا ہے۔ یہ سب کھیل تماشا۔ محض سپر سیونگ ڈسکاؤنٹ سرٹیفکیٹ کے بل بوتے"۔

"کس کی چیریٹی کے کندھوں پر سوار ہو کر"۔ ماما نے بدلہ لیا۔

"اپنے بوائے فرینڈز"۔ لڑکی نے تڑاخ سے جواب دیا۔ "اور جو یہ گاڑی میری باہر پارک ہے نا ایکیورا۔ اس پر بھی بہت بڑی ڈیل لے رکھی ہے۔ اپنے بوائے فرینڈز کی وساطت سے اس کار کمپنی پر"۔

"آپ کن ڈشکروں سے ہمارا مقابلہ فرما رہی ہیں۔ ہم غریب الوطنوں کا۔ دنیا

کی امیر ترین بزنس کارپوریشنیں۔ عظیم ڈیپارٹمنٹل سٹورز اور موٹر وہیکل کمپنیاں"۔
داؤد بوائے فرینڈز کا ذکر خیر سننے کے بعد بالکل ہی بدمزہ دکھائی دے رہا تھا۔
"چلئے یونہی سہی اگر مسئلہ تھوہڑ پونجی والا ہے۔ تو غم نہیں۔ ایک شارٹ کٹ، تجویز کرتی ہوں"۔ وہ فراخدلی کے ساتھ گویا ہوئی۔ "بزنس کے آغاز میں ہم کو سی او ڈی پوسٹ کارڈز سٹارٹ اپ کر دینا چاہیں۔ گاہک شہد کی مکھیوں کے موافق کھنچے چلے آئیں گے"۔
"ایسا ہی کیا مقناطیس ہے ہمارے پاس"۔ داؤد نے بے یقینی کے ساتھ کہا۔
"یار سن لے۔ جو کچھ کہتی ہے یہ کاکی۔ آخر کو کس مرض کی دوا اسے ہائر کیا ہے ہم نے۔ "گلاں" دی کٹھی ہی توکھاتے ہیں یہ سب گورے اور کالے بھی۔ میرا مطلب ہے وائٹ اینڈ اپنے وہ بلیک امریکن"۔
"سی، او ڈی کا مطلب ہے کیش آن ڈلیوری"۔ وہ وقفہ دے کر ان کو سلیقہ کے ساتھ سمجھانے لگی۔ "ہماری آنسرنگ مشین پر کسٹمر اپنا نام۔ ایڈریس یا محض فون نمبر چھوڑے گا۔ اس کا آڈر روٹین کے مطابق اس کو شپنگ کے ذریعہ بھجوا دیا جائے گا۔ فرق یہ ہے کہ مطلوبہ پیکٹ اس کے در پر پہنچنے پر ہی اس کو ادائیگی کی زحمت دی جائے گی۔ فائدہ یہ ہے کہ آڈر بک کروانے سے پیشتر وہ خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کے اہل ہوں گے اور اپنے متوقع پیکٹ کے انتظار کی سرشاری کے زیر اثر یہ ادائیگی ان کو بوجھ محسوس نہ ہو گی۔ لہٰذا پیسہ خرچ ہونے کے متعلق غور و فکر کا ان کے پاس وقت نہیں رہ جاتا اس طرز پر۔ اور ہاں اس کا ایک نفیس انداز بھی ہے کہ کسٹمر کا فون آڈر ریسیو کرنے کے بعد اس کو ایک کارڈ روانہ کیا جائے۔ شکریہ اور آداب عرض کا کارڈ۔ درمیان میں اس کے پیکٹ کی تاریخ روانگی۔ پہلے روز کارڈ پا کر وہ پھولا نہ سمائے گا۔ کہ اس کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ تب اگلے ہی روز ہمارا پیکٹ ہماری اور پوسٹل سروس کی پابندی وقت کا ڈنکا بجاتا اس کے قدم چوم رہا ہو گا۔
کسٹمر کی خوشنودی کا ایک ٹریڈ سیکریٹ یہ بھی ہے کہ اس سے چیک یا منی آرڈر

بلاشبہ وصول پائیں۔ مگر اس کی یقین دہانی ضروری ہے۔ تاکہ وہ بلا تکلف مال کی آزمائش کر ڈالے اور یہ بھی کہ ہم اس کا عنایت کردہ چیک یا منی آرڈر تب بھنوائیں گے۔ جب تیس روزہ آزمائش کی معیار پوری ہو چکی ہو گی۔ تب اس کو اپنے خرچہ پر شپنگ کے ذریعہ خریدا گیا یہ مال ہم کو واپس بھجوانا ہو گا۔ جبھی وہ اپنا منی آرڈر یا چیک کیش کروا لینے کا مجاز ہو گا"۔

"فروخت کئے گئے اپنے مال کی واپسی سے ہمیں فائدہ؟"

"منی بیک گارنٹی۔ گاہک کا بھروسہ آپ مفت میں خرید لیں گے۔ یہ کیا کم ہے! آپ کے بزنس کو دھچکہ نہ لگے گا۔ آئندہ اس کے دوررس فوائد ملیں گے۔"

داؤد پٹ پٹ اس خوبصورت بلا کو دیکھا کیا جیسے اس کے پلے خاک نہ پڑا ہو۔ ماسوائے اس کے غمزے۔

"کاکا! اس کڑی کا مطلب ہے جتنا گڑ ڈالو گے۔ اتنا میٹھا"۔ ماما حسب عادت مداخلت کئے بنا رہ نہ سکا۔

○☆○

نئے جوش و خروش کے ساتھ اس نئے فارمولا پر کام شروع ہوا۔ مہنگے داموں بھولے بھالے گاہکوں کی لسٹ خریدی گئی۔ عمدہ ٹائپنگ۔ اپنا آپ منواتی ہیڈ لائنز اور کلاسی فائیڈ اشتہارات۔ تیر نشانے پر بیٹھا۔ اور کوئی تیس یا چالیس آڈرز چند یوم کے اندر بک ہو گئے۔ داؤد اور ماما کی ڈھارس بندھی۔ شپنگ کے لئے یو۔ پی۔ ایس (یونائیٹڈ پارسل سروس) کی خدمات حاصل کر لی گئیں۔ سارا کام خاصا گنجلک تھا گدیلے خاکی لفافوں کے اندر نہایت قرینے کے ساتھ مال کی پیکنگ ہوتی۔ تیار ہونے پر الگ الگ ان کوربر سٹمپس لگوانا۔ یو۔ پی۔ ایس کی شپنگ رسید کی ایک کاپی اپنے ریکارڈ کے اندر رکھنے کے لئے ہر گاہک کی الگ الگ فائل تیار کرنا۔ یو۔ پی۔ ایس کا ڈلیوری مین (ڈرائیور) دوسری رسید کے ہمراہ سامان کو مطلوبہ ایڈریس پر لے جاتا ہے۔ پیکٹ اس نے پہلے سے وزن کر رکھے ہوئے ہیں۔ شپنگ اور ہینڈلنگ کے نام سے کسٹمر سے

مال کی ادائیگی کے علاوہ اچھی خاصی فیس وصول کرنا اس ڈیل کے اندر شامل ہوتا ہے۔ تاوقت یہ کہ گاہک عین وقت پر منکر نہ ہو جائے۔

شروع میں کمال نرمی کے ساتھ یہ کاروبار پھلتا رہا۔ مگر دو ایک ماہ کے اندر برے چیک۔ کینسل شدہ آڈرز۔ مال کی واپسی۔ گاہک کی جانب سے فوری ری فنڈ کا مطالبہ (رقوم کی واپسی کا مطالبہ)

اکثر ایسا ہوتا۔ کہ گاہک مارے انبساط مال منگوا بھیجتا۔ مگر مال جب ان کے در پر پہنچ جاتا۔ تو چیک کاٹتے ہوئے ان پر آسمان ٹوٹ پڑتا۔ سارا شوق دھرا رہ جاتا۔ وہ متاسف دکھائی پڑتے۔ کوئی پچاس فیصد گاہک اسی رویہ کا اظہار کرتے پائے گئے۔ عموماً" ایسا بھی ہوا۔ کہ یو۔ پی۔ ایس ٹرک جب ان کے گھر پر جا کر بیل دیتا۔ تو وہ گھر سے غائب ہوتے۔ یا دم سادھے اندر بیٹھے رہتے۔ اور کال بیل کا جواب دینے کی زحمت گوارا نہ کرتے۔ اصول کے مطابق ڈیلوری مین کو تین مرتبہ چکر لگانا ہوتا ہے۔ وگرنہ مال جوں کا توں واپس آ جاتا ہے۔

منی بیک گارنٹی کے آڈرز کی تو بھرگت بن گئی۔ گاہک ٹھسے کے ساتھ مہینہ بھر اشیاء استعمال کرتے۔ جی بھر جاتا تو یہ کہتے ہوئے بذریعہ ڈاک واپس بھجوا دیتے۔ کہ اس پروڈکٹ سے ان کی تشفی و تسلی نہیں ہے۔

داؤد اس خوش قسمت گھڑی کو ترس رہا تھا۔ کب وہ ڈیپازٹ سلپ اپنے ہاتھ سے تیار کرے یا چیک انڈورس کر کے ماما کے اکاؤنٹ میں جمع کروا دے۔ زیادہ کباڑا اس طرز پر بھی ہوا۔ کہ ثارا کا دماغ ساتویں فلک پر رہتا تھا۔ وہ لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر دوسرے تیسرے پارسل آڈر فارم پر "کنٹرول نمبر" لگانا بھول جاتی۔ اب یہ کیسے پتہ چلے کہ کسٹمر کے ہاں سے ادائیگی کی رقم بھیجی گئی یا نہیں۔ کیونکہ یو۔ پی۔ ایس کی تیار کردہ خصوصی کمپیوٹرائزڈ ٹرانزکشن اس کنٹرول نمبر کے بغیر ادھوری رہ جاتی ہے۔ اس ٹرانزکشن پر گاہک کے نام و پتہ درج کرنے کا طریقہ کار نہ تھا۔ لہٰذا کیا دھرا سب کھٹائی میں پڑ جاتا۔

زیادہ دکھ داؤد کو اس سے پہنچتا۔ جب گاہک کی جانب سے منی بیک گارنٹی آڈروں کا بھرکس نکالا گیا سامان واپس آ جاتا۔ نیویارک سٹیٹ کے کینسومر رولز کے تحت وہ چوں و چراں نہ کر سکتا تھا۔ غریب مرتا کیا نہ کرتا۔

کارپٹ پر اکڑوں بیٹھا سر کو نیہوڑائے دھتکارے گئے مال کی ری سائیکلنگ میں مصروف رہتا۔ یعنی شکست و ریخت کی مرمت اور داغ دھبوں کی ڈرائے کلینگ۔ تاکہ نئے سرے نئے ڈبوں میں بند کر کے نئے گاہکوں کے سر منڈھنے کے قابل بنایا جائے۔

دو ماہ کے اندر ہی یہ تلخ حقیقت ان پر وارد ہوئی۔ کہ تاحال رقم پلے سے جارہی ہے۔ تارا بجائے "اسسٹنٹ" عملاً باس کا روپ دھار رہی تھی۔ ایک روز اس نے کمپنی میٹنگ بلائی۔ یعنی ماما بھانجہ کے ساتھ گول میز کانفرنس منعقد کروائی۔ اب کے اس نے ایک ایسا آپشن دیا۔ کہ وہ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

"ڈبجل وائس میل باکس"۔

"یہ تو بعد میں معلوم ہو گا۔ کہ یہ کوئی قارون کا خزانہ ہے۔ یا الہ دین کا چراغ۔ پہلے یہ بتاؤ اس پر خرچہ کس قدر آتا ہے؟"۔

"منافع"۔ تارا نے زور دے کر جواب دیا۔ "منافع تیتیس ہزار اور سٹارٹ اپ خرچہ سنتالیس ہزار تا اسی ہزار"۔

"اسی ہزار کیا؟"

"ظاہر ہے اسی ہزار ڈالرز۔ لیرے تو نہیں"۔

"خنزیر کی تخم ہروقت ڈالر۔ ڈالر کی رٹ لگائے رکھتی ہے"۔ ماما نے اپنی زبان میں غصہ نکالا۔

"دیکھو اگر تم لوگ امریکہ میں بزنس کرنا چاہتے ہو۔ تب انوسٹمنٹ تو کرنا ہی پڑے گی"۔

"کاکی۔ ایک بات پوچھوں تم سے؟"

"یہ کی ٹوکی، نکی، کیا بولا کرتے ہو تم؟"
مائے نیم از مس نک۔ ٹارا نک اینڈ ناٹ نکی"۔
"اچھا۔ اچھا۔ ٹارا رانی یہ بتاؤ۔ کہ پڑھی لکھی کس قدر ہو تم؟" ماما پوٹھوہاری مارکہ لب و لہجہ میں انگریزی کے ساتھ گزارا کر ہی لیتا تھا۔
"ہائی سکول پاس"۔
"تب ہی اس یونیورسٹی پاس لونڈے کو تگنی کا ناچ نچا رہی ہو"۔
"آپ کو"۔ ٹارا نے اس کی بات کا نوٹس لئے بغیر جاری رکھا۔"اس نئے کاروبار جو کہ سی۔ اوڈی اور آنسرنگ فون سروس کی ملی جلی مگر میکنی نیسنٹ شکل ہے۔ اس کے لئے محض ایک آنسرنگ آلے اور ڈیجیٹل میل باکس کی ضرورت ہے۔ اس سسٹم کو آنسرنگ مشین کے ساتھ مناسبت ضرور ہے۔ پر یہ جان لیں۔ کہ بیک وقت کم ماہوار خرچہ پر تین چار آنسرنگ مشینوں کی بار برداری اٹھاتا ہے۔ بیک وقت بتیس کالوں کو ہینڈل کرتا ہے۔ سوچئے تو ذرا۔ اتنے گاہک بیک وقت آپ کی آواز سن رہے ہوں گے۔ کس قدر ناقابل یقین۔ آپ کے یہ تجارتی پیغامات شب و روز ساتوں روز ہفتہ دہرائے جائیں گے۔ مگر ان میں کسی قسم کی گڑ بڑ نہ ہو گی۔ اس لئے کہ کمپیوٹر کے ذریعہ وہ ڈیجیٹل طرز پر ریکارڈ کئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ویئر آؤٹ نہیں ہو پاتے۔ ساؤنڈ کوالٹی خاصی درست۔ اس کے ہمراہ آپ پرائیویٹ فون لائن رکھ سکتے ہیں۔ ایک عدد ایڈیشنل فری ٹیلیفون لائن بھی۔ بزنس کے پھیلاؤ پر کچھ اس نوع کے وائس میل باکس، دوسرے شہروں کے اندر سیٹ کروا لیں تو کوئی مضائقہ نہیں"۔
"نکی! سوری! ٹارا تم کسی وائس میل باکس کمپنی کی ایجنٹ تو نہیں؟"
"تم کو اس سے غرض؟ ماما تم آم کھاؤ۔ پیڑ مت گنو"۔ داؤد نے ٹوکا۔
"بالکل سواد (ذائقہ) نہیں یہاں کے آموں میں میکسیکن بدمزہ آم میرے ایسا بندہ کیسے کھا سکتا ہے؟ جس کو سندھڑی۔ راٹھور۔ سہارنی دوسہری۔ چونسا جیسے لذیذ

آموں کی لت پڑی ہو"۔

"چلوجی ۔ وائس میل باکس خرید لیا۔ اس کے بعد"۔ داؤد ثارا پر مرکوز تھا۔

"آپ کا پیغام ڈیجیٹل میل باکس بیک وقت کئی گاہکوں تک پہنچا رہا ہو گا۔ وہ فون کرنے کے بعد اپنا نام۔ پتہ اور آڈر بذریعہ فون پہنچائیں گے۔ ان کو بقیہ معلومات کی تفصیل خطوط کے ذریعہ بھجوائی جائیں گی۔ یعنی اس طرز تجارت کے اندر سیلز اشتہارات۔ سیلز میل باکس (آواز) اور سیلز لیٹرز' شامل ہیں۔ یہ تین عدد بے جان کارندے بلا اجرت آپ کی فنانشل ڈریم کی انوکھی تعبیر ہیں"۔

"بلے لٹا دیئے بھئی اس لونڈیا نے۔ ہوائی قلعے خوب بناتی ہے"۔

"تقریباً" اس سے مشابہ پراجیکٹ پر ہم سی۔ او۔ ڈی کارڈز کے سلسلہ میں پہلے بھی خسارہ اٹھا چکے ہیں"۔ داؤد نے سنجیدگی کے ساتھ اطلاع دی۔

"پہلے کچھ غلطیاں آپ سے سرزد ہوئیں جو ہر بزنس کا حصہ ہیں۔ آپ کو شاید معلوم نہ ہو۔ کہ امریکہ میں قریباً" پچانوے فیصد بزنس دو سال کے اندر ٹھپ ہو جاتے ہیں"۔ اس نے بتیسی دکھائی۔ اس خبروحشت نے داؤد کی ہوائیاں اڑا دیں۔

"ہے! کڑیے! فیر یہ مکئی کے بھنتے دانوں کی مانند ہر جانب ملینئرز کہاں سے ابلتے پڑ رہے ہیں"۔

"یہی تو سپورٹنگ سپرٹ ہے۔ وہ دل تھوڑا نہیں کرتے۔ جی دار ہیں وہ۔ مایوسی ان تاجروں کے نزدیک ایک گناہ عظیم ہے۔ ایک بزنس ٹھپ ہوتا ہے بغیر دم لئے دوسرے کی رسم رونمائی اسی طمطراق کے ساتھ"۔

"مطلب کی بات کرو۔ کاکی۔ نکی"۔

"دیکھو۔ میں آخری بار کہے۔ دے رہی ہوں۔ خبردار۔ میرے ڈیڈی کا نام بگاڑنا بند کر دو۔ اگر تمہارا مطلب نکی سے نک کا ہے۔ تو ایک دم باز آ جاؤ اس مسخرے پن سے کیا میرا فسٹ نام ثارا بولنا تمہارے لئے نا ممکن ہے۔ اتنے ڈمب بھی تو نہیں رہے ہو گے تم انکل ماما"۔

"ماما میرا نام نہیں ہے"۔ ماما بھڑک اٹھا۔

"آگے بیان کرو تارا"۔ داؤد نے مداخلت کی۔

"ہاں آگے بیان کرو۔ اپنا طریقہ واردات"۔ ماما نے گستاخانہ رخنہ اندازی کی۔

"اس مرتبہ ہم زیادہ زور اشتہار بازی پر دیں گے پہلے اس میدان میں ہم نے سخت کنجوسی کا مظاہرہ کیا تھا۔ جس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ سیلز ایڈور ٹائزنگ کی بات کر رہی ہوں اس کا رنگ جمانے کے لئے ہائر کوالٹی پرنٹنگ۔ پرکشش سیلز لیٹر میل آڈرز کی فروخت۔ اس طریقہ کار کے لازم جزو کے طور پر سیلز لیٹر (میل آڈرز) کے ہمراہ ان کو پھانسنے کے لئے سہل ترین آڈر فارم اور سیلف ایڈریس بواپسی لفافہ (ٹکٹ شدہ) رکھنا پڑے گا۔ تاکہ بلا توقف وہ آڈر کر ڈالیں"۔

"لونڈیا کا مطلب ہے ڈھنڈیا (اشتہارات) چیکاں (آواز) اور چھٹیاں (متراں دیا)"۔ ماما نے داؤد کے سرگوشی کی۔

"پتر! میری مانو تو دوبارہ ان شاہ خرچیوں کے اکھاڑے کے اندر مت کودو۔ اس نوع کا زیاں تو دھیلے کی گڑیا اور ٹکا سر منڈھوائی کے مافق ہے۔ سیدھے ہاتھ ہینڈ آؤٹ۔ بمپر سٹکر اور فلائیرز ہم تم سستی پرنٹنگ کے ذریعہ تیار کروا ڈالیں گے کسی ٹوٹے بھجے' پریس سے بقیہ کام میں خود سنبھال لوں گا۔ میری سیلو کیب کی خیراں"۔

"کس زمانے کی بات کر رہے ہو ماما! ہاں تارا۔ تم کسی خاص ایڈورٹائزنگ طریقہ کار کی بات کر رہی تھیں؟"

"یس! بالکل بولڈ ٹائپ کیپچی اشتہارات۔ جو جنک میل' دکھائی نہ پڑیں۔ یہ امریکی۔ یہ جنک میل سے ایک دم نفرت کرتے ہیں"۔

"اسی لئے تو ان کا تاج جنک میل تک ہی محدود ہو کر رہ گیا ہے"۔

"خیر ایسا بھی نہیں ہے۔ ٹی وی کے بھی تو شیدائی ہیں۔ تو میں کہہ رہی تھی۔ کہ پرنٹنگ میں فسٹ کوالٹی اور اشتہاروں کے معیار میں سلیکشن رچی ہو تو لوگ نوٹس لیتے ہیں"۔

"مثلاً" داؤد ہمہ تن گوش تھا۔

"جنک میل کے ذریعہ اشتہارات سے ہماری ساکھ بگڑی اب سوچ یہ ہے۔ کہ کلاس ون نیشنل پیپرز میں اشتہارات دو۔ مختلف اور دور دراز امریکی ریاستوں کے اخبارات ہر ہفتہ نئے اخبارات بدل ڈالو جس قدر اشتہار بازی ہو گی"۔

"یہ پیسہ آئے گا کہاں سے؟"

"ایک اشتہار سے جو کماؤ اس رقم سے مزید دو عدد خریدو۔ دو کے چار اور چار کے اٹھ۔ سو آن اینڈ سو فورتھ بلکہ اپنے بینک کے ساتھ ایڈور ٹائزنگ اکاؤنٹ کھول رکھو۔ اور مابعد اشتہارات کی ٹریکنگ بھی اپنی جگہ الگ اہمیت کی حامل ہے۔ ایک مزے کی بات بتاؤں؟"

"ضرور" ماما متوجہ ہوا۔

اس بزنس کے لئے ہمیں ریٹیل سٹور یا آفس سپس کی قطعی ضرورت نہ ہو گی۔ یہ کام ہم اپنے بیڈ روم کے اندر بخوبی کر سکتے ہیں"۔

"ہے ہے! نکی! میرا مطلب ہے ٹارا۔ یہ تم کو اتنی چکنی چپڑی گھڑنا کس نے سکھا دیا؟ ادھر کی ہائی سکول پاس لڑکیاں۔ پناہ رب ذوالجلال! ان چھچھوریوں کو تو نیل سیلان اور لانجرے (زنانہ فینسی انڈر گارمنٹس) کی خریداری سے کہاں فرصت ملتی ہے۔ اور تمہارے یہ بزنس ٹائپ چھل بل؟"۔

"کوئی بچی نہیں ہوں میں۔ عرصہ دس سال "ٹاپ ناچ" اداروں کے لئے کام کر رہی ہوں۔

"کیا کہا۔ ٹاپا۔ ناچا"

"ٹاپ ناچ ماما۔ اس کا مطلب ہے ٹاپ کلاس۔ اچھا تو نیشنل اخبارات کی بات ہو رہی تھی ٹارا؟"

"ہاں چند ایک کلاس اخبارات کی لسٹ تیار کر رہی ہوں"۔ اس نے اپنے قیمتی شل بیگ سے لسٹ نکال اخبارات کے نام ان کے روبرو پڑھے۔

اگلے بزنس ڈے سے کام شروع ہو چکا تھا۔ چند ایک اخبارات کے اشتہارات ترتیب دیئے گئے۔ نیویارک ٹائمز۔ لانگ آئی لینڈ نیوز ڈے۔ نیویارک پوسٹ۔ لانگ بیچ پریس ٹیلیگرام۔ بروک ہیون لیڈر۔ گراس ویلی یونین۔ کلٹن جنرل۔ سن سٹی نیوز سن۔ کنگی پوسٹ اورنج پوسٹ پائیلٹ۔ میامی ہیرالڈ۔ ایل ڈور اڈو جنرل کنساس سٹی کینان۔ پیانیوز۔ یوکنوز ریکارڈ۔ کالا مازو گزٹ۔ سلمانکا پریس۔ پاکیما ہیرالڈ۔ فاسٹوریا ریویو۔ شو شو سٹی نیوز۔ بنکورنیوز۔ ہگو نیوز۔ وغیرہ وغیرہ۔

پہلے ہفتہ بے حدو حساب کالیں آئیں۔ مگر زیادہ تر ان لوگوں کی جانب سے جو ہر بات ہر قسم کے شغف کے لئے فقط متجسس ہوا کرتے ہی۔ نوزی قسم کے۔ ہر طرح کی معلومات کے طالب۔ سٹوروں کے اندر باہر ایسے لوگوں کی بھیڑ بھاڑ رہا کرتی ہے۔ ہر شے کو الٹ پلٹ شیدائی چمکتی نگاہوں سے گھورتے ہیں۔ مگر خریدتے خاک نہیں۔ پنشن پانے والے اور بزرگ حضرات و محترمات اس زمرے میں آتے ہیں۔ ان مفت بروں سے خط و کتابت کے سلسلہ میں داؤد کے سینکڑوں ڈالرز بلاوجہ کام آئے۔ فون کے بعد تجارتی شکریہ اور پھر سیلز لیٹرز۔

وقت تیزی کے ساتھ گزر رہا تھا۔ اور ان لوگوں کو غیر متوقع تجربات۔ مشکلات اور اچنبھے کے ساتھ لگاتار نبرد آزما ہونا پڑا۔ روزانہ کالیں۔ ان کے جوابات ۔ خود ڈائل کرو۔ بے فائدہ اپنے بل میں اضافہ کرتے چلے جاؤ۔ نزدیک۔ دور دراز۔ کئی حضرات دوچار منٹ بات چیت کر کے بور ہو جاتے۔ اور ان کی گفتگو مکمل ہونے سے پیشتر ان پر فون ہینگ کر دیتے۔ خصوصاً" فاصلوں کی کالوں پر ان کو سراسر نقصان ہو رہا تھا۔ علاوہ ازیں لوگوں کا "ہیوی ایکسنٹ" جو بعض اوقات ثارا کی سمجھ سے بھی بالاتر رہا۔ کمزور فون کنکشن لائینوں پر گڑگڑاہٹ۔ کئی موقعوں پر دوسری جانب سے ترت زباندانی۔ تیز رفتاری۔ فون کے مرحلہ کے بعد ہر ایک کو خوشخط ۔ پرنٹڈ یا تفصیل خط۔ ٹکٹوں کا خرچہ الگ گرچہ روزانہ سو سے زائد خطوط لفافوں کے اندر بند کر کے ایڈریس ٹائپ کئے جائیں۔ اور ٹکٹ چسپاں کر کے لیٹر باکس کے حوالہ کئے جائیں۔ تو

الگ ایک سردردی۔ ہاتھ شل ہو جاتے ہیں۔ کلاس ون اخبارات کے اشتہارات کے اخراجات نے تو ان کو سٹپٹا کر رکھ دیا۔ دور دراز ریاستوں کے خبارات کی ٹریکنگ نا ممکن تھی۔

کئی مرتبہ ڈیجیٹل وائس میل باکس کے اندر گالیوں اور مغلظات کی بوچھاڑ سننے کو ملی۔ یہ ہرزہ سرائی اب وائٹ اینڈ بلیک امریکن ٹریش کا خاصہ نہیں رہ گئی۔ بظاہر اچھے خاصے بھلے مانسوں کے دل کی بھڑاس نکالنے کا ذریعہ بھی بنتی جا رہی ہے۔

خیر بالکل کڑکی بھی نہ تھی۔ اس حد تک "ہاٹ آڈرز" موصول ہو جاتے۔ جو ان کی ڈھارس بندھانے کے لئے کافی تھے۔

ادھر پیچھے گھر سے جو خطوط داؤد کے موصول ہوئے۔ بے حد حوصلہ شکن یہ کہ "تمہارے حصے" کا تقریباً" تمام سرمایہ تم کو بھیجا جا چکا ہے۔ آبائی مکان کے علاوہ تمہاری دوکانوں کے حصے اور سیٹلائیٹ ٹاؤن راولپنڈی والا تمہارا پلاٹ یہ سب تمہارے ادھر ملینئر بننے کے پروگراموں پر کام آ چکے۔ بقیہ تمام پراپرٹی اور کاروبار۔ بینک بیلنس وغیرہ تمہارے تینوں بھائیوں اور بہنوں کے بخرے میں آتا ہے۔ تمہارے بھائی اور بہنوئی اب تمام کاروبار کے امین ہیں۔ کہ وہی اس کو سنبھالا دینے میں کوشاں ہیں لہٰذا تمہارے امریکی اخراجات کے لئے مزید سرماۂ کہ فرہمی کی تکرار سے باز آ جاؤ۔

جواب میں صاحبزادہ نے تحریر کیا۔ "کہ بزنس اچھا بڑا چل ہی رہا ہے سیل کو ابھی اٹھان ملنے کی پوری امید ہے ایک مرتبہ دولت ہاتھ لگ جائے آپ سب کو امریکہ بلا بھیجوں گا بڑا فرق ہے یہاں اور وہاں کی کمائی میں—— ادھر روپیہ ادھر برابر میں ڈالر یعنی ادھر سو سنار کی ادھر ایک لوہار کی۔ مزید برآں میرے ہونے والے سسر جی سے میری اور اپنی جانب سے فردا" فردا" سفارش کی جاوے۔ کہ جو کچھ انہوں نے اپنی اکلوتی دہی رانی کو جہیز داج میں چڑھانا ہے ادھر میرے کاروبار پر لگا دیں۔ اپنا میرا یہ بزنس پھلے پھولے گا تو سبھی کا بھلا۔

اس خط کا جواب داؤد کے لئے خاصا دل آزار ثابت ہوا۔ لکھا تھا۔ "تم سسرال سے پیسہ بٹورنے کا خیال خام تک دل میں نہ لانا۔ کسی نے وہاں پر تمہارے لچھن کے بارے تمہارے سسرال میں مخبری کر دی ہے۔ وہ تم سے بدظن ہو رہے ہیں عنقریب تمہارا سسر تم کو خط پتر ڈالے گا"۔

جلد ہی سسر کا خط پتر اس کو موصول ہوا کاروبار کے لئے ست مبارکاں اور لمبی چوڑی تمہیدی پند و نصائح کے بعد ممندیہ بیان تھا صاف صاف کہ وہ بیٹی کو زیادہ عرصہ اس طرح ہوائی بھڑکوں کے سہارے بٹھانے سے رہے خصوصاً" جبکہ داؤد کے وطن واپسی کے امکانات بالکل تاریک ہیں لہٰذا یہ منگنی اب ان کی جانب سے ختم شد رب راکھا۔ داؤد بلبلا اٹھا۔ اس نے فوری اپنے گھر ہوم لینڈ فون کیا فون پر اس کی آواز اس کے سیدھے سادے بہن بھائیوں اور والدہ کے لئے غیر متوقع تھی۔ بوکھلاہٹ میں ادھر فون پر گویا چھینا جھپٹی شروع ہو گئی۔ داؤد کے پلے ان کی جو باتیں پڑیں ان کی مقصد تھا۔ مٹی ڈالو اس رشتہ پر۔ بیٹی سے بڑھ کر باپ مزاج دار۔ رنج مت کرو۔ ایک سے ایک بڑھ کر حسین و جمیل لڑکیوں کے رشتے حفظ ماتقدم کے طور پہلے ہی بہنوں اور بھاوجوں نے تاک رکھے ہیں۔ بس داؤد کے ہاں کرنے کی دیر ہے۔

اس کا جواب داؤد نے ان کو یہ دیا کہ

"One in Hand is Better Than two in the Bush."

امریکہ میں کیا ہے۔ جو وہ حاصل نہیں کر سکتا۔ بس چار شادیاں نہیں کر سکتا۔ البتہ ایک عدد بیاہ رچانا تو اس کے دائیں ہاتھ کا کام ہے۔ چند سو ڈالرز رجسٹریشن فیس کی ادائیگی پر وہ ایک گھنٹہ کے اندر گھر بسا ڈالے گا۔ نہ لڑم نہ پڑم نہ خرچ نہ خرچہ۔" یہ سن کر دوسری جانب بہنیں بھاوجیں بین میں رونے لگیں۔ داؤد نے کھڑاک سے ریسیور کریڈل پر دے مارا۔

وہ ان دنوں باؤلا سا گم سم رہا۔ اسے پورا یقین تھا کہ یہ لچھن والا پارٹ ماما نے پلے کیا ہے۔ عید کارڈز بھیجنے کے بہانے ان کا ایڈریس ان حضرت نے داؤد سے مانگا

تھا۔ داؤد کو پچھتاوا ہونے لگا۔ کہ اپنے ہونے والے سسرال کا اتہ پتہ اس کے حوالے کر کے اس نے فاش غلطی کی۔ اور نتیجہ" یہ دن دیکھنا پڑا۔ ماما کے خلاف اس کے دل میں گرہ پڑ گئی۔ مگر ان دونوں کا اکاؤنٹ جوائنٹ تھا۔ لہٰذا اپنے غصہ کا کھلم کھلا اظہار نہ کر سکتا تھا۔ ایسے میں تارا تھی جس نے داؤد کے چڑچڑے پن اور بے بنیاد کاروبار دونوں کو سنبھالا دیا۔

داؤد کے منجھلے بھائی اور چھوٹی بہن کے خطوط ایک ماہ کے وقفہ کے بعد موصول ہوئے۔ وہ اس منگنی کے ٹوٹنے پر داؤد کے رد عمل سے پوری طرح بہرہ ور تھے۔ اور داؤد کے مالی مخدوش حالات کا بھی ان کو صحیح صحیح اندازہ ہو چلا تھا لہٰذا ان دونوں نے فیصلہ کرلیا تھا۔ کہ اپنے اپنے حصے فروخت کر کے چہیتے بھائی داؤد کے نام یہ سرمایہ امریکہ منتقل کر دیں گے۔ عنقریب۔ گو والدین۔ دوسرے بہن بھائی اور بہن کا شوہر سخت اڑچن ڈال رہے تھے۔ مگر وہ اپنے لاڈلے بھائی کی مدد کا تہیہ کر چکے تھے۔ ہر قیمت پر"۔

یہ خط پڑھ کر داؤد ایک حد تک شرمندہ اور پشیماں ہوا۔ ان کی بے مثال قربانی۔ بے لوث خلوص ۔ اور یہ بھی جانتا تھا۔ کہ روپیہ کو ڈالر کی شکل دینا کوئی مذاق نہیں لاکھوں روپے درمیان میں ذبح ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا اس ایکسچینج اور ٹرانسفر کے عمل کو دو تین ماہ کا عرصہ درکار تھا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ تب یہ سرمایہ داؤد کے پاس پہنچا۔ جب وہ اپنے موجودہ بزنس کے ہاتھوں جھنجھی کوڑی محتاج ہو رہا تھا۔ اس نے شکرانے کے نفل ادا کئے اور اس کہاوت کا گرویدہ ہو گیا۔ کہ اوپر والا دینا چاہے تو چھپڑ پھاڑ کر دے ڈالتا ہے۔ کیسی بروقت مولا نے اس کی مدد کی۔ ورنہ ہوم لیس ہو جانے میں تھوڑی کسر باقی تھی۔ ماما نے اسے پہلا نیک مشورہ دیا۔ کہ یہ قیمتی اثاثہ بچا کر واپس لے جاؤ۔ کہنے لگا۔

"بھلیا لوکا! کیوں باپ کی محنت اور بھولے بھالے بہن بھائی کے حق پر ڈاکہ مار رہا ہے اس امریکی سقر (جہنم) میں جتنا ڈالو گے۔ سب پھوں پھڑک ہو جائے گا۔ ابھی

بھی وقت ہے کہ ہوش کے ناخن لو۔ اور وطن واپس سدھار کر اپنا کھرا اور سچا کاروبار سنبھال لو۔ یہاں لٹیروں کے اس سراب میں تم ایسا بندہ سوائے حواس باختیاں کچھ کر نہ پائے گا"۔

داؤد منگنی ٹوٹنے کے واقعہ کے بعد اب ماما کو درپردہ اپنا خیر خواہ نہ مانتا تھا۔ اس کی باتیں داؤد کے سر پر سے گذر گئیں۔ اس کی سوچ کے مطابق منگنی ٹوٹنے کی اس چیرہ دستی سے اپنے ذہن کو سلامت رکھنے کا یہی طریقہ تھا۔ کہ وہ ایک مرتبہ پھر کوشش جاری رکھے تاکہ سرخرو ہو کہ اپنے پرائے کا سامنا کرنے کے قابل ہو۔

ثارا ان گوں مگوں حالات میں پوری طرح اس کے حواس پر چھا چکی تھی۔

"ماما۔ میں اور ثارا ہم۔ ہم دونوں۔ دراصل شادی کر رہے ہیں"۔ اچانک ایک روز داؤد نے ماما کو یہ خوش خبری سنائی اور شامیانہ کی رس ملائی کا پیکٹ کھول کر عجلت کے ساتھ اس کے آگے لا دھرا۔

"رب سے خیر مانگو بیبا۔ کیسی بہکی بہکی سنا رہے ہو۔ کس چڑیل کے پھندے میں پھنسنے جا رہے ہو۔ اسی لئے وہ پینترے بدل بدل تم پر وار کر رہی تھی۔ بھولیا! پورے امریکہ میں کوئی شریف زادی نکری نہیں۔ ادھر بے شمار مسلمان اور پاکستانی شرفاء بستے ہیں۔ کسی اپنی مسلمان زادی کے ساتھ دو بول پڑھوا کر ڈھنگ سے گھر بساتے۔ بال بچہ بناتے۔ یہ ۔ یہ کس سفید ہتھنی کی سونڈھ میں لٹکنے جا رہے ہو تم"۔

"ماما مجھے ایک سمجھدار۔ باشعور۔ کاروباری ذہن رکھنے والی لڑکی چاہیے۔ ثارا ہی میرے بزنس میں میری مکمل معاون اور ساتھی بن سکتی ہے۔ اور پھر کاروبار میں گھاٹے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بینکوں کے معاملات سے مجھے بے معنی خدشات کی بناء پر الگ تھلگ رکھا جا رہا ہے۔ کوئی بچہ نہیں ہوں میں اپنا سلسلہ اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہوں۔ اتنا ڈمب نہیں ہوں۔ کہ میری زندگی کو دوسرے ڈکٹیٹ کرتے پھریں۔ اس ملک میں آ کر میں نے ڈاکہ نہیں مارا۔ ڈرگز ٹریفیکر' ہرگز نہیں ہوں۔ جواء نہیں کھیلتا۔ اپنی اور باپ کی خون پسینہ کی کمائی لٹائی ہے۔ ادھر آن کر کے ۔ حلال محنت و

محنت کے ذریعہ دولت مند بننے کے خواب دیکھنا کوئی گناہ نہیں۔ ملنیئر بننا اب میرا گول ہے۔ بنکنگ سے دور رہوں گا۔ تو برسوں کچھ حاصل نہ حصول ہو گا۔ میرا کریڈٹ نہ بنے گا۔ تو آئندہ بزنس کیسے کروں گا؟"

"تو کرو پھر بسم اللہ۔ کس نے روکا ہے۔ تم کو بینک میں ذاتی کھاتہ کھولنے ہے؟"

"روکاوٹیں تو ہیں۔ اول میرے پاس تاحال سوشل سیکیورٹی نمبر تک ندارد۔ کسی یو ایس جاب کا ریکارڈ نہیں ہے۔ ان حالات میں اپنے بزنس کا ثبوت بنفس نفیس ان کو فراہم کر کے کسی مسئلہ میں الجھنا نہیں چاہتا۔ بینکوں والے جاب اور ایمپلائر کا اتہ پتہ معہ فون نمبر طلب کرتے ہیں۔ کوئی گھپلہ چل نہیں سکتا۔ انکم پوچھتے ہیں۔ کرنٹ اکاؤنٹ۔ یہ۔ وہ۔!"

"پھر یہ رکاوٹیں اب کیسے دور ہو جائیں گی یک لخت ہے"؟

"ثارا کے ساتھ بیاہ کر کے۔ اس نے ہر انداز میں معاونت کا وعدہ کیا ہے"۔

"خیال خام ہے تمہارا۔ یہ بے رنگ عورتیں۔ اندر سے بھی بے آب و بدرنگ ثابت ہوا کرتی ہیں۔ یہ۔ یہ جلیبی کی مانند عورتیں۔ گم ہو جاؤ گے تم بھی اس حور تمثال کی بھول بھلیوں کے اندر۔ خیر تم تلے ہو۔ تو یونہی سہی۔ تمہاری زندگی۔ تمہاری مرضی۔ اور ہاں میرے ساتھ تم جوائنٹ اکاؤنٹ ختم کروانا چاہتے ہو۔ تو خیر ملا"۔

ماما نے کمال تحمل و بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف ان دونوں کے ساتھ میل جول قائم رکھا۔ بلکہ ان کی شادی میں بھی واحد وہ شخص تھا۔ جو اس بیاہ کا براتی تھا۔

"شادی کے بعد ثارا مصر رہی۔ کہ جلد از جلد گھر تبدیل کیا جائے نیا فرنیچر۔ نئی سجاوٹ۔ سیر و تفریح کم از کم ہنی مون ہی منا لیا جائے۔ مگر داؤد کی کوشش تھی کہ پہلے کوئی بزنس سیٹ اپ تو ہو لے۔ گھر بیٹھے کھاؤ پیئو۔ تو کنواں بھی خالی ہو جاتا ہے۔

اس وقت ضرورت اس بات کی تھی کہ آغاز میں آساں تریں بزنس کی جانب رجوع کیا جائے۔ تاکہ ایک مرتبہ سیل آمدن کا دھارا پھوٹ نکلے۔ تب رسان کے ساتھ بیٹھ کر آگے کے لئے پلاننگ ہو گی۔

ثارا نے موقع پر لیجا کر کچھ بزنس اس کو دکھائے مثلاً " ری سائیکلنگ بروکر کس قدر آسان۔ گھریلو اور کاروباری کوڑ کباڑ کا کاروبار کرتے ہیں لوگ۔ پلے سے کچھ نہیں جاتا"۔

"کیا مجھے کباڑیا سمجھ رکھا ہے"۔

"ارے نہیں سویٹی پائے! اس کنکشن میں تم کو کاؤنٹی اور موسپلٹی اتھارٹیوں کے ہاں لے جاؤں گی۔ وہ تمہاری اس فضائی آلودگی کے خلاف جہاد کے جذبہ کا احترام کریں گے۔ ادھر اس نوع کے کاموں کی بڑی واہ واہ ہے"۔

"مگر میں کسی اتھارٹی کی نظر میں آنا نہیں چاہتا۔ کہ میرے اپنے کاغذات ابھی ادھورے ہیں۔ امریکی اتھارٹیوں کا کیا بھروسہ۔ کہیں ڈی پورٹ کروا دیں الٹا۔ رکو تو ذرا۔ کیا مطلب ہے تمہارا فضائی آلودگی کے خلاف جہاد؟ تم مجھے ٹریش مین بنانے پر تلی ہو؟"

"او! ہاؤ گروس! اچھا سنو کوپن میلر سروس خرید کر ان کے بزنس میں گٹھ جوڑ کر لیتے ہیں"۔

"وہ کیا شے ہے؟"

لوکل بزنس کوپن پیپرز اور ہینڈ آؤٹ وغیرہ گھر گھر میل کیا کریں گے۔"

"مجھے کوئی ہرکارہ سمجھ رکھا ہے۔ کہ ڈور ہینگنگ کرتا پھروں گا"۔

"ہنی ڈیو۔ مجھے اندازہ ہوا۔ کہ یہ خصوصی خواہ مخواہ کی اکڑ کسی کروٹ چین لینے نہیں دیتی تم لوگوں کو میری مانو یہ بزنس بے حد سستا ہے۔ ہم محض چار ہزار انویسٹ کریں گے"۔

"کیا خریدنے کے لئے انویسٹ کریں گے۔ کوپن؟ کمپنیاں بذات خود گروپ

پرموشن کوپن مہیا کرتی ہیں جیسے ہر اتوار صبح سویرے ہمارے دروازے کے باہر ایک بھاری پیکج پڑا ملتا ہے۔ بالکل فری۔ اور پھر یاد ہے تم نے تم ہی نے تو کہا تھا کہ امریکی اس جنک میل سے نفرت کرتے ہیں"۔

"ضرور نفرت کرتے ہیں۔ مگر جیسا کہ ماما نے بھی اطلاع دی۔ کہ چپ چپاتے ساری جنک میل پڑھ ڈالتے ہیں۔ اور اسی جنک میل سے متاثر ہو کر بے تحاشا خریداری بھی کر ڈالتے ہیں"۔

"بات سنو"۔ شادی کے بعد داؤد عقلیت پرستی پر مائل ہوا جاتا تھا۔ "ان کوپن کے نتیجہ میں خریداری کا فائدہ کمپنیوں کو پہنچے گا۔ جو پہلے ہی دولت سے ٹھنسے پڑے ہیں۔ ہم ہرکاروں کو کیا حاصل؟ نری مشقت۔ میں ملینئر بننے کے خواب لے کر یہاں آیا تھا۔ وگرنہ چھوٹا موٹا سیٹھ تو تھا ہی پہلے بھی اپنے وطن میں۔"

"چلو سیٹھ جی ایسا کرو۔ چیک بنانے والوں کے لئے کیشنگ شروع کرتے ہیں"۔

تمہارا مطلب ہے کہ لوگوں سے جعلی چیک لے کر پلے سے کیش بیچا کریں۔ اور پھر کیسا ہولناک روزگار ہے یہ ۔ یاد ہے۔ ویسٹ جونز سٹریٹ لانگ آئی لینڈ میں ایک مرتبہ ہم دو سو ڈالرز کا چیک بنوا کر دوکان سے باہر نکلے تھے۔ کہ دو تین کالے امریکی چھوکرے جو شاید تاک لگائے ادھر کالے کوؤں کی مانند منڈلاتے پھرا کرتے ہیں۔ ہم پر پل پڑے۔ آخر کار دو سو ڈالرز کیش ان پر وار کرنے اور بھاگنے میں ہم نے عافیت جانی تھی"۔

"ایسا آئے روز کہاں ہوتا ہے۔ ایریا پر بھی منحصر ہے اس سے بیکار محض کالے امریکی چیک کیشنگ سروس کے باہر تھڑے پر براجمان تھے۔ آس پاس کوئی نہ تھا۔ پس نہتا جان کر انہوں نے ہمیں لوٹ لیا۔ اور وہ محض اتفاق تھا"۔

"میرا ایمان ہے۔ کہ ایسا اتفاق آئے روز ہمارے ساتھ ہوا کرے گا۔ میں اس اوکھلی میں سر دینے سے باز آیا"۔

"اچھا۔ اچھا تو پھر ڈائپر ڈلیوری سروس وِٹ ڈو یو سے۔ بالکل محفوظ دھندہ ہے یہ"۔
"تارا یہ تم میرا مذاق اڑا رہی ہو۔ میں امریکہ میں پوتڑوں اور گیکوں کو ہٹی ڈال کر بیٹھ رہوں گا"۔
"ڈیری! ادھر کوئی کام باعث ذلت نہیں ہے۔ سوائے کرائمز' ڈرگز یا پھر پبلک چارج ہو جانا۔ سوچو تو ذرا۔ محنت کش۔ واماندہ سی مائیں اپنے جاب سے گھر کے اندر داخل ہوتی ہیں تو بے بی سٹر کے بس میں پڑا بچہ گندے غلیظ ڈائپرز میں دھنسا بلک رہاہوتا ہے۔ بیچاری ماؤں کے پاس اتنا فالتو وقت کہاں ہوتا ہے۔ کہ ڈنر کی تیاری پر صرف کریں۔ یا بھاگی بھاگی بچے کے ڈائپرز پکڑنے سپر مارکیٹ کی راہ ناپ ڈالیں لہٰذا کسی کی مدد کرو۔ اور دعائیں لو۔ ڈائپرز کی ہوم ڈلیوری سروس آج کی امریکی ماؤں کی پکار ہے"۔
" گیکز (پوتڑے) ان کی ضرورت ہے فی الحال ہماری نہیں۔ جنے ہیں تو خود ہی پالیں پوسیں۔ ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ ہم نے کسی کی بل شٹنگ کا۔
"او بوائے۔ ہاؤ گروس۔ کس قدر کے سرد مہر ہو تم اندر گہرائی میں!! خیر۔ میرا خیال ہے کہ تم کو انٹر ٹینمنٹ والا شغل چاہیے۔ وٹ اباؤٹ موبائیل ڈسک جوکری؟"
"واقعی تم مجھے کوئی جوکر خیال کرتی ہو؟"
"جوکر نہیں گوف! اپنا ڈی جے شو چلایا کریں گے پارٹیوں کے لئے کتنا فن ہے اس کام میں۔ دوسروں کے راگ الاپ کر لوگوں کو دیوانہ وار نچانا۔ مزہ آئے گا نا ہوڈی ڈوڈی"۔
"خرچہ؟"
"سات تا بیس ہزار اور آمدن پچیس ہزار"۔
"آمدن کی بات تو مت کیا کرو۔ وہ یہاں کی ہر تجارت میں ہوائی ہے۔ اور پھر یہ بھانڈ مراثیوں جیسے دھندے کو روزگار اپنانے کے واسطے میں نے اس قدر تعلیم حاصل کی تھی؟!" مارے کلبلاہٹ تارا نے بے شمار نام گنوا دیئے۔ بیڈ اینڈ بریکفاسٹ

موٹل۔ کافی اینڈ ٹی سٹور۔ بیکری فوڈ اینڈ پارٹی کیٹرنگ شاپنگ مالوں کے لئے فوڈ کورٹ ریسٹورنٹ۔

"بس۔بس۔ بس مزید کھانے پینے کی بات مت کرنا آج کل میں ڈائٹنگ کرنے والا ہوں توند بڑھ گئی ہے میری کم بخت شادی کے بعد"۔

"توند کے بڑھنے کا الزام شادی پر کیوں باندھ رہے ہو؟"

"یہ شادی کی خوشی میں تو مڈ ٹاؤن اور ڈاؤن ٹاؤن کے بیشتر ریسٹورنٹ چھان مارے ہم دونوں نے۔ ڈنر کبھی گھر میں بنا دیا کرو تم ہر روز دیس دیس کا پکوان۔ ٹاکوبیل۔ کر-بیئن چکن۔گراؤنڈ راؤنڈ کا بیف۔ چائنز یٹری یاکی۔ چاک موکہ پائے اور ڈبل فج براؤن چیز۔ توند نہ بڑھے گی یہ سب نعمتیں ٹھونس ٹھونس تو کیا کمر دوہری ہو جائے گی"۔

"تم پاکستانی مرد کتنا بھی کھا ڈالو۔ ہضم کر لیتے ہو۔ توندیں تو بیچارے امریکن ٹریش بڑھاتے ہیں"۔

"ہو سکتا ہے یہ شکم پری کھانے کی وجہ سے نہیں بلکہ امریکن ٹریش کی وہ کیا بھلا۔ نام ہے "بیئر بیلی" ہو"۔

"خیر! چھوڑو اس مسئلہ کو۔ یہ متنازعہ ہے۔ اچھا تو ڈے کیئر سروس کیسے رہے گی"۔

"کون کیسی رہے گی؟"

"ڈے کیئر سروس ڈوڈھ ! چھوٹے بڑے بچوں کی رکھوالی جب ان کی بیچاری مائیں جاب پر ہوں گی۔ ہم تم۔ صنم! مل کر ایک سنٹر کھولیں گے جہاں"۔

"نابھئی نا اس سے بڑھ کر امریکہ میں دوسرا کوئی خطرناک کام نہ ہو گا!"

"اس میں خطرہ کیسا۔ بھولے بھالے۔ سویٹی سویٹی ننی منی بچے"۔

"توبہ میرے سکڑ دادا کی" داؤد نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ "یہاں کے بچے بڑے ہی ہولناک ہیں۔ دیکھا نہیں بیچارے شرمیلے مائیکل جیکسن کو کس طرح کورٹ اور

میڈیا میں رگیدا گیا۔ ایک معصوم بھولے بھالے بچے کے ذریعہ"۔

"اوسلی!" ثارا قہقہے لگانے لگی۔ واپس گاڑی میں بیٹھے ہوئے اچانک اسے کچھ یاد آگیا۔

"پمپکن! سنو تو سہی۔ یہ موبل بزنس آج کل بومنگ ہے۔ ہم کار واش۔ یا آئل چینج لیوب شاپ۔ یا۔ یا پھر آٹو موبائیل انسپکشن شروع کر دیں گے۔ تو ہماری چاروں پانچویں گھی بٹر میں"۔

"اور سر ہو گا گدلے گدلے انجن تیل کی کڑاہی میں"۔

"ڈیوڈ! (چڑچڑے پن کے وقت وہ داؤد کو ڈیوڈ کہہ کر دل کی بھڑاس نکالتی) ڈیوڈ! تم ایسا کرو۔ کہ لانج ژڑے شاپ (زنانہ انڈر گارمنٹس) کھول لو۔ جیسے وکٹوریا سیکرٹ سٹور۔ ہے دیکھا عورتیں اس سٹور پر کس طرح امڈی پڑتی ہیں"۔

"نہیں نہیں ایسا کام نہ کروں گا۔ جس سے تم رقابت میں مبتلا ہو جاؤ"۔

"رقابت کیسی رقابت؟ کس کے ساتھ رقابت ہے؟"

"شٹ اپ۔ ثارا ڈارلنگ تم نے کافی تجاویز پیش کیں ہم تسلیم کرتے ہیں۔ اب مجھ ناچیز کی بھی سن لو۔ سچی پوچھو تو یہ ماما کا آئیڈیا ہے۔ وینڈنگ مشین۔ جس کے اندر ٹھنڈا ٹھار سوڈا اور کھٹے میٹھے سنیکس اور کینڈی بھری ہوتی ہیں۔ سکہ یا ڈالر ڈالنے پر کھڑاک سے باہر آجاتے ہیں۔ بھوکے پیاسے راہ گیر ان وینڈنگ مشینوں کی جانب خود بخود کھنچے چلے آتے ہیں۔ مشین بذات خود دوکاندار اور دوکانداری کے فرائض سرانجام دیتی ہے۔ قضیہ ختم۔ شروع میں تین چار عدد مشین خرید کوئینز کے مصروف بزنس ایریا میں لگا دیں گے۔ گھر بیٹھے بٹھائے آمدن کے سوتے پھوٹ نکلیں گے۔ اس کے بعد مختلف جگہوں پر مزید مشین فلس اپ کروائی جائیں گی۔ ویل اینڈ گڈ"۔

تین عدد وینڈنگ مشین خریدنے کی ان میں سکت تھی۔ جن پر داؤد کے ساٹھ ستر ہزار کام آئے۔ ان کو آسٹوریا۔ کوئنز کے ایک با رونق علاقے پر نصب کروا دیا گیا۔

دونوں میاں بیوی صبح تڑکے ان مشینوں کے اندر کوک، پیپسی، جنجرل، ڈاکٹر پیپر، کینیڈا ڈرائے وغیرہ کے کین سنیکس۔ کینڈی۔ چاکولیٹ وغیرہ کے پیکٹ بھر دیتے اور شام ہونے سے پیشتر نقدی سے بھرا ہوا کیس نکال گاڑی کے اندر رکھ کر گھر لاتے اور اگلی صبح بینک میں جمع کروا دیتے۔

داؤد کو یقین نہ آ رہا تھا کہ اس قدر ایزی آمدن کے ذرائع جب موجود تھے تو خواہ مخواہ وہ جھک مارا کئے۔ پانچ چھ ہفتے بڑے آرام سے بیت چلے۔ ماما پھولا نہ سماتا تھا کہ آخرکار اسی کی تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔

ایک دوپہر کا ذکر ہے کہ دونوں میاں بیوی کا گرین ایکڑ مال کی شاپنگ کا پروگرام بنا۔ کہیں سہ پہر کے بعد وہاں پہنچے اور اس وسیع مال کی فلورز ماپتے رہے۔ محویت کی عالم میں وقت گزرنے کی ان کو خبر تک نہ ہوئی جب مال کے اوقات کے خاتمہ پر باہر پارکنگ لاٹ کی جانب بڑھے۔ تو اندازہ ہوا کہ اندھیرا کافی گہرا ہو چلا ہے۔ نہ معلوم کیوں داؤد کی چھٹی حسن اس کو کسی انجانے خدشات سے نروس ریک بنائے دے رہی تھی۔ جیسے کچھ ہونے والا ہے اس کی کیفیت کے مدنظر ثارا نے سٹیرنگ وہیل سنبھالا۔

موقع پر پہنچے۔ تو کمرشل ایریا کی خوابناک رات سائیں سائیں کر رہی تھی۔ پیلی پیلی روشنیوں کے پرسکوت ضیاع میں انہیں عجب نظارا دیکھنے کو ملا۔ مشینوں کا انجر پنجر اور بریدہ کل پرزے دور دور تک بکھرے پڑے تھے۔ اچکوں نے نقدی کے سکوں کی ڈھیریوں پر ڈاکہ زنی کی وحشت میں آ کر مضبوط وینڈنگ مشینوں کو انتہائی بے دردی کے ساتھ توڑ پھوڑ دیا تھا۔ بازار ویران پڑا تھا۔ آس پاس کوئی نہ تھا۔ دور دور تک سیکیورٹی یا کاپ گاڑیوں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ ثارا پر لرزہ طاری ہو گیا۔ بمشکل تمام وہ گھر پہنچے۔ نڈھال داؤد دھاڑیں مار مار رونے لگا۔ یہ کیش جو اس بے دردانہ لوٹ مار کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس کے بے لوث بہن بھائی کی قربانی کا اثاثہ تھی۔ ثارا بذات خود ہسٹریکل ہونے کو تھی۔ اس نے فون کر کے ماما کو بلا بھیجا۔ کہ آ کر اپنے بھانجے کو

سنبھالو۔

"میں ہمت ہار بیٹھا ماما۔ لگتا ہے کہ اس ملک میں کچھ کرنے قابل نہیں ہوں میں ان چور اچکوں وائٹ اینڈ بلیک اینڈ رنگ دار امریکن ٹریش سے گیا گزرا ہوں کیا؟ بتاؤ مجھے یہ پاجی۔ بدمعاش۔ اٹھائی گیرے میری محنت کا تمسخر اڑاتے معلوم دیتے ہیں"۔

رات گئے تک ماما اور ثارا اس کی ڈھارس بندھایا کئے۔ اگلے روز ثارا نے ایک فیصلہ کر ڈالا۔ جس پر ماما انگشت بدنداں رہ گیا۔ مگر کچھ کہنے سننے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ لہٰذا چپ رہا۔ فیصلہ یہ تھا کہ غیر معینہ مدت کے لئے داؤد گھر پر آرام کرے گا۔ تاکہ اس کے اعصاب اعتدال پر آ جائیں۔ اور وہ اپنا دل پسند کوئی سا بزنس اکیلی کھول لے گی۔ سرمایہ داؤد کا اور منافع ففٹی ففٹی۔ وہ ایک چاہنے والی بیوی کی مثال شوہر کی معاونت اور دلجوئی کی خاطر یہ قربانی دینے کو تیار ہے۔ داؤد تو مبنی نگاہوں کے ساتھ اس کو دیکھا گیا مگر ماما کچھ جز بز سا تھا۔ اور داؤد کو اپنی بولی میں یہ کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ کہ ادھر کی عورت ناقابل تشریح حد تک کنجلک ہے۔

جس بزنس کے بارے ثارا نے تہیہ کر لیا تھا۔ وہ تھی پٹ شاپ۔ پٹ شاپ بوائز نہیں۔ بلکہ امریکیوں کے چہیتے پالتو گھریلو جانوروں کے لئے طعام و قیام سمیت جملہ سہولیات کے سامان و اسباب کا سٹور۔

اس پالتو بزنس کا ماٹو داؤد کا تجویز کردہ تھا۔

"ڈاگز۔ بیسٹ فرینڈز ڈاگز" یعنی کتوں کے بہترین دوست کتے ہی ہو سکتے ہیں۔ یہ ماٹو انہوں نے ٹیئرز فار فیئرز بینڈ کے نئے البم کے ایک گانے کے بول سے لیا تھا۔

اس پٹ بزنس پر آغاز میں یک لخت بچپن ہزار ڈالرز کی سلامی دی گئی۔ اور یہی آخری پونجی تھی داؤد کے پاس۔ جس کو کتے بلیوں کی خوراک اور ان کے پیڑھی پلنگ چمچے، کوھڑیوں گدی، گدیلوں پر دان دیتے ہوئے وہ مجہور و غم دیدہ تھا۔ تاہم اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا عجب اس و نراس کی کیفیت ان پر غالب رہی۔ کبھی مثبت انداز کی سوچ اور امریکیوں کی فیورٹ مخلوق کی خدمت کا صلہ شاید ثارا کو بخوبی مل

پائے تو گھر کی فنانس کے دن پھر جائیں۔

ٹارا بے تحاشا مگن ہوئی۔ وہ یوں بھی پالتو جانوروں کے ساتھ کریز کی حد تک لگاؤ رکھتی تھی۔ داؤد کو اپنے بچپن کا قصہ سنایا کرتی۔ جب ان کی چہیتی بلی گھر کی چمنی کے اندر حادثاتی طور پر پھنس گئی تھی اور ایمرجنسی میں اس کے والدین نے ویٹرنری ڈاکٹر اور کاریگروں کو بلا بھیجا۔ ہر احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کاریگروں نے چمنی کو ادھیڑ ڈالا۔ اور بلی کی قیمتی جان بچائی۔ تب اس سارے قضیہ پر اس کے ڈیڈ کے بیس ہزار ڈالرز کام آئے تھے۔ کیونکہ چھت کا کچھ حصہ بھی ساتھ میں ادھیڑا جا چکا تھا۔ تاہم والدین نے اس نقصان پر تاسف کا اظہار کبھی نہ کیا تھا۔ اکثر یہی تذکرہ کرتے کہ یہ سانحہ معجزہ سے کم نہیں تھا کہ ان کی لاڈلی (بلی) کے جسم پر خراش تک نہ آئی۔

مال آنا شروع ہوا۔ جانوروں کے رنگ برنگے خوبصورت وضع کے لاگ ہاؤسز پلاسٹک کے گھروندے (جن کو پنجرہ سمجھنا بد ذوقی ہو گی) مچھلیوں کے نفیس کرسٹل ایکیورئم رنگ برنگی پاٹیاں (بیڈپین) نہلانے دھلانے کے ٹب۔ کھانے پروسنے کے خوشنما برتن ان کے تشریف رکھنے کے واسطے بید سے بھنے ننھے ننھے صوفے اور نازک سی ٹوکریاں۔ بیٹری کے ہمراہ چلنے والے کھلونے۔ گیندیں اور بال نرم گرم چھوٹی چھوٹی اجلی رضائیاں دلائی اور کشن۔ خوشنما رنگوں کے ملائم تولیے اور سرما کی ٹھنڈک سے محفوظ رکھنے کے لئے گدیلی کمر بیلٹ۔

ایسے ایسے اشتہا آمیز کھانے کہ انسانی خوراک کو مات دیں۔ یمی ہڈیاں جن کو کیمیکل طریقہ پر سکھا کر نزاہت کے ساتھ بل دے کر خوبصورت اشکال میں ڈھالا گیا تھا۔ برانڈ آف ڈرائے ڈاگ فوڈ مثلاً" ایلپوچک ویگن۔ فٹ ان ٹرم گریوی۔ ہلز سائنس ڈائیٹ (اگر مالکان ان کو بالکل فٹ یعنی سلم اینڈ ٹرم دیکھنا پسند کرتے ہوں)۔ یوکانوبا۔ کلی ڈاگ میل ٹائم۔ پورینا ڈاگ چو۔ ٹینڈر چاپ۔

بلیوں کے لئے بھی مہنگے برانڈ کے کھانے مثلاً" کیٹ چو اینڈ کٹن چو۔ فر-سکی کیٹ فوڈ۔ کیابو ڈی۔ میاؤں مکس۔ کیٹ سپیشل ڈنر۔ کٹی کیٹ رائٹ فوڈ۔

ٹن کئے گئے کھانوں کی زیادہ مانگ تھی۔ مثلاً "منی فسٹ کال کان وہسکاس۔ شیباٹن فوڈ۔ کٹ کٹ مائٹی ڈاگ کین فوڈ۔ گرینڈ ڈاگ گورمے۔ پیڈگری میٹ ٹائم۔ علاوہ ازیں ان کے سنیکس کے تقاضے بھی پورے کرنا ضروری تھا۔ لہٰذا ہینڈی پٹ ٹریٹ مشین لگا دی گئی۔ جن کے ذریعے ندیدے جانوروں کو پیکٹوں کے اندر بند چپس۔ کیک۔ بسکٹ' پی ٹوسٹرز' کینڈی' بیلوٹریٹ اور کرنچی کرنچ عنایت کئے جاتے۔ مچھلیوں اور دوسرے آبی پالتو جانوروں کے لئے عجب چمچماتے رنگوں میں خشک فوڈ کے برادے دستیاب تھے۔

یہ سٹور ان کے اپارٹمنٹ سے زیادہ فاصلہ پر نہ تھا اور پر رونق سٹریٹ پر واقع تھا۔

مین ہیٹن سٹی میں گھریلو یا پالتو جانور خصوصاً" کتے' بلیاں' چھچھوندر' مگرمچھ' کچھوے' چوہے' سانپ' خرگوش وغیرہ پالنے کا رواج عام ہے۔ لگژری اپارٹمنٹس کے مکین متمول اور زیادہ تر شوبزنس سے وابستہ ہیں۔ ان کی ازدواجی زندگیاں نہ ہونے کے برابر یا تلخ ہوا کرتی ہیں۔ ان حالات میں ان کے لئے کتے بلیاں پالنا سہل اور سکون آمیز فریضہ ہے۔ بہ نسبت بچے پالنا۔

ثارا نے اس پٹ شاپ کا نام' ڈیوڈ پٹ ڈیلی' رکھا۔ وہ اس سٹور کو چلانے میں اپنی تمام کاریگری' شخصیت ذہانت سلیقہ اور حوصلہ بروئے کار لا رہی تھی۔ جانوروں کے مالکان کی نفسیات خوب سمجھتی تھی۔ اور ماہرہ نباض کی مانند ان کی دکھی رگ پر انگلی رکھ دیتی۔ کسی کا کتا کھویا گیا ہو۔ یا اس جہان فانی سے کوچ کر جائے۔ (اپنی طبعی موت کم اور مین ہیٹن کی بیلو کیب ٹیکسی کے تلے کچل کر اکثر اوقات تو باقاعدہ ان کی تلاش کی مہم یا آخری رسومات کی ادائیگی میں برابر ہاتھ بٹاتی۔ اور حزن و ملال کی پیکر بنی لواحقین کی دلجوئی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی۔ بعد میں وہ البتہ ٹھٹھے اڑاتی کہ یہ لوگ کتوں کے کتے ہیں۔ گھر میں اپنا پیارا کوئی راہی عدم ہو جائے اس کا اس قدر سوگ منایا نہیں جاتا۔ جس طرح پالتو کتے' بلی اور دوسرے جانوروں کا۔ یہ لوگ

کتے کے لجلجے دہانے کا بوسہ جھٹ سے لے لیتے ہیں۔ کتے بلا جھجک مالک کا منہ اور چہرہ چاٹتے ہیں ان حرکات میں وہ کسی طرح کی کراہت محسوس نہیں کیا کرتے (مالک)۔

"میں نے بھی کئی مرتبہ سنٹرل پارک کے اندر پکنک مناتی فیملیوں کے درمیان نوٹ کیا ہے کہ بچہ اور کتا ایک پلیٹ میں چٹخارے لے لے کھا رہے ہوتے ہیں" داؤد اضافہ کرتا۔ "اور وہ گر انڈیل سا چرچ ہے نا ففتھ ایونیو پر۔ اس کی طویل سیڑھیوں پر براجمان انسان اور کتے سانجھی آئس کریم کون پر باری سے زبان مارتے ہیں۔ آخ ۔ تھو"۔

"کچھ لوگ۔ معلوم ہے جاب کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں کرتے تمام تر اپنی زندگی کا قیمتی حصہ اپنے کتے کی خدمت گزاری کے نام کر ڈالتے ہیں اگر کسی کا کتا کھویا گیا ہو۔ تو وہ باؤلا سا ہوا جاتا ہے۔ اخبارات' جنک میل کے اندر اشتہار گمشدگی کے علاوہ ٹاؤن کے اندر واقع بازار مارکیٹیں چھوٹے بڑے سٹورز اور گلی محلے کے تمام درخت' پاور پول اور دیواریں ان کے فلائیرز سے پر نظر آتی ہیں۔

اکثر مالکان کی ذہنی استعداد کا عالم یہ ہے کہ اپنے تئیں آپ کتے یا بلی کا مم یا ڈیڈ متصور کرتے ہیں۔ بلکہ کہلوانے میں فخر محسوس کرتے ہیں کسی کے پالتو کتے کو "اٹ" کہہ دینا گویا ان کے سر پر اینٹ دے مارنے کے مترادف ہے۔ کتے بلی کے لئے یہاں کے آداب میں "ہی" اور "شی" کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ چند ایک ایسے سر پھرے بھی واقع ہوئے ہیں۔ جو اپنی وصیت کے اندر اپنی کل جائیداد اپنے پالتو جانوروں اور ان جانوروں کے بھائی بند کے نام چھوڑ جاتے ہیں۔ بلکہ اسے ثواب دارین مانتے ہیں"۔

"اگلے ماہ میں ٹریننگ اور کتے بلی کی نفسیات کی ٹریننگ پر مبنی ایک سیمینار کا اہتمام کروا رہی ہوں۔ سنٹرل پارک کے اندر کام سے تھکی ہاری تارا نے گھر میں داخل ہوتے ہی شوہر کو یہ نوید سنائی۔

"اتنی بڑی ہلچل سرمول لینے کی ہمت باقی ہے تم میں۔ یہ توقع دل میں ہرگز

آنے نہ دینا کہ انسانوں اور جانوروں کے ملے جلے اس اجتماع کے انتظام کی خاطر مجھ غریب کو گدھا بنا کر تم سنٹرل پارک کی روشوں پر ہانکتی پھروں گی"۔

"ڈونٹ وری! تمہاری بالکل ضرورت نہ پڑے گی۔ ادھر ہر قسم کے سیمینار کا اہتمام کرنے والی بزنس پارٹیاں مل جاتی ہیں۔ اجرت پر وہ یہ کاروبار کیا کرتی ہیں۔

"سیمینار کا کاروبار"؟

ثارا کا یہ انوکھا پٹ' سیمینار خوب کامیاب رہا۔ شام کا اندھیرا پڑنے تک گہما گہمی رہی۔ کتوں کے مالکان ملتفت اور پرجوش چہروں کے ساتھ ثارا کا شکریہ ادا کرتے تھکتے نہ تھے۔ کہ اس بے حس زمانہ میں ان کے دلاروں کے لئے ثارا نے بر وقت اور صحیح لائنوں پر وضع کیا گیا سیمینار منعقد کروا دیا ہے۔ مارے مروت بیچاری نے اگلے ماہ کتوں کی فرمانبرداری سے متعلق گروپ کلاسز کروانے کا وعدہ کر لیا۔

حاجت مندوں کی پرزور اور لگاتار فرمائشوں پر اس نے سٹور کے ایک حصہ کو کتا بیوٹی سیلان کی سہولیات کے ساتھ مزین کر دیا تھا۔ باقاعدہ ویٹرنری ہیئر ڈریسر ہائر کی گئی۔ جو کہ پٹ ہیئر کٹ اور ناخون کی تراش خراش میں ماہرانہ آرٹ کا مظاہرہ کرتی۔ نقص یہ رہ گیا کہ فی کتا دو ڈھائی گھنٹوں کا جاب تھا۔ اور زیادہ گاہکوں کے کتے لمبی ویٹنگ لسٹ پر منتظر رہنے لگے۔ ثارا کو دو چار مزید ہائر کرنا پڑیں۔ پالتو جانوروں کی گرومنگ کی ماہرین بھاری بھر کم تنخواہوں پر بھی سو سو مزاج دکھانے والی بلانڈ بلائیں۔

داؤد کو یقین نہ آتا تھا۔ کہ کتا ڈیلی' یوں دن دوگنی رات چوگنی ترقی پائے گی۔ اور پٹ گرومنگ پارلر سونے پر سہاگہ۔

ثارا کی گاہک ایک امیر و کبیر بن بیاہی خاتون بھی تھی۔ وہ جوانی میں سپر ماڈل رہ چکی تھی۔ اس نے ثارا کو بڑی دلچسپ رائے دی۔ ثارا کو انکار کیوں کر ہوتا۔ لہٰذا اس سکیم کے تحت چند دنوں کی تیاری کے بعد ثارا نے کتوں کی سالگرہ پارٹیوں کے لئے موم بتیاں کیک' اور کیٹرنگ کی جملہ سہولیات مہیا کرنا شروع کر دیں۔ مالکان اس کے صدقے واری جانے لگے۔ گڈ گریشش! ایسی سروسز! بالکل ایک دہائی سے پورے مین

پٹن میں کہیں پائی نہ جاتی تھیں"۔

ان سالگرہ پارٹیوں کے دوران وہ کتوں کے ذوق کو مدنظر رکھتے ہوئے ڈسک جوکری کا اہتمام بھی کرواتی۔ ڈی جے ان کے (کتوں کے) پسندیدہ بینڈ بجاتا۔ مثلاً" ڈیڈہاٹ چلی پے پر۔ گنز اینڈ روزیز۔ بابی براؤن۔ موڈی بلیوز۔ ناٹی بائے نیچر۔ ایرو سمتھ پمپ۔ میٹ لوف اور میوزک فیکٹری اور اسی اقسام کے دھوم دھڑکا۔ ناچا ناپا مچانے والے دوسرے مشہور زمانہ بینڈز۔

اوائل میں کتے پورے ارتکاز کے ساتھ با جماعت سنتے۔ پھر ایم ٹی وی سنگرز کی مانند ناستی ہو کر ایسی کود پھاند مچاتے کہ تمام برتھ ڈے پارٹی تہس نہس ہو جاتی۔ کیک اور ٹریٹ وہ پہلے ہی چٹ کر چکے ہوتے۔

پالتو جانوروں کے لئے تارا کے اس جذبہ د لگذاری کی دھوم دور دور تک مچ اٹھی۔

نیو جرسی میں ایک مقام ہے راؤنڈ ایریا کے نام سے۔ ادھر منعقد ہونے والے نیو فاؤنڈ لینڈ ڈاگ واٹر ٹیسٹ کے موقع پر انتظامیہ کی جانب سے دعوت نامہ تارا کو موصول ہوا۔ پانی کے اندر اس ٹیسٹ میں سینکڑوں اعلیٰ نسل کتے شمولیت کرتے ہیں سدھائے گئے کتے پانی کے اندر پیش آنے والے انسانی حادثات میں مد و معاونت کا عملی و ایکسٹر مظاہرہ دکھاتے ہیں۔ اس نوع کے کرتب کہ انسانوں کے ساتھ ساتھ کنارے پر براجمان ان کے غبی و کاہل کتے بھی عش عش کر اٹھیں۔ مقابلہ کے آخر میں پٹ پریڈ ہوئی۔ انواع و اقسام آسانی' عرشی' زمینی و آبی مخلوقات کو رنگا رنگ لباس' سج دھج سولہ سنگار کے ساتھ فخریہ اس پریڈ میں مالکان کے ہمراہ شامل کیا گیا۔

میاں بیوی کے ہاں روپیہ پیسہ کی ریل پیل شروع ہو چکی تھی۔ چونکہ پٹ شاپ کی اس آماجگاہ میں ہاتھ بٹانے سے داؤد کو نہ تو کوئی دلچسپی تھی۔ اور نہ ہی اس کے بس کی بات۔ لہٰذا وہ ڈرامہ زندگی کے اگلے سین تک بالکل فراغت کے شب و روز بتانے لگا۔ تارا نے امریکہ میں کسی نہ کسی سبیل اس کا ا-یلین سٹیٹس قدرے

مضبوط کروا لیا۔ داؤد کی تو جیسے دلی مراد بر آئی۔ سوشل سیکیورٹی نمبراس کے ہاتھ لگ چکا تھا۔ "ذاتی بنکنگ" اس نے سوچا۔ اور اس کے سہانے تصور میں کھو گیا۔

ذاتی بنکنگ اور انواع و اقسام ٹیلیفون سروسز تارکین وطن کے روبرو ہوئے حیات کے سوتوں کی رنگ آرائیاں وا کر دینے کی راہیں استوار کرتی ہیں۔ داؤد بھی بنکنگ اور فون کے نیٹ ورک میں الجھ گیا۔ اس کو خصوصاً" الیکٹرانک بنکنگ بے حد ایکسائیٹ کرتی۔ گھر بیٹھے بٹھائے اپنے چیکنگ۔ سیونگ۔ منی مارکیٹ اور دوسرے اقسام کے اکاؤنٹس کو بذات خود آپریٹ کریں۔

○☆○

ماما نے اپنے بینک کی راہ پہلے سے اس کو سوجھا دی تھی۔ اور اب ہاتھوں میں ذاتی سوشل سیکیورٹی نمبر تھا۔ وہ اپنے تمام اکاؤنٹس کنٹرول کرنے کا مجاز ہو چکا تھا۔ اڑتا ہوا قریبی بینک جا پہنچا اور اپنا کھاتہ کھلوا لیا۔ اس منافع کی بدولت جو "پٹ شاپ" سے اس کو وصول ہو رہا تھا۔ ثارا بظاہر دیانت داری کے ساتھ منافع تقسیم کیا کرتی۔ یعنی آدھا ادھر آدھا ادھر۔

ویسے تو ذاتی اکاؤنٹ کھولنے کی امریکی بنکنگ شرائط کڑی ہیں۔ مثلاً" صحیح پرکھ کے سلسلہ میں کوئی سی دو عدد آئی ڈی نیویارک سٹیٹ کی کوئی بھی مستند فوٹو آئی ڈی مثلاً" سٹوڈنٹ آئی ڈی کریڈٹ کارڈ۔ ایلئن رجسٹریشن یا سرٹیفکیٹ یا یو ایس پاسپورٹ داؤد کو تھوڑی بہت رعایت تھی۔ اول تو کچھ عرصہ پہلے اپنے ماما کے ساتھ جوائنٹ اکاؤنٹ میں شامل تھا۔ اب اس کے پاس تھوڑا بہت ایلئن سٹیٹس بھی تھا۔ اور سب سے بڑھ کر کھیسے کے اندر ساٹھ ستر ہزار ڈالرز کی گڈیاں۔

بینک آفیسر نے اپنے کیبن کے اندر اس کی پذیرائی کی۔ کافی منگوائی داؤد نے مختلف فارم بھرے۔ جن کے اختتام پر آفیسر نے اس کو اپنا اور صرف اپنا "پک" یعنی پی آئی ڈی (پرسنل آئی ڈینٹی فیکیشن کوڈ چن کر کمپیوٹر کے اندر اپنے دست مبارک کے ساتھ انٹر کرنے کو کہا۔ اسے سمجھایا گیا۔ کہ چار عدد ڈیجٹ والے نمبروں کا انتخاب

ضروری ہے۔ داؤد نے اونچی آواز میں بول دیا۔

"اوہو یوں نہیں سر۔ مجھ کو بھی پتہ نہ چلنا چاہیے۔ یہ معاملہ آپ کے اور کمپیوٹر کے مابین طے پائے گا۔ اس طرز پر سوچ کر خاموشی کے ساتھ اس پر عمل کریں۔ کہ میرے یا کسی دوسرے شخص کو کانوں کان اس کی خبر ہونے نہ پائے۔ جبکہ اپنے ذہن پر نقش کرلیں اس چار نمبری ڈیجٹ کو۔

"کیا میری بیوی کو بھی خبر ہونے نہ پائے؟" داؤد نے حیرت سے دریافت کیا۔

"سوری سر۔ کیونکہ یہی نمبر آئندہ ہر بینک ٹرانزکشن میں اپنے لئے از خود آپ کو استعمال کرنا ہو گا۔ بینک کے عملہ کا اس نمبر کو جاننے کا لیگل رائٹ نہیں ہے۔ آپ ایسے انداز میں اس نمبر کو کمپیوٹر کے اندر انٹر کریں گے۔ کہ میں یا کوئی دوسرا فرد تو دور کی بات خود کمپیوٹر کو اس کی اطلاع نہ ہو گی۔ یعنی آپ کی ڈیٹا انٹری پر یہ نمبر عیاں نہ ہوگا"۔ راجہ داؤد گم سم اسے سنا کیا۔

"او۔ کے ۔ سر! اب میں چہرہ دوسری جانب پھیرتا ہوں۔ آپ بعد اطمینان ذہن میں سوچا گیا اپنا کوڈ انٹر کر ڈالیں۔ یاد رہے کہ یاداشت کی خاطر اس سیکرٹ کوڈ کو کسی ڈائری میں تحریر کرنے کی غلطی مت کیجئے گا"۔

"یعنی ٹوٹل سیکرٹ سروس۔ داؤد کی ہنسی نکل گئی۔

"آئی۔ گیس۔ سو۔ سر"۔ نمائندہ نے سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔

"چلیں جی! خیر سے پک انٹر ہو گیا۔ داؤد اس نمبر کے تقدس سے اس قدر امپریس ہوا۔ کہ دل ہی دل میں اس کا ورد جاری رہا۔ کارڈ سائن ہونے کے بعد بینک نمائندہ نے کافی کی چسکیوں کے ہمراہ اسے مزید معلومات کی فراہمی جاری رکھی۔

"آپ پاکستان سے تشریف لائے ہیں؟"

"جی ہاں"۔

"آپ کے ملک میں ہمارے بینک کی برانچ موجود ہے"۔

"اوں۔ آں۔ کیا کہوں۔ مجھے تو ادھر آئے کچھ عرصہ بیت چلا۔ کہہ نہیں سکتا۔

آج کل کیا صورت حال ہے ادھر بینکوں کی"

"ہمارے بینک دنیا کے بیشتر ممالک میں موجود ہیں۔ مثلاً" یورپ۔ جاپان۔ میکسیکو۔ کینیڈا' کولمبیا' یو ایس ورجن آئی لینڈز۔ اسرائیل' چلی' ویسٹ انڈیز' ملائشیا' پورٹوریکو' سنگاپور' تھائی لینڈ' وینزویلا وغیرہ۔ دنیا کے آٹھ ہزار شہر ہماری شاندار سروس سے مستفید ہو رہے ہیں۔"

یہ جوان آفیسر اس قدر جوشیلا تھا۔ کہ داؤد کو ہمراہ لے جا کر اے ٹی ایم کیش مشین پر سمجھانا شروع کر دیا۔

"ورلڈ وائیڈ ہماری ستر ہزار کیش مشینیں لگی ہیں۔ جو سویرے اندھیرے اپنے مداحوں کے درمیانہ فقط کیش بانٹنے میں مصروف ہیں"۔

"کیا مفت؟" داؤد کے چہرہ پر ایک حماقت زدہ حیرت ابھری۔

"کچھ بھی سمجھئے"۔ آفیسر خفیف سا ہونے لگا۔ کیش بھی آپ کا اور مشین بھی آپ ہی کی غلام"۔

"چکا چوند کیش مشین کا جلوہ دیکھ کر اچانک داؤد کو اپنی کچلی روندی ٹوٹی پھوٹی وینڈنگ مشین یاد آگئی اس کو چکر سا آنے لگا۔ کافی کے مزید دو گھونٹ پی کر وہ سنبھلا اور آفیسر کی باتوں پر دھیان مرکوز کیا۔

آخر کو یہ انفارمیشن اسی کے فائدے کی خاطر تھی۔

"ہماری اے ٹی ایم مشینوں کے مختلف نیٹ ورک لاگو (سمبل) ہیں۔ مثلاً" سیم' (ایس۔ اے۔ ایم) آنر۔ دی ایکسچینج' سائپرس' ایس ٹی آر' پر-سٹو' منی بینک۔ میٹرو ٹیلر وغیرہ۔

ان کے اوپر نشان کئے گئے سمبل آپ یاد رکھ لیں۔ دوران سفر دنیا کے بیشتر ممالک میں آپ کے کام آ سکتے ہیں ان لاگو سے متعلق آپ کو سکیچ مہیا کر دیئے جائیں گے۔

"کیا یہ تمام مشینیں آپ کے بینک کی ملکیت ہیں؟"

"نہیں اپنی ان کی الگ الگ کمپنیاں ہیں۔ ہم تو محض ان کی خدمات حاصل کر رہے ہیں۔ یہاں بڑے بزنس کا یہی وطیرہ ہے"۔

"کہ مل جل کر کام کرو۔ اور مل جل کر بٹورو۔" داؤد نے بے ساختہ کہہ دیا۔ اور پھر بات بنائی "تب ہی لوگ ادھر قلیل عرصہ تجارت سے بھی ملینئر بن جاتے ہیں"۔

"ملینئر بننا اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ ان کیش مشینوں کے مالکان اور بینکرز ادھر ملٹائی ملینئر بلکہ بلین ایئر ہیں"۔

"واہ۔ واہ" داؤد متحیر سا اس کی باتوں میں جذب ہوتا گیا۔

"اور ایک ضروری بات بتانا تو بھول بیٹھا۔ آئندہ اس قدر کیش جیبوں میں اڑس کر سٹریٹ نوردی مت کیجئے گا۔ کیش اور خطرہ ہم سفر ہوا کرتے ہیں۔ روزمرہ اخراجات، شاپنگ وغیرہ کی کل سہولیات ہمارے بینک کی بدولت لیجئے۔ مختلف سپر مارکیٹوں کے اندر ہماری اے ٹی ایم کیش مشین بنام سیم اور سائپرس نصب ہیں۔ آپ کو ہمارے کارڈ کے ذریعہ فوری کیش مہیا کر دیا کریں گی۔ کیش ڈھونے کا خطرہ آپ پھر کیوں مول لیتے ہیں۔ نا؟ لوکیشن معلوم کرنا ہو تو ہماری فری فون ہاٹ لائن ہر لحہ سروس پر حاضر ہے۔

"شکریہ۔ شکرن، تھینکس۔ گاڈ بلیس۔ یو"۔ داؤد اس کی خوش اخلاقی اور بہتر سروس سے خاصا امپریس ہوا۔

"اچھا تو لایئے پھر میرا بینک کیش کارڈ۔ تاکہ میں سدھاروں باہر آپ کے دوسرے کسٹمرز اپنی باری کے منتظر ہیں"۔ اس نے کیبن کے باہر موٹے شیشوں کی دیوار کے پرے بے چین کیو کی جانب دیکھا۔

"کارڈ۔ نہیں۔ نہیں یہ پلاسٹک منی کارڈ تو آپ کو آپ کے پوسٹل ایڈریس پر وصول پائے گا۔ جس کو آپ واپس ہمارے پاس لا کر ہماری موجودگی میں سائن کریں گے۔ جب ہی قابل استعمال ہو گا۔ فی الحال آپ اس چیک بک اور ڈیپازٹ ٹکٹوں

سے کام چلاتے رہنے گا۔ پلاسٹک کارڈ کی تیاری میں ہفتہ دس دن صرف ہوں گے"۔ ہلکا پھلکا لفافہ داؤد کو تھماتے ہوئے اس نے جاری رکھا۔"آپ کی ذاتی ڈیپازٹ سلپ اور چیک بک وغیرہ کی پرنٹنگ کا کام آج سے شروع ہو جائے گا۔ ہم ان کو آپ کا نام ایڈریس وغیرہ روانہ کررہے ہیں۔ وہ پیکج بھی بذریعہ میل آپ کو ایک سال کے لئے بالکل فری اپنے گھر پر وصول پائے گا۔" آخر میں اس نے داؤد کے ساتھ مصافحہ کیا اور دروازے کی جانب لپکتے داؤد پکار کر خوشدلی کے ساتھ بولا۔

"آپ کا کیش پلاسٹک کارڈ الہ دین کا وہ چراغ ہے کہ جس کو رگڑنے پر آپ ہمیشہ مختلف ٹرانزکشن کرنے پر قادر ہوں گے"۔ "نائس ڈے"

"یو۔ ٹو"۔ داؤد نے اس آفس کے باہر ہال میں قدم رکھا تو کیو میں کھڑے کسٹمرز اس پر خشمگیں نظروں سے گھور رہے تھے۔

"جانے کیوں" وہ اپنے تیئں آپ سے مخاطب ہوا۔"کوئی فقیر فقرا تو نہیں ہوں میں"۔

اب جو سرور اس کو بنکنگ اور فون کے ساتھ میسر تھا وہ کسی قیمت حاصل کیا نہ جا سکتا تھا۔ کم از کم داؤد کا یہی ایمان ٹھہرا۔

ماما اسے وقت کے ملیا میٹ کرنے کے موافق گردانتا۔

وہ اکثر یہی کہہ کر چھیڑتا کہ بھانجے ننانوے کے چکروں میں پڑ گئے۔

"ماما! پیسہ وہ جو چلے!" داؤد اس پر بات دے مارتا۔

"مگر میرے ساتھ جوائنٹ اکاؤنٹ تمہاری مرضی بلکہ تمہاری مجبوری کی بنا پر کھولا گیا تھا۔" ماما برا مان جاتا۔

"وہ تو درست ہے۔ پر تم نے مجھے یہاں کی بنکنگ اور ضروری انفارمیشن کے بارے بالکل کنگال رکھا۔ بلکہ میرا بینک کارڈ تک بنوانا گوارا نہ تھا تم کو

"وہ ۔ وہ تو۔ یار نئے نئے تم ادھر وارد ہوئے تھی ان جھمیلوں میں پڑنے کی کیا تھی"۔

"ماما آئیں بائیں شائیں کرتے رہ جاتا۔

"ایک سہانی صبح ڈاکیہ داؤد کل بینک کارڈ لے آیا۔ وہ فرط طرب سے اڑا اڑا سا بینک جا پہنچا۔ اس پلاسٹک کارڈ پر ان کی موجودگی میں سائن سائن کرنے کے بعد اس نے لابی میں نکس کسی ایک بنگ سنٹر سکرین (اے۔ ٹی۔ ایم) پر آزمائش شروع کر دی۔

یہ مشین پانچ زبانیں' انگریزی' سپینش' چائنا' گریک' اور کورین سمجھتی تھی اور لاتعداد آپشن کی پیشکش کرتی تھی۔ آپ کو انفارمیشن چاہیے۔ اپنے اکاؤنٹس کے مابین پیسہ ٹرانسفر کرنا ہے۔ چیکنگ یا سیونگ یا دوسرے آپ کے اکاؤنٹس میں اس سے کتنی رقم موجود ہے۔ یا اس میں کس قدر قابل استعمال ہے؟ موجودہ بیلنس ؟ آخری وہ تاریخ جبکہ خاص رقم ڈیپازٹ یا نکلوائی گئی تھی۔ موجودہ ریٹ۔ کون کون سے چیک کلیئر ہوئے باؤنس یا ڈس آنر ہوئے کس قدر جرمانہ آپ پروا جب الاداء ہے۔ فلاں دن کس قدر منافع کمایا اور کس ریٹ پر کمایا۔ پہلے سال بھر کے لئے مٹھائی کے طور پر آپ کو سروس چارجز ادا کرنا نہ پڑیں گے۔ آخر میں آپ کی فرمائش پر مشین آپ کو اس سمری کا پرنٹ شدہ ریکارڈ مہیا کرتی ہے۔ یہ ریکارڈ یعنی ٹرانزکشن۔ ساٹھ دنوں کی آپ کی بنکنگ کارکردگی پر مشتمل ہو سکتا ہے۔

"سبحان اللہ تیری قدرت"۔ داؤد عش عش کر اٹھا۔

"واقعی نئے زمانے کا یہ اللہ دین کا چراغ ہے۔ اس پر کارڈ رگڑنے کی دیر۔ کہ مشین آپ سے لفاظی استدعا کرتی ہے۔ "ہیلو! جلدی سے اپنا پک انٹر کرو"۔

"پک (کوڈ نمبر) انٹر کرنے کی دیر۔ کہ وہ آپ کی غلام اور آپ اس کے آقا۔ پیسہ نکالیئے۔ پیسہ ڈالیئے۔ جو دل میں آئے سلوک اس کے ساتھ روا رکھیئے بلا چوں و چراں سر تسلیم خم! وہ یہ سروس ان تھک لگاتار' ہفتہ کے ساتوں دن۔ ہر دن کے چوبیس گھنٹے آپ کے لئے سرانجام دینے کی اہل ہے۔

"بہت زیادہ امیدیں وابستہ نہ کرو تو بہتر ہے۔ ایک دن میں چھ سو ڈالرز سے

زیادہ رقم تم نہیں نکلوا سکتے۔" ماما نے اطلاع دی۔ "اور ہاں ایسا کرو کہ پیسہ کے زیادہ پھیلاؤ کی خاطر مزید سیکیورٹیز حاصل کرو۔ "اس کا نیک مشورہ تھا۔

"سیکیورٹیز کیا؟"

"بھانت بھانت اکاؤنٹس کو بینکنگ اصطلاح میں سیکیورٹیز کہا جاتا ہے۔ مثلاً" سٹاک بانڈز وغیرہ۔

"اس کا فائدہ کیا ہو گا؟"

"جس قدر مختلف سیکیورٹیز کے اندر رقم کو پھیلاؤ گے اس سے منافع کی شرح بڑھے گی"۔

"ماما! تم تو ایک دم بنئے ہوتے جا رہے ہو"۔

"اسی لئے ڈرتا ہوں ۔ کہ اس سودی دنیا کے چکروں میں تمہارا بھی میرے میرے جیسا حال نہ ہو جائے آخر کار۔ اسی ننانوے کے چکر میں پچھلے بیس برس سے مگن ہوں۔ نہ تو گھر بسایا اور نہ ہی نسل بڑھائی۔ تمہاری عمر میں بینکوں کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو گیا تھا۔ بس ایک ہی دھن تھی۔ کہ ٹیکسی چلاؤں پیسہ بناؤں اور بینک کے کنواں میں ڈالتا جاؤں مگر یار بنتا کچھ نہیں ہے وطن کی بوٹی دیکھنے کو آنکھیں ترس گئیں۔ ادھر دیکھو چڑیا نکل آئی۔ کسی روز اپنے بھائی بند ٹیکسی ڈرائیوروں کی طرح کسی چور اچکے کے ہاتھوں اپنی ہی ٹیکسی کے اندر بن موت مارا جاؤں گا۔ تب میری اس برسوں کی کمائی کا مالک میرا بینک ہو گا۔ ہاں۔ ہاں میرے ایسے اوتر نکھتروں' کا یہی حشر ہوا کرتا ہے ادھر"۔

"ماے۔ ماے۔ میری ہمتوں کا امتحان مت لو۔ کچھ نہ ہو گا تم کو کہیں سے چاند سی دلھن بیاہ لائیں گے تمہارے لئے بھی۔ قلق مت کیا کرو۔ اچھا یہ بتاؤ کہ کریڈٹ کارڈ کس طریقہ پر مل سکتا ہے مجھے؟"

"آتے پھنس گئے نا تم بھی۔ اس پھندے میں۔ کہ ناں ہے۔ تم نہ مانو گے۔ خود ہی مار کھاؤ گے۔ تو ہوش ٹھکانے پر آجائیں گے۔ یہاں کون سنتا ہے دوسروں کی۔

امریکہ کی دھرتی پر قدم دھرتے ہی رت (سرخی) چھا جاتی ہے۔ آنکھوں کے آگے۔ ان بینکوں کی رت۔ چل بیٹا! کسی روز بینک جا کر عرضداشت دے دیں گے۔ تمہارے کریڈٹ کارڈ کے لئے۔"

"نہیں ماما۔ آج۔ اسی وقت۔ آج کا کام کل پر نہ چھوڑنا چاہیے"

چنانچہ اسی روز کریڈٹ کارڈ کے لئے عرضداشت دے دی گئی۔ کوئی دوڈھائی ماہ کے بعد جواب نا معقول موصول ہوا۔ کریڈٹ کارڈ سے کورا انکار۔ لکھا تھا۔ کہ حیرت ہے کیسے فرض کر لیا اس نے کہ وہ کریڈٹ کارڈ کے لئے کوالیفائے کرتا ہے! یعنی بندہ خدا نہ تم کسی کے ایمپلائی ہو۔ اور نہ ہی اپنے ذاتی بزنس کے مالک (پٹ شاپ کا بزنس ثارا کے نام تھا)۔

داؤد کے تمام سہانے خواب پھیکے پڑ گئے۔ کریڈٹ کارڈ کے بغیر وہ کیا تھا؟ بنگلہ۔ نئی کار نہیں خرید سکتا تھا۔ نہ مار گیج پر نہ لیز پر۔ کسی قسم کا بینک لون حاصل کرنے کے ناقابل۔ کیونکہ صرف اور صرف لائن آف کریڈٹ کے بالمقابل لون لئے جا سکتے ہیں۔ پھر آئندہ وہ بزنس کیونکر کرے گا۔ ملینئر کیسے بن پائے گا۔ گولڈ کارڈ کیسے حاصل کرے گا گولڈ کارڈ میرے رب۔ گولڈ کارڈ۔ جن کے حصول کی خاطر وہ سمندر پار آیا تھا۔

○☆○

کریڈٹ کارڈ نہ ملنے کا غم جب داؤد کو ستانے لگا۔ تب وہ سرتاپا بنکنگ مشاغل میں غرق رہنے لگا۔ بے تحاشا سی ڈی سرٹیفکیٹ خرید ڈالے۔ بلاوجہ ٹریولرز چیک جمع کر لئے۔ اور دن کا بیشتر حصہ الیکٹرانک بنکنگ کے ساتھ چھیڑ خانی رہتی۔

چنانچہ آٹو میٹک فون بینکنگ ہی اب اس کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ ذاتی ٹچ ٹون فون کے ذریعہ اپنا بینک کارڈ نمبر انٹر کریں۔ پھر فون ٹچ ٹون پیڈ پر اپنے سوشل سیکیورٹی نمبر کے آخری چار ڈیجٹ انٹر کریں تب ادھر سے بینک نمائندہ بول اٹھے گا۔ مشورہ دے گا۔ کہ چار تا چھ نمبروں کا ڈیجٹ سوچ کر بتائیں تا کہ آپ کے لئے اسی لحظہ فون

بنکنگ ایکس وضع کر لیا جائے۔ یہ کوڈ آپ کے خفیہ پک کے مطابق ہرگز نہ ہونا چاہیے تاکہ مغالطہ نہ ہونے پائے۔ ایک مرتبہ ذاتی بنکنگ ایکس آپ حاصل کر لیتے ہیں اس کے بعد آپ کو نمائندہ کے فون پر بلانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ آپ گھر کے آرام کے اندر کوزی صوفے پر دراز بالکل آٹو میٹک طریقے سے تمام اکاؤنٹس کی جملہ اپ ٹو ڈیٹ تفصیلات معلوم کریں گھر بیٹھے بٹھائے چیکنگ' سیونگ' منی مارکیٹ اکاؤنٹس کھول سکتے ہیں۔ سی ڈی سرٹیفکیٹ خریدئے۔ کتنا آرام ہے کہ محض ذاتی بنکنگ کارڈ اور فون آٹو میٹک بینکنگ ایکس کوڈ ملانے پر آپ کا کام مکمل۔ اس طریقہ کار سے آپ کے فنڈز خود بخود یعنی فون کے ذریعہ ٹرانسفر ہو جاتے ہیں۔ کسی قسم کا کوئی کمپلے نہیں ہوا کرتا۔ بیک وقت لاکھوں کسٹمرز یہ شغل جاری رکھ سکتے ہیں۔ فون لائنوں پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا۔

اس دلچسپ کھیل کے ذریعہ وہ دن میں کئی مرتبہ اپنے کھاتوں کے ساتھ رسائی حاصل کر لیتا۔ تو تھوڑی دیر کے لئے اسے طمانیت کا احساس ہو جاتا۔ اگرچہ ہر ماہ اس کو بینکنگ سٹیٹ منٹ قاعدہ کے مطابق بذریعہ پوسٹ وصول ہو رہی تھی۔ جس کے اندر نہایت آسان کمپیوٹر فارمیٹ کے ذریعہ ہر ضروری و غیر ضروری تفصیل بمعہ تاریخ درج ہوتی۔

داؤد اس سٹیٹ منٹ کو پڑھنے کی زحمت بالکل نہ کرتا۔ ایک دم بورنگ ڈل محسوس ہوتا اب تو یہ' بلکہ آٹو میٹک بنکنگ کا یہ شغل بھی بارہا دہرانے سے ذرا ماند پڑنے لگا۔ تب داؤد نے ایک نیا سرور ڈھونڈ نکالا۔ اب پرسنل کمپیوٹر کے ذریعہ وہ پرسنل بینکر بن چکا تھا۔ اپنے بینک کارڈ کے وسیلہ سے وہ اپنے ذاتی کمپیوٹر کی ڈائریکٹ ایکسس حاصل کر لیتا۔ اس طرز پر کم از کم ثارا کا ہاتھ ہی بٹا دیتا۔ گھر کا کرایہ' پٹ شاپ کا کرایہ' بجلی گیس ہیٹ وغیرہ ہر طرح کے یوٹیلٹی بل گھر بیٹھے بیٹھائے اسی روٹ سے ادا ہو جاتے۔

"او۔ ڈیوی! ہاؤ ویری تھرلنگ"۔ ثارا مکاری کے ساتھ اسے شاباش دیتی۔

گھر سے باہر نکلتا۔ تو اپنے بینک فون کارڈ کے ذریعہ "موبل" اور "ایگزان" گیس سٹیشنوں سے ایندھن بھرواتا۔ گاڑی کی دھلائی۔ نگرانی اور چھوٹی موٹی مرمت کروا لیتا۔ فخر سے وہ گردن تانے واپس سیٹ پر سیٹرنگ یوں سنبھالتا۔ جیسے جدی پشتی نواب ہو۔ یہ نوابی کیا کم تھی کہ وہ بھی پلاسٹک منی کی دوڑ میں شامل ہو چکا تھا۔ اب مٹھی میں ڈالرز دبائے وہ باہر نہ نکلتا تھا۔ کہ کیش کا استعمال اب تو "ان" نہیں رہا۔ بلکہ کیش تو اب تھوڑ پو نجئے ہی استعمال کرتے ہیں۔ جن کو بینک اکاؤنٹ رکھنے کی استطاعت نہ ہو۔

ایک روز بیٹھے بٹھائے داؤد کو بیوی کے بارے میں کھوج سی لگی تارا یہاں کی بیویوں کی مانند اپنے بنکنگ معاملات پر شوہر کے ساتھ تیرے میرے کا سلوک روا رکھتی۔ اس کو اجازت نہ تھی۔ کہ بیوی کے پیپرز کو ہاتھ تک لگائے۔

ایک روز وہ کام پر جاتے ہوئے اتفاقاً اپنی درازوں کو لاک کرنا بھول گئی۔ ازدواجی تقاضا یہ تھا کہ میاں بیوی کے معاملات ایک دوسرے کے روبرو سرنگوں ہونا چاہیں۔ لہذا اس کی غیر موجودگی میں داؤد اس کے کاغذات کی چھان بین کرنے بیٹھ گیا۔ کیسے کیسے آپشن لے نہ رکھے تھے۔ اس دھاکڑ باز نے! انشورڈ مارکیٹ ریٹ اکاؤنٹ بنام ای۔ ایس۔ اے اکاؤنٹ اسی بینک کا کلاسک ماسٹر کارڈا اینڈ ویزا۔ پناہ رب ذوالجلال! اس پر طرہ یہ کہ پرے فرڈ ماسٹر کارڈ' اینڈ پرے فرڈ ویزا' بھی۔

اس کی ماہوار ٹرانزکشن سے یہ حقیقت سرنگوں ہوئی۔ کہ محترمہ کے اخراجات کی حدود نہ تھیں۔ بینک کارڈ سیونگ اور ریڈی کریڈٹ اکاؤنٹ سے بلاوجہ اور بلا مبالغہ تقریباً ہر دوسرے تیسرے روز ایک ہزار ڈالرز نکلوائے گئے۔ ہفتہ میں دو تین بار ایم۔ آر۔ اے نامی اکاؤنٹ سے دو ڈھائی ہزار کے لگ بھگ ٹریولرز چیک بھنواتی رہی۔ آہ! کیسے کیسے سنہرے اکاؤنٹس کی ہے مالکہ یہ تو سرباز خاتون بلا شرکت ایرے غیرے۔ کہ وہ بذات خود ان کا مجاز کہاں تھا۔ اسے تو فی الحال بالکل سیدھے سادے دیسی قسم کے اکاؤنٹس پر ہی تکیہ کرنا تھا۔

اور اس کی یہ بیوی ۔ کہ سرمایہ داؤد کا اور خالی خولی امریکیت بیوی کی۔ سالی کی پانچویں گھی میں ہیں۔ شوہر سے چوری چھپے پیسے میں کھیل رہی ہے۔ نمرود کی اولاد۔ داؤد دل میں جلتا کڑھتا کاغذات کی الٹ پلٹ کرتا رہا۔ کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ ڈھیروں لا یعنی خریداری کے بل۔ بھاری رقوم کے دعویدار ماڈرن فیشن سٹورز جو ہر چھوٹے بڑے شاپنگ مال پر چھا رہے ہیں۔ جیسے فریڈریکس آف ہالی وڈ۔ لرنرز' پڑاز' لینڈز' کینڈین' گنتاز' لین بائرنٹ' کان ٹمپو' وکٹوریا سیکرٹ' پشس پلیس' وی۔ آئی۔ ایم۔ اپس اینڈ ڈاؤن وغیرہ۔

ٹارا کے پاس پہلے سے موسمی و بے موسمی لباسوں کے کلازٹ اٹے پڑے تھے۔ اور درجنوں جوتے مگر چند درجن مزید کی خریداری کے بل تھے۔ مہنگے مہنگے۔ تمام کین سینڈل' جوڈیش' بیکرز اینڈ کی شوز' وا یلڈ پیئر' نائن ویسٹ شوز اور فلاں ڈھمکاں۔

ابھی وہ فیشن جیولری اور میک اپ کے بلوں کی لسٹ بغور ملا حظہ کر رہا تھا کہ اپارٹمنٹ کے باہر لابی میں ہائی ہیل کی جانی پہچانی کھڑاک سنائی دی۔ ٹارا گھر لوٹ رہی تھی۔ داؤد نے گھبرا کر پلندے اپنی جگہ پر جمائے اور درازیں مضبوطی کے ساتھ بند کر دیں۔

وہ تیزی سے کچن کی جانب لپکا۔ تا کہ فریزر سے "بنکوئٹ" کا تیار شدہ ٹی وی ڈنر پیکٹ نکال کر مائیکرو ویو میں لگا دے۔ اور سبزی ترکاری چھیل کر مسکر کے اندر بھر دے۔ یہ ٹارا کا ڈنر ٹائم تھا۔ اور اس کو یہ بات بالکل پسند نہ تھی۔ کہ وہ کام سے تھکی ہاری گھر لوٹے اور کپڑے تبدیل کرنے اور شاور لینے کے بعد بھی اس کا ڈنر اس کو ڈائی نیٹ پر ریڈی نہ ملے۔

اگلے کئی روز وہ سوچوں میں ڈوبا رہا۔ اسے رنج ٹارا کی فضول خرچیوں پر نہ تھا۔ طمع خریداری اور فضول خرچی۔ وہ بخوبی جان چکا تھا یہ دونوں خصائل امریکہ کا ہڈن (مخفی) ایڈز نمبر ٹو ہے۔ جو گھن کی مانند اندر ہی اندر اس کو (امریکہ کو!) چاٹ رہا ہے۔ قصہ یہ بھی نہ تھا۔ کہ ٹارا نے اپنی الگ تھلگ ایک دنیا بسا رکھی تھی۔ اور داؤد

بیوی کے اس سیکرٹ گارڈن کے باہر کھڑا محض ایک ایلین۔ اصل معاملہ یہ تھا کہ
تارا بھان مٹی تھی۔ جو منافع بظاہر وہ برابر برابر تقسیم کر رہی تھی اس میں داؤد کا شیئر
محض پی نٹس' یعنی کچی مونگ پھلی کے برابر تھا۔ ثبوت وہ اپنی گنہگار آنکھوں سے اس
کی خفیہ درازوں کے اندر مطالعہ کر چکا تھا۔ ڈیوڈ پٹ شاپ ڈیلی اینڈ سلان کی بے پناہ
آمدن وہ دلیرانہ فراڈ کے ذریعے نوے فیصد ہڑپ کر رہی تھی۔ جانتی تھی کہ داؤد اتنے
طویل عرصہ میں محض ایک سوشل سیکیورٹی نمبر اور بینک ون کارڈ کے بل بوتے اس
سے جواب طلبی کی نوک جھونک نہ لے گا۔ وقت کی اس نزاکت کا خود داؤد کو بھی
مکمل احساس تھا وہ اس کے سوا اور کچھ کر نہ سکا۔ کہ جھو نجھل ہو کر رہ جائے۔ لہٰذا
فریسٹریشن میں آ کر داؤد نے ٹیلیفون اور ٹیلیفون کمپنیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لیا۔ اب
ٹیلی کیمونیکیشن ہی اس کا پیرو مرشد۔ اور وہ ان کا مرید۔

سب سے پہلے اس نے فون کے تمام پرانے آلے آؤٹ آف ڈیٹ قرار دیتے
ہوئے ماڈرن آلے خریدے۔ اے ٹی اینڈ ٹی اور کونیئر کے کاؤیس سپیکر فون۔ دس
چینل آٹو سکین ساؤنڈ چارجرز شور کو کم کرنے والے سسٹم۔ دس نمبری یاداشت۔ ہینڈ
سیٹ مانیٹر سپیکر جس پر وقت اور دن ہر ڈائل کے ہمراہ نمودار ہوتا ہے اپ ڈیٹ
کاؤیس آنسرنگ سسٹم جس کے اندر یہ خوبی ہے کہ باہر جانے والے پیغامات مائیکرو چپس
پر ریکارڈ ہوتے ہیں اور اندر آنے والے پیغامات مائیکرو کیسٹ پر۔ ہمراہ وقت اور دن
سٹمپ ہو جاتا ہے۔

اگلا کنکشن دنوں میں مل گیا۔ داؤد یہ دیکھ کر حیران ہوا۔ کہ وعدہ کے مطابق
پہلی ہی اپائنٹمنٹ پر نیویارک ٹیلیفون کمپنی کے کارندے ان کے دروازے پر آن پہنچے
تھے۔ کنکشن دینے کی خاطر۔ انہوں نے بتایا کہ کمپنی پہلی اپائنٹمنٹ میں اگر کوتاہی کرتی
ہے۔ تو پچیس فیصد رقم وہ گاہک کو لوٹانے کے پابند ہیں۔ دوسری کوتاہی پر وہ پینسٹھ
فیصد جرمانہ بھریں گے۔ تیسری اپائنٹمنٹ کا دن اور وقت کمپنی سے گرچہ مس ہو جائے
تو گاہک کو سو فیصد رقم واپس لوٹاتے ہوئے بالکل فری کنکشن مہیا کرنا ان کے فرائض

منصبی میں شامل ہے۔ کیا کہنے اس محکمہ کی کارکردگی کے۔

یہ بات بھی کچھ ماہ کے بعد داؤد کے پلے پڑی۔ کہ بل پر جو چارجز اور سروسز راج ہوتے ہیں۔ ان سے بیک وقت دو کمپنیاں مستفید ہوتی ہیں۔ ایک سروسز مہیا کرتی ہے۔ اور دوسری کمپنی آپ کی کالوں کا حساب کتاب رکھتی ہے۔ اول تو گھپلے کے چانس نہیں ہیں۔ اگر کوئی پرابلم درپیش ہو۔ تو فوری طور پر اور بالکل مفت آپ ون آٹھ سو والے نمبر پر ٹول فری کال کرکے بالواسطہ فون کمپنی کے پریذیڈنٹ سے شکوہ شکایت کر سکتے ہیں۔ اس لائن کو پریذیڈنٹ لائن کہتے ہیں اور ہفتہ میں ساتویں دن اور چوبیس گھنٹے آپ بلاشبہ فون کر کے پریذیڈنٹ کو بے آرام کر سکتے ہیں۔ فون نہ کرنا چاہیں اپنی شکایات تحریری طور پر آپ نیویارک ٹیلی فون پریذیڈنٹ یا وائس پریذیڈنٹ تک پہنچا سکتے ہیں۔ یقین جانیئے کہ اس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلے گا۔ اگر آپ کی ان کے جواب سے تشفی نہیں تب معمولی سی تکلیف گوارا کر کے ایمپائر سٹیٹ پلازا۔ البنی کے پبلک سروس کمشن کو جو کہ شکایات کا ہیڈ کوارٹر کہلاتا ہے۔ وہاں تک اپنی آواز یقیناً" پہنچا سکنے کے اہل ہیں۔ خواہ آپ خواص میں سے ہوں یا عوام میں سے۔

آخر کوئی خوبی تو ہے۔ جو یہ ٹیلی فون کمپنیاں اربوں کھربوں کما رہی ہیں۔ داؤد دل ہی دل میں داد دیئے بنا رہ نہ سکا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے۔ کہ یہ ٹیلی کمیونی کیشن کمپنیاں مثلاً" ایم۔ سی۔ سی آئی۔ سپرنٹ۔ اے ٹی اینڈ ٹی وغیرہ دنیا کے بے شمار ممالک کے اندر مقابلہ بزنس کی چوہا دوڑ کھیل رہی ہیں۔ اور اس چوہا دوڑ کے چرنوں میں لگاتار کئی ملین ڈالرز کی بھینٹ چڑھائے چلی جا رہی ہیں۔ کیوں؟ پبلسٹی کے دیو کے زور پر۔

رب بھلی کرے! اپنے کسٹمرز کے واسطے جن جن مراعات کا وعدہ کریں ان کا پاس بھی کر دکھاتے ہیں۔ مثلاً" ایم۔ سی۔ آئی کی ایک سکیم کے مطابق اگر پرانا کسٹمر بیس عدد نئے بندے پھنسوا دے۔ تو بطور انعام کمپنی ان اکیس لوگوں کی تمام تر مابین کالوں پر دونوں اطراف (خصوصاً غیر ملکی کالیں) بیس فیصد رعایت کے ساتھ مزید چالیس

بعد بخشیں عنایت کرتی ہے۔ داؤد کو تب یہ علم نہ تھا۔ کہ کسٹمر کو اس سکیم کے خصوصی کارڈز اس لئے مہیا کئے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ مفت بری کے نشہ میں آکر بے تحاشا کالیں کر ڈالیں۔ اور اپنی دانست میں یہی سمجھا کریں کہ وہ دھڑا دھڑ بچت کر رہے ہیں۔ اس حقیقت سے بے بہرہ کہ اس اسراف کا تمام تر بوجھ لگاتار اور آخرکار کسٹمر ہی کے ناتواں کندھوں پر ڈھے جاتا ہے۔

داؤد نے اس رعایت کی خوشی میں مصلحتاً شاید لاشعوری بے صبری کے عالم میں ان گنت بیرون ملک کالیں کر ڈالیں۔ پاکستان اور دوبئی۔ لندن اور سعودیہ۔ اپنے گھر والوں۔دوست و احباب۔ بھولے بچھڑے عزیز و اقارب کی بھی خیر خیریت دریافت کی۔ مزاج پرسی کر ڈالی۔

ایم۔ سی۔ آئی پرائم ٹائم کا بھی اس نے خوب خوب تجربہ کیا۔ یہ کالیں وہ امریکی ریاستوں کے اندر کر سکتا تھا۔ اس بچت سکیم کے تحت پہلے ایک گھنٹہ کے لئے صرف آٹھ ڈالرز۔ یہ رعایت پانچ بجے شام تا صبح آٹھ بجے تک۔

ان کالوں سے مستفید ہونے کی دیر تھی۔ کہ فری کالنگ سرٹیفکیٹ داؤد کو بذریعہ پوسٹ ملنا شروع ہوئے۔ وہ پھولا نہ سمایا۔ سوچا کہ امریکہ میں اپنا اس کا ایک مقام بنتا جارہا ہے۔ جو چار بندے مانتے ہیں اس کو اب۔ اس کے زعم میں وی۔ آئی۔ پی ڈاک موصول کرنے لگا تھا اب تو وہ۔ جلد ہی کمپنی کی جانب سے اسے مخاطب کر کے ایک خط ارسال کیاگیا۔ مودبانہ القاب و تمہید کے بعد عرض تھی۔ کہ فری کالوں کے لئے ہم آپ کو دلی مبارکباد دیتے ہیں۔ اگر برا نہ منائیں تو گزارشات ہیں کہ ان تمام فری کالوں کے عوض آپ کو بہ نفس نفیس ہم سے فلاں فلاں پلان خریدنا ہوگا۔ آگے پلانوں کی ترتیب اور توصیف درج تھی۔

آئی ڈیٹا' رنگ خریدیئے۔ یعنی ایک ہی فون لائن کے ذریعہ گھر کے اندر تین عدد مختلف نمبر آپ حاصل کر سکتے ہیں۔ اپنے لئے الگ ایک نمبر ریزرو رکھیں۔ بیوی کے لئے دوسرا۔ اور ٹین ایج بچے کے واسطے بالکل الگ تھلگ۔

خصوصاً" اپنے ٹین ایج کڈز' کی ان تھک کالوں کے جوابات کی سر دردی سے آپ بے نیاز ہو جایئے۔ نمبروں کی سماعی پہچان بھی جداگانہ ہے۔ ایک ہی لائن پر تین مختلف پیٹرن کی گھنٹیاں بج اٹھیں گی۔ اپنا ذاتی پیٹرن آپ کے ذہن نشین ہو تو دوسروں کے فون کی جانب لپکنے کی ضرورت محسوس نہ ہو گی۔

دوسرا آپشن ہے۔ سپیڈ کالنگ۔ اس کے ذریعہ تمیں عدد نمبر اپنے فون پر پروگرام کر سکتے ہیں۔

کال بلاک۔ ایک ایسی سہولت جس کے وسیلہ سے آپ جن نامراد لوگوں کو منہ لگانا نہ چاہتے ہوں۔ ان کی کالوں کو روکا جا سکتا ہے۔ آپ کے فون کی گھنٹی بجنے سے پیشتر ہی ناپسندیدہ گھنٹی منقطع ہو جاتی ہے۔ اس طرز پر تمام نیوسنس کالوں کو روکا جا سکتا ہے۔ لہٰذا یہ پلان خریدیئے تاکہ آئندہ کوئی گستاخ بدکلام آپ کی شان میں فون پر ناشائستگی کا مرتکب ہو۔ تو اپنا سا منہ لے کر رہ جائے۔

کال ویٹنگ ۔ آپ پہلے کالر کو فون پر چند لمحے ہولڈ کروا کر دوسرے کالر کے ہمراہ بات چیت جاری رکھ سکتے ہیں۔ اس سے فرصت پر دوبارہ پہلے کالر کی جانب بے شک ملتفت ہو جایئے۔ "از اٹ ناٹ فیسینیٹنگ؟"

کال فارورڈنگ ۔ اپنے فون پر ریسو ہونے والی کالوں کو دوسرے کسی نمبر پر بھجوا سکتے ہیں۔

کال کے دہرانے سے مراد ہے۔ بالفرض محال کوئی ضروری کال آپ نے مس کر دی۔ تو خصوصی نمبر دبانے پر آپ کو آخری کال لحظہ میں مل جائے گی۔ فرض کریں۔ وہ بزیعنی مصروف ہو چکا ہے۔ اس عرصہ میں آپ دوسری ضروری کالوں سے نمٹ لیں گے۔ جونہی آپ کا مطلوبہ نمبر فارغ ہو گا بالکل آٹومیٹک طرز پر اس کا رابطہ آپ سے قائم ہو جائے گا۔

ری ٹرن کال۔ واہ رے! نئی زمانہ کیسی سہولت ہے۔ آپ کی آخری کال مس ہو جاتی ہے۔ تو آٹومیٹک طریقہ پر وہ کال آپ کو دوبارہ مل جائے گی۔ خواہ آپ نے گھنٹی

کا جواب دیا ہو گا یا نہیں۔

سیلیکٹ فارورڈ۔ کیسا فائدہ مند سلسلہ ہے۔ آپ آفس یا گھر کے اندر موجود نہیں۔ بے شک مت ہوا کریں۔ آپ کہیں بھی آوارہ گردی کر رہے ہیں۔ کال آپ کا پیچھا کرتی آپ تک پہنچ جائے گی۔ اس طرح کوئی چھ عدد فون کالرز مختلف لوکیشن پر آپ کو کھوج سکتے ہیں۔ جی ہاں! گھبرائیے مت یہ کالرز آپ کے اپنے انتخاب شدہ ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ اچانک چیدہ چیدہ کال چاہتے ہوں تو غیر ضروری کالیں خود بخود ؟ حذف ہو جائیں گی۔

Priority پرائے۔ آرٹی کال۔ اہمیت کی حامل ہے اس کی گھنٹی آپ کو ایک خصوصی ٹون کیساتھ چوکنا کر دیا کرے گی۔ اس کے اندر بھی چھ عدد کالرز کی گنجائش ہے۔

تھری وے کالنگ۔ (تین رویہ) بیک وقت اپنی تیسری یا تیسرے بڈی یار کو دو کی گپ شپ میں شامل کر لیجئے۔اس سسٹم کے ذریعہ نہ صرف آپ لوکل۔ انٹرسٹیٹ بلکہ فارن کال بھی کر سکتے ہیں۔ مثلاً" آپ نیویارک میں۔ آپ کا ہونے والا سسر آرلینڈو میں اور آپ کی منگیتر پاکستان میں۔ تینوں باہم گپ شپ لگائیے۔

ٹھہرئیے ایک سپیشل آفر ہے۔ اگر کسی شیطان صفت نے آپ کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ آپ برے کے گھر تک پہنچنا چاہتے ہوں۔ تو کالر آئی ڈی کا کسٹرڈ سیلے یونٹ خرید لیں۔ اس پر کال کرنے والے کا نمبر پہلی گھنٹی کے ساتھ ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور ناعاقبت اندیش کو کانوں کان خبر نہیں ہو پاتی۔

داؤد عش عش کر اٹھا۔ اس نے ضروری و غیر ضروری تمام پلان خرید ڈالے۔ ماما نے سنا تو تمسخر اڑانے لگا۔

"یہ سنگل پسلی کے بندے! تم یہ سب کیا کرو گے؟ اور پھر چھوٹا سا اپارٹمنٹ نہ دفتر نہ خانہ بر انداز"۔

"ماما مجھے چھوٹے اپارٹمنٹ کا طعنہ مت دیا کرو۔ ورنہ میں ذاتی گھر بھی خرید

لوں گا۔ اس امریکہ کی دھرتی پر۔ کم ہوں کسی سالے سے؟"

"یار۔ یہ ظلم نہ کرنا اپنی اس جان ناتواں پر۔ ورنہ بے موت مارے جاؤ گے۔ مجھے دیکھ رہے ہو۔ برسہا برس سے امریکہ کا مہنگا دانہ پانی لگا ہے۔ مگر مکان خریدنے کا یہ جھنگا اپنے سر تھوپنا نہیں چاہتا۔ مزے سے کرایہ کے سٹوڈیو میں رہتا ہوں۔ اور ہاں جو خریدنا ہے اس سے تم کتراتے ہو"۔

"وہ کیا؟"

انشورنس' ہیلتھ انشورنس' ادھر پردیس میں بیمار پڑ گئے تم اگر تو۔ کوئی ڈاکٹر تمہارے منہ کے اندر تھرما میٹر ڈالنے کو تیار نہ ہو گا۔ جب تک تمہارے پلے ہیلتھ کوریج کی سند نہ ہو گی"۔

"یہ انشورنس والی بات ابھی تک ثارا نے کیوں نہ بتائی مجھے۔ کہاں پائی جاتی ہے۔ یہ۔؟"

"پائی نہیں خریدی جاتی ہے۔ عام انشورنس کی مانند پریمیم ادا کرنا پڑتا ہے۔ اپنے بینک سے خرید لو یار"۔

"کیا بینک سے خریدوں؟ ہیلتھ کوریج؟"

"ہاں اس بینک کا بھی ایک انشورنس پلان ہے۔ مگر کچھ زیادہ کوریج نہیں ملتی لے دے کر فقط ایک ہزار ڈالرز"۔

"ایک ہزار ڈالرز کیا؟"

"یہی کہ پلان کا گاہک اللہ کو پیارا ہو جائے یا کسی ایکسیڈنٹ میں اس کا کوئی انگ ضائع ہو جائے۔ تو ایک ہزار ڈالرز وہ فی سبیل اللہ عنایت کرتے ہیں۔"

"نان سنس! ایک ہزار ڈالرز کی امریکی ڈاکٹروں کے سامنے حیثیت کیا ہے محض ایک دانت خریدا جا سکتا ہے"۔

"ہاں یار میرے تمام دوستوں کا اکاؤنٹ چیز بینک میں ہے۔ چیرمین ہٹن بینک' بڑا برکتاں والا بینک ہے۔ بڑی مراعات دیتے ہیں وہ لوگ۔ ہم نے خواہ مخواہ"۔

"مراعات تو اپنا بینک بھی دیتا ہے"۔ داؤد نے انگلیوں پر گنوائیں۔ "اب دیکھو نا اگلا بینک کارڈ ایکسپائر ہونے یا گم ہو جانے پر آٹومیٹک طرز پر بذریعہ میل نیا کارڈ چند روز کے اندر تمہاری جیب کے اندر۔ اگر آپ دوست و احباب یا رشتہ داروں کے اکاؤنٹس کھلوائیں۔ تو گفٹس۔ سو ڈالرز کیش۔ یونائیٹڈ ایئر لائنز سے سفر کرنے پر کچھ زاد راہ آپ کے کشکول میں"۔

"یہی سخاوتیں ہیں بس؟"

"اور بھی ہیں۔ سنو! پہلے سال کسٹمر سے فیس نہیں لی جاتی۔ اس کی تمام ڑاز کنسرن۔ پاس بکیں یا ڈیپازٹ سلپ وغیرہ مفت۔ ان ہی کے سٹوڈنٹ یا بجٹ چیکنگ اکاؤنٹ کے ذریعہ آپ نہایت کم سروسز چارجز ماہانہ پر بینکنگ کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں کوئی آئیٹم ریگولر پرائس پر کسی بھی سٹور سے آپ نے خرید رکھا ہو۔ اگلے ہفتے وہ سیل پر لگ جائے۔ خوش قسمتی سے ان کے کریڈٹ کارڈ کے توسط خریدا گیا ہو۔ تو آپ کی ادائیگی میں کمی بیشی کا فرق بینک خود بخود دلوا دے گا"۔

"بیکار رہ کر تم خاصے کاہل ہو چلے کاکا"۔ ماما نے انگڑائی لی۔

"اور ہاں۔ داؤد نے جوش و خروش کے ساتھ جاری رکھا۔ اس بینک کے ساتھ طالب علموں کے حق میں کس قدر آسانیاں ہیں۔ ان کو بیرون ملک اور اندرون ملک دور دراز کالوں پر بیس فیصد ڈسکاؤنٹ ملتا ہے۔ اگر وہ بینک کلاسک ویزا کارڈ استعمال کریں۔ تو ان کے وارے نیارے۔ کہ یہ دنیا کی آٹھ ملین لوکیشن پر قابل قبول ہے۔ چوری ہونے پر نوے دن کی حفاظت کا ذمہ تمام اشیاء جو طالبعلم گمشدگی سے پیشتر اس پر خرید چکا۔ ان کی حفاظت اور بے منت کی ذمہ داری۔ مانو! یہ کارڈ طالب علم کے لئے خزانہ کی وہ کنجی ہے۔ جس کے ذریعہ وہ بھی ایڈوانس کیش بطور قرض لے کر اپنی ٹیوشن فیس کی ڈیفرمنٹ کے خاص ایک حصہ کی ادائیگی کرنے کا مجاز ہے"۔

"او بھانجے! تم بھی مایا کے اس جال میں پھنس چکے۔ بچہ! ادھر گورنمنٹ صحیح معنی میں بینک کی چلتی ہے۔ بینک تمہارا آقا۔ اور تم۔ ہم سب بمعہ پریذیڈنٹ آف

یونائیٹڈ سٹیٹس اس کے ہتھ بندھے غلام۔ غریب کی بوسیدہ گٹھڑی اور امیر کا لعل سب کا کل اثاثہ بین کے بنئے کے پاس گروی رہتا ہے۔ اپنا یہاں کسی کا کچھ نہیں ہے۔ ہر بندہ بینک کے قرضہ میں پائی پائی الجھا۔ پھر بھی مست و الست کہ بینک اس کا ان داتا ہے۔ آج ان کا خدا یسوع نہیں بلکہ لکشمی ہے۔ اور یہ لکشمی دیوی بینک ہے۔ آسان ادائیگیوں کے گھن چکر۔ آسان اقساط بمعہ سود۔ در سود۔ در سود۔ سب مایا' کا جال۔ میرا بچہ"۔

"ماما! اگر بینک نہ ہوں تو آج کی اس تیز رفتار دنیا کا کاروبار کیسے چلے۔بینک آخر پلے سے بھی تو بہت کچھ عنایت کرتا ہے"۔

"یہی تو خیال خام ہے۔ میرے بھائی۔ پلاسٹک منی کی چمک دمک نے ہماری تمہاری نظربندی کر رکھی ہے۔ ویزا اور کلاسک کارڈوں کی بھاری فیس ہمیں دکھائی نہیں دیتی۔ بینک کے ذریعہ خریداریوں پر انیس اعشاریہ آٹھ فیصد سود ہمیں بالکل نہیں چبھتا۔ اور ہر لیٹ ادائیگی پر پندرہ ڈالرز جرمانہ۔ کریڈٹ لائن سے چند ڈالرز اوپر خرچ کر ڈالو۔ تو ہر معمولی بے قاعدگی پر دس ڈالرز ان کو بھرتے پھرو۔ چیک باؤنس ہو یا ڈس آنر ہو جائے۔ بے شک رقم کے ڈیپازٹ ہونے میں منٹوں کا وقفہ پڑا ہے۔ یہ سود خور پندرہ سولہ ڈالرز کھونچ لیں گے۔ سٹاپ پے منٹ' خواہش پر پندرہ ڈالرز جرمانہ۔ ڈومیسٹک رقم ٹرانسفر پر بیس ڈالرز۔ کسی بھی دوسرے بینک سے چیک اٹھوانے پر پندرہ ڈالرز۔ یارا! بینک آخر بینک ہے۔ سود خوروں اور بنئے کا گڑھ ہمارا لالہ تو نہیں لگتا نا"۔

"تو ماما۔ پھر لوگ ادھر راتوں رات ملنیئر کیسے بن جاتے ہیں؟"

"ان کے قبضہ میں گولڈ کارڈ ہوتا ہے"۔ ماما نے مذاقاً" کہا۔

"گولڈ کارڈ؟ گولڈ کارڈ تو میرا بھی خواب ہے"۔ داؤد جیسے عالم بے خودی میں جا پہنچا۔

"ہوش کے ناخن لو بیٹا! گولڈ کارڈ نہیں۔ میرا مطلب تھا لاٹری۔ لوگ راتوں

رات ملینئر بن جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کی لاٹری نکل آتی ہے"۔ ماما نے غیر سنجیدہ لہجہ میں کہا۔

"لاٹ ۔ لاٹری؟"۔ داؤد چونکا ہوا۔ پھر اونچے بولنے لگا۔ جیسے ماما بہرہ ہو۔

"لاٹری! عزیز از جاں ماما ے لاٹری کے بارے مجھے بھی تو کچھ انفارمیشن دو۔ نیویارک لاٹو۔ نیویارک لاٹری کیسے نشیلے ہیں یہ نام"۔

"کسی نئے چکرم میں مت کودو۔ بھولے بادشاہو! لاٹری ہو یا لاٹو۔ کنجریاں جان لو ان کو۔ ان کے گھن چکر میں پڑ گئے نا۔ تو پھر تن کے کپڑے بیچ ڈالو گے ان گلیوں میں ہاں"۔

"ماما۔ مگر وہ"۔

"اگر مگر چھوڑو۔ اس سے بہتر ہے کہ بینک ہی کی دلدل میں دھنسے رہو۔ وہ کم ازکم سفید پوش سلٹ ہے۔ امریکہ کی"۔

"کیا کہا؟ کون سلٹ ہے؟"

"وہ اپنا بینک یارا "۔ ماما نے جلدی سے بات بدلی۔ ہاں بھئی چیز مین ہیٹن بینک کی بات تو درمیان میں رہ گئی۔ ایک سکیم ہے"۔

ماما نے اس طرح ٹون بدلی جیسے از خود وہ بینک کا ایجنٹ ہو۔ "اس اپنے چیز کی ایک سکیم ہے سوہنیا! اتے! جس کے تحت روڈ یا ہوائی ایکسیڈینٹ سے ہلاک ہونے والے گاہک کے لواحقین کو ایک لاکھ ڈالرز کیش بطور انشورنس کا عطیہ چڑھایا جاتا ہے"۔

"کیا؟" وہ آگے کو لپکا۔ "ایک لاکھ کو ڈالرز؟ میرے مولا! یعنی ون ہنڈرڈ تھاؤزنڈ ڈالرز! بینک کی جیب سے گاہک کے کھیسے میں؟ یا میرے مولائے غنی"۔

"ساؤنڈ کرنے میں تو لوشے ہیں کاکا! اگر تم یہ پلان خرید لو۔ تو فائدہ تکی کو پہنچے گا۔ تمہاری صرف جان جائے گی"۔

"کیوں میرے مرنے کی باتیں کر رہے تو تم؟"

"میں نہیں بینک کرے گا یہ ورد۔ تم کو بیانہ کیا ہے ابھی ابھی۔ کہ یہ موت بذریعہ ایکسیڈنٹ واقع ہونا چاہیے۔ بقیہ اقسام اموات کو وہ خاطر میں نہیں لاتے۔ اور ہاں ایکسیڈنٹ اموات کے سلسلہ میں بھی ان کی کڑی شرائط ہیں"۔

"شرائط کیسی؟"

"یہ انعام ان لاشوں کے لواحقین کے لئے ہے۔ جو روڈ۔ ہوائی یا سمندری ایکسیڈنٹ سے ہمکنار ہو چکی ہوں"۔

"کون لواحقین؟ کو ہمکنار ہونا چاہیے؟"

"نہیں بدھو۔ لاشیں گاہکوں کی لاشیں۔ اور مزید شرائط سنو۔ ان گاہک لاشوں نے اپنے جیتے جی ویلیو ففٹی خرید رکھی ہیں"۔

ففٹی۔ ففٹی؟۔

"ففٹی ففٹی نہیں بندے! محض ویلیو ففٹی چیر‌ٹبینک سکیم"۔

○☆○

جس روز آپ چیرٹمین ہیٹن بینک کی کسی بھی برانچ سے ویلیو ففٹی خرید لیتے ہیں۔ اسی روز سے آپ ان کی عنایتوں اور رعایتوں کے حقدار ٹھہرے۔ زندگی میں اپنے ڈیپازٹ پر منافع کی رقم۔ کاغذی تحائف کے پلندے (ڈسکاؤنٹ اور کوپن وغیرہ کی بک لٹ) وصول پاتے رہیے۔ اس پلندے کے ہمراہ بینک آپ کو اس خصوصی کرم نوازی کا سرٹیفکیٹ بھی بھیج دیتا ہے۔ آپ بر وقت فارم پر کریں۔ اور اپنی ڈ-تھ کے لئے انشورڈ ہو جائیں"۔

"مطلب یہ کہ ویلیو ففٹی فرشتہ اجل ہے"۔

"یہی سمجھ لو۔ کم از کم کسی محنت کش کو مرنے کے بعد فارغ البالی کا سندیسہ دیتا ہے"۔

"جیتے جی بھی کوئی فائدہ ہے چیرٹبینک کی اس ویلیو ففٹی کا؟"

"ضرور منی مارکیٹ کی ایک شاخ ہے۔ اگر کم از کم تین ہزار ڈالرز کا بیلنس

آپ جس قدر زیادہ عرصہ قائم رکھ پائیں۔ اس عرصہ میں آپ کی سیونگ۔ چیکنگ فری۔ جس قدر چاہیں ٹرانز کشنز کریں۔ ہیڈ اے ٹی ایم کارڈ یا کوئی بھی کارڈ استعمال کریں۔ چیک یا کیش جمع کروائیں بھنوائیں۔ چیک کاٹ کر دیں۔ مارگیج اور بل ادا کریں۔ فنڈز اور ٹریولرز چیک خریدیں۔ بینک کے اندر اگر سیف ڈیپازٹ باکس یعنی لاکر (لفظ لاکر' نہ ہی بولا کرو۔ تو تمہارا بھلا۔ ادھر لاکر سے عموی طور پر حوالات کا مطلب اخذ کیا جاتا ہے) ایشو کروانا ہو۔ تو دھڑلے کے ساتھ اس کے اندر خزانہ بھر لو۔ سال بھر کوئی فیس چارج نہ ہو گی۔ عمر بھر آپ تمام تر پیڈ بنکنگ بالکل مفت انجوائے کر سکتے ہیں کہیں بھی فیس ادا کرنا نہ پڑے گی۔ بشرطیکہ ویلیو نفٹی کا مطلوبہ بیلنس برقرار رہے"۔

"اگر بینک وہ بھی امریکہ کے بینک اس طرز پر فیاضی نچھاور کرنا شروع کر دیں۔ تو قائم و دائم کیوں کر رہیں گے؟"

"بینک بیوقوف نہیں ہیں۔ پھر کہوں گا کہ بینک بنیا ہے۔ یہ لوگ تم ایسے پنکھ پکھیرو کو چوگا ڈالتے۔ اور تمہارے کیش کے ذریعے سالہا سال منی مارکٹنگ پر کئی گنا منافع اپنے پلے ڈالے جاتے ہیں"۔

"اب سمجھا"۔ داؤد نے سر کھمایا۔ اور کسٹمر اپنا پیسہ بلاک کر کے اپنے زعم میں ان کی مروتوں کے لوشے لوٹتا ہے"۔

"وہ اسے چوگا ڈالے رہتے ہیں۔ مزے ہی مزے۔ چیدہ چیدہ ریستورانوں کے ڈسکاؤنٹ کوپن بک۔ بیمار پڑ جاؤ تو فارمیسی کوپن بک کے ذر سستی ادویات خرید کر کھاؤ۔ شاپنگ کا دورہ پڑنے لگے۔ تو مالوں اور پلازاؤں کے لئے ڈھیروں کوپن حاضر۔

اگر تم کو چابیاں کھو دینے کا مرض ہے۔ تو آئندہ کے لئے سکھی ہو جاؤ۔ ایک عدد خصوصی چھلا وہ بطور نشانی دیں گے۔ اس کے اندر اپنی گھریلو۔ کاروباری اور گاڑی کی چابیوں کے گچھے پرو رکھو۔ اگر یہ چھلا پورے امریکہ کے اندر کہیں بھی کھویا گیا ہو۔ اور کوئی بندہ خدا بے شک حالت غیر۔ بے لفافہ اور بے ٹکٹ اس کو کسی لیٹر

باکس کے حوالہ کر دے تو مقامی پوسٹ آفس اس کو اپنے قریبی چیز بینک کو پارسل کر دیں گے۔ آگے بینک بنفس نفیس اپنے ڈاک خرچہ پر تمہاری یہ گمشدہ ذاتی کنجیاں تمہارے گھریلو لیٹر باکس تک بھجوانے پر قادر ہے"۔

"ہوئی نا بات"۔ داؤد متاثر ہو چلا تھا۔

"ہاں بھئی اسی ننانوے کے چکر میں ہم تم اپنی مٹی چھوڑے ادھر آ بسے ہیں"۔ ماما طنزیہ بولا۔ پھر جاری رکھا۔ "آگے بھی نقد نارائن کی کتھا سن لو۔ سرٹیفائیڈ چیک۔ منی آڈر۔ آفیشل چیک۔ ڈس آنر اور باؤنس چیک اور اسی نوع کی دوسری تیسری خرافات پر خاصی نرمی ہے۔ یاد آیا کبھی فوٹو کاپیوں کی ضرورت پڑے تو سستے ترین پلندے بندھوا لو۔ دل تھام کر اب اپنے ڈریم کارڈوں کی کہانی بھی سن لو۔ ایک خوبصورت بلا کا پھندہ ہے۔ جس کا نام ہے۔ چیز بہتر بنگ۔ یہ ویلیو نفتی کا ایک الگ روپ ہے۔ اس کے اندر ایک خاص لیول کم از کم پچیس ہزار ڈالرز ٹوٹل بیلنس کو مستقل مزاجی کے ساتھ قائم رکھنا پڑتا ہے۔ اب تمہارے جیسے سیٹھ آدمی کے لئے اس میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ معلوم ہے۔ اس کے عوض کیا کچھ حاصل ہوتا ہے۔ بلا کم وکاست اور بنا شرائط یا ماہانہ چارجز تمہارے لئے چیز کلاسک ویزا کے علاوہ۔ چیز ماسٹر کارڈ کا انعام۔

"اینڈ وٹ اباؤٹ گولڈ کارڈ؟" داؤد نے انتہائی بے صبری اور بے ساختگی کے ساتھ پوچھا۔

"گولڈ کارڈ۔ اس نے سر کھجایا۔ کے نان کندے نے۔ چیز گولڈ کارڈ اور چیز گولڈ ویزا۔ تمہارے قدموں میں ہوں گے"۔

"کیا کہا ماما۔ جو کہہ رہے ہو۔ سوچ سمجھ کر بیان کر رہے ہو؟ میرا مطلب ہے کہ اس بارے میں تمہارا نالج حقیقی ہے یا ویسے ہی میرا دل پشوری کر رہے ہو؟"

"نہیں پترا ملے گا تم کو چیز بہتر بنگ کی وساطت سے گولڈ کارڈ ضرور ملے گا۔ لٹ لے بتاشے۔ لالے دی جان"۔

"یا ہو"۔ داؤد اچھل کھڑا ہوا اور بے ساختہ دھمال ڈالنے لگا۔

"او کاکا! ٹک کر بیٹھ جا ذرا۔ فوری طور پر نہیں مل سکتا۔ مستقبل میں ملے گا"۔ ماما نے داؤد کا بازو تھاما۔ وہ ٹک کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

"جب تیرے والٹ کے اندر پلاسٹک کے پرتوں کے اندر تہہ در تہہ کارڈز سجے ہوں گے" ماما نے پھر سے تان اٹھائی۔ "تب تم مار کیٹوں' پلازوں اور مالوں کے چکر کاٹتے تھکو گے نہیں۔ گاڑی دوڑاؤ۔ ٹنوں پٹرول پھونکو۔ کچھ فکر ہی نہیں۔ سخاوتوں کی پٹاری کھلی ہوگی۔ تم کو ایسا رکھے گا۔ جیسے امریکہ مفت میں بٹ رہا ہے۔ جب تمہارا ہر کام بغیر چیک کاٹے اور اپنے ہتھی لکھت پڑھت کئے بنا محض پلاسٹک کے ان ننھے منے کارڈوں کے ذریعہ سرانجام پائے گا۔ تب آپ دن بدن نواب بنتے چلے جائیں گے۔ حضور! پے بائے فون سروس تمہاری لونڈی۔ معمولی فریضوں کی ادائیگی سے لے کر تمہارے بڑے کھاتوں کا حساب کتاب تمہارا خادم بینک سرانجام دیا کرے گا۔اگر بیلنس بینک کھاتوں میں برقرار رہا کرے گا۔ تو بطور انعام اور ایمرجنسی کی صورت میں بینک تم کو بلا سود کچھ رقم قرض بھی دے سکتا ہے"۔

"ماما۔ تم کسی فارمیسی کا ذکر کر رہے تھے۔ میرے پیٹ میں ہر وقت درد سا رہتا ہے۔ شائید کیڑے ہیں"۔

"یہاں کے پانی میں کیڑے نہیں۔ ریڈی ایشن پائی جاتی ہے"۔

"شائید اپنی مٹی سے لے کر آیا ہوں گا میں یہ کیڑے"۔

"کوئی چنگی سوغات لاتے" اچھا ادویات کی ایک سستی کمپنی ہے۔ جس کا نام ٹیل ڈرگ ایکس ہے۔ ان کی ڈسکاؤنٹ کیٹا لاگ تم کو چیرٹیبنک تمہارے ویلیو نفٹی ہونے کے ناطے مہیا ہو گی یہ کمپنی بذریعہ میل یا بذریعہ فون۔ آڈرز وصول کرتی ہے۔ ڈاکٹروں کے تحریر کردہ نسخہ جات۔ وٹامن۔ کاؤنٹر سیل ادویات۔ بیوٹی اینڈ ہیلتھ سپلائیز۔ مگر' ماما سوچ میں پڑ گیا۔

"یہ کیڑے مار دوا تم کو کاؤنٹر پر ملنے سے تو رہی۔ اس کی خریداری کے واسطے تو

ڈاکٹری نسخہ چاہیے۔ کیا دو ڈھائی ڈالر قیمت کی دوا کھانے کی خاطر ڈیڑھ دو سو ڈالرز کسی ڈاکٹر کی جیب میں ڈال دو گے کاکا! یہ کیڑے ماردوا اپنے کسی یار دوست کے ذریعہ پاکستان سے کیوں نہیں منگوا لیتے"۔

"ٹھیک ہے۔ منگوا لوں گا۔ اور ہاں نظر کمزور ہوئی جاتی ہے۔ کیا عینک بھی پاکستان سے منگوانا پڑے گی۔ بغیر نظر ٹیسٹ کروائے؟"۔

"ارے نہیں یار۔ مارکیٹ میں عینکوں کے انبار رہتے ہیں ہر جگہ۔ اگر تم عینک یا لینز پر کھرے ڈسکاؤنٹ کے متمنی ہو۔ تب تم کو اے۔ سی۔ پی۔ اے (آئی کیئر پلان آف امریکہ) کی ممبر شپ لینا ہو گی۔ باقاعدہ اس کا آئی ڈی نمبر ایشو ہوتا ہے۔ کسی بھی بڑے برانڈم نام کمپنی کی عینک یا لینز اس وسیلہ سے پہن سکتے ہو۔ بلکہ تمام اہل خاندان کو تبرکا" ان عینکوں اور لینزز سے مستفید کروا سکتے ہو۔ پیچھے گھر بھیجنا چاہو۔ تو لینزز کے جوڑے اس ڈسکاؤنٹ کے ذریعے خرید کر بھجوا سکتے ہو۔ خبر ہے آج کل پاکستان میں لڑکیوں کے درمیان نیلی پیلی ہری آنکھوں (مصنوعی) کا فیشن چل رہا ہے"۔

"سنا ہے کہ کچھ سیر سپاٹے کے لئے ٹکٹ بھی یہاں کے بینک مفت دے ڈالتے ہیں؟۔

"مفت والی بات جھوٹ اور باقی سچ۔ دراصل بہتر بنکنگ ویلیو نفتی کی ایک سکیم کے تحت سفری سہولیات کے لئے خصوصی پانچ فیصد کیش بونس ملتا ہے۔ یہ بونس ٹریول ریزرویشن سنٹر سے رجسٹریشن کرواتے وقت تمہارے حصہ میں جمع رہتا ہے۔ ممبر شپ تو وہ ہنس کر دے ڈالتے ہیں۔ اس بونس کے اندر ایئر ٹریول بونس۔ کوالٹی ہوٹل اور موٹل کی رہائش۔ کار رینٹل اور بحری سفر شامل ہیں۔

ڈیپارچر کے تیس دنوں کے اندر ٹریول آئی ڈی نمبر کے حوالہ سے ریزرویشن کروانا پڑتی ہے۔ بونس کی ادائیگی کے لئے اسی سنٹر کو چٹھی ڈالنا ہو گی۔ اور سفر کے بعد نوے دن کے اندر ان کو اپنے سفری اخراجات کی رسیدیں روانہ کرو۔ تو بونس کل کی بجائے آج مل جاتا ہے"۔

"ماما! میں تم سے امپریس ہو چلا۔ یہ سب تم کو کیونکر معلوم ہوا؟"۔
"برسوں مین ہیٹن کی گلیوں کی خاک چھانی ہے۔ یلو کیب ڈرائیوری کرتا ہوں۔
ادھر۔ اس کو معمولی کام نہ جانو کے نال کندن نے۔ ان بھری پری گلیوں کی رگ رگ
سے واقفیت رکھتا ہوں۔ ہاں تھے"۔
داؤد کچھ سوچ میں پڑ گیا۔
"کیا بات ہے۔ چپ ہو گئے۔ وطن کی گلیاں یاد آ رہی ہیں؟"
"شاید۔ مگر اس سے اچانک مجھے خیال آیا۔ کہ بہت زیادہ رسم و رسومات
ہیں؟"
"کس کی؟ شادی بیاہ کی؟ یہاں کہ وہاں؟"
"شادی بیاہ کی نہیں۔ بنکنگ کی۔ بہت زیادہ پیپر ورک۔ ممبرشپ کے خانے
پر کرو۔ فلاں کرو۔ ڈھمکاں کرو۔ یہ شناخت لاؤ۔ وہ ریفرنس لاؤ۔ رسیدیں روانہ کرو۔
ان کے دل پسند ریسٹورنٹ میں کھاؤ۔ ہوٹلوں موٹلوں میں قیام کرو۔ ہسپتالوں میں بلتی
ہو۔ میرے جیسا بندہ ان کاغذات کے پلندوں۔ کوپن اور سرٹیفکیٹس میں ناک ڈبوئے
رکھنے کی بجائے ان رعائتوں والی سیکورٹیز سے ہی راہ فرار اختیار کر جائے سرے
سے"۔
"مزے کی بھی تو سوچا کرو۔ میکسیکو۔ کیری بیان۔ کینڈا۔ برمودہ۔ ہوائی۔ یورپ
کی سستی ترین سیریں"۔
"ماما! کبھی تو ان بینکوں کو ناروا سناتے ہو۔ اور کبھی تعریفوں کے پل باندھنے لگتے
ہو۔ کہیں ایجنٹ تو نہیں تم چیز مین ہیٹن کے"۔
"ایجنٹ تو دور کی بات۔ میرا اپنا اکاؤنٹ اس بینک میں نہیں ہے"۔
"ماما! سوچتا ہوں۔ جو کام فون پر طے پا جائیں۔ وہی بھلے۔ گھر سے باہر مارا مارا
پھرنا"۔
"بھلیا! تم نے کون سا لوہاری یا شاہ عالمی کے رش میں دھکے کھانا ہے۔ فقط

ایوینو سے چہل قدمی کرتے ہوئے اتر جانا ایونیو آف امریکہ اور براڈ وے سے ہوتے ہوئے۔ یار ہر وقت اپارٹمنٹ کے اندر بند مت رہا کرو۔ نیستی (کاہل) ہو گئے ہو تم امریکہ آ کر۔ ذرا باہر کی ہوا شوا بھی کھایا کرو۔ پیلے پڑ جاؤ گے یوں گھٹن میں پڑے پڑے۔ اور ذری الچل نہ کرو گے تو دولت مند کیسے بنو گے"۔

"مٹھی بھر باتیں پکڑوا دیں تم نے۔ اب میری بھی تو سنو۔ میں اسی غرض سے سمندر پار آیا تھا۔ کہ ادھر گھر بیٹھے بٹھائے آرام سے ملینئر بن جاتے ہیں"۔

"کاکا! میں تیری اس ملینئر والی اڑی' میں پڑنا نہیں چاہتا۔ اس وقت میرا تو گلا خشک ہو چلا۔ چل نکال اورنج جوس۔ کچھ کھانے کو ہے تو وہ بھی نکال فریج سے۔ آج دو بجے دوپہر سے اپنی یلیو کیب چلاؤں گا۔ اور سوچ رکھنا۔ کب چل رہے ہیں چیز بینک ہم لوگ۔؟ سوچتا ہوں اپنا اکاؤنٹ بھی وہیں منتقل کروا لوں گا"۔

سوچنے کی بھی بھلی۔ کل رکھ لو ماما۔ کس نیک گھڑی اس موجودہ بینک کے نک چڑھے عملہ سے چھٹکارا حاصل ہو۔ نرا چھلیا ہے ویسے بھی۔ تین سے سوا تین بج جائیں۔ تو چیک باؤنس"۔

"تین بجے دوپہر تک ہر برانچ کا آفیشل' بنکنگ' بزنس ڈے" گنا جاتا ہے اس سے بعد کی سروسز کو اگلے بزنس ڈے پر ڈال دیا جاتا ہے۔ یہی قاعدہ ہر بینک میں رائج ہے"۔

"سچی پوچھو! میں جان بوجھ کر تاخیر سے بینک جانا پسند کرتا ہوں۔ ایک تو بھیڑ بھاڑ سے دل گھبرانے لگتا ہے۔ دوسرے بند ہوتے بینک کے اندر داخل ہونا بہت شاندار لگتا ہے مجھے۔ اپنے کارڈ کو بینک کے بھاری بھرکم مین ڈور کے لاک پر ٹچ کریں۔ اور بذ اوپن ڈور۔ کیا تھرلنگ ہوتا ہے یہ۔ جیسے سارے بینک کے مالک بلا شرکت ایرے غیرے اس سے ہم ہی ہیں"۔

"ایسا بھی ہوتا ہے۔ کبھی کبھی۔ کہ اس دیوانے خواب کا دم گھٹ کر رہ جاتا ہے۔ تمہارے پیچھے پیچھے۔ ہولے ہولے۔ تمہارے ہی کارڈ کی رگڑ پر کوئی جن چپکے

سے تمہاری سنگت اندر داخل ہو جاتا ہے۔ کون؟ ایک چور اچکا"۔

"کیا ایسا ممکن ہے؟ ادھر تو کیمرے؟"

"کئی بار بینکوں میں اس نوع کی ڈکیتی کے حادثات ہو چکے ہیں۔ جب تک کوئی شدید مجبوری سر راہ نہ ہو۔ ہمیشہ بزنس ڈے اوقات کے دوران بینک جانا چاہیے۔ اسی طرز پر محفوظ ہے"

○☆○

ثارا از خود اب پیسوں میں کھیل رہی تھی۔ مگر اسے داؤد کی خوشحالی چبھنے لگی۔ جواز بے جواز طعن و تشنیع پر اتر آتی۔ یہ کہ داؤد خان کاہل اور آرام طلب ہو چلا ہے۔ وہ کہتی امریکہ میں کسی جوان آدمی یا عورت کی فارغ البالی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ کیونکہ دو اقسام کے لوگ اس عیاشی کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اول ہوم لیس (بے گھر) اور دوئم پبلک چارجرز (سوشل ویلفیئر پر گذر اوقات کرنے والے)

"ان دونوں کیٹگری کے اندر میں اس لئے فٹ نہیں ہو سکتا۔ کہ بفضل خدا بدحال نہیں ہوں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ تم بھی میرے ہی سرمایہ میں کھیل رہی ہو۔ بلکہ کھل کھیل رہی ہو"۔

اس کے بعد غضب کا رن پڑتا۔

ایک روز داؤد کو اس قسم کے فضیحت کا ذکر ماما سے کرنا پڑا۔

بے کار مباش کچھ تو کیا کر
پاجامہ ہی ادھیڑ کر سیا کر

"جوابا" ماما نے یہ شعر اس کے منہ پر دے مارا۔

ٹھیک ہی تو کہتی ہے تمہاری جورو۔ ہڈ حرام تو تم ہو ہی چلے ہو۔ گھر بیٹھ کر کون کھا سکتا ہے یوں "کھوہ" بھی ختم ہو جاتے ہیں ادھر۔ جوان آدمی ہو۔ ہڈ پیر ہلاؤ۔ اپنے خوابوں کی تکمیل کرو"۔

"اب تلک جس بھی کاروبار میں پیسہ ڈالا۔ فنا فلا ہو گیا۔ آگے سوچ سمجھ کر ہی

قدم اٹھاؤں گا۔ بے صبری کا پھل تو پا لیا ہے"۔

"اس سوچ و فکر میں چھ ماہ بیت گئے۔ ویلے رہ کر جلد یا بدیر کہیں ذہنی بانجھ پن کا شکار نہ ہو جاؤ"۔

تو پھر کیا کروں؟"

"وہی کر ڈالو جو ثارا کہتی ہے"۔

"یہ تم کہہ رہے ہو۔ اسنو وہ دوبارہ مجھے اسی قسم کے گڑ بڑ گھٹالا میں گھسیٹے لے جا رہی ہے۔ وہ کوئی نائن ہنڈرڈ فون کا چکر ہے۔ آنسرنگ سروس۔ ڈاک اور ڈاکیہ میں اس فتور میں ٹریپ ہونے کا متحمل نہیں رہ گیا اب"۔

"بلے بلے! ون نائن ہنڈرڈ۔ نو سرباز کے ذہن میں یہ گھپلا پہلے کیوں نہ آیا۔ سنو یار میرے۔ یہ یک نو سو نمبر تو واقعی نری سلیمانی ٹوپی ہے۔ جس کے ذریعہ لوگ منوں ٹنوں روپیہ بنا رہے ہیں۔ کوئی بھی ایسا شخص جس کے پاس اپنا فون کنکشن موجود ہو۔ یہ برکتوں والا ون نائن ہنڈرڈ نمبر حاصل کرنے کا مجاز ہے۔ مانو تمہارا اپنا نمبر نو سو تمہارا ہتھ بندھا غلام ہے چوبیس گھنٹے۔ ہفتہ کے ساتوں روز۔ ہر پل تمہاری چاکری پر۔ نہ ہائرنگ اور نہ ہی فائرنگ کی سردردی۔ نہ ایمپلائے بنی فٹ کا جھانسہ۔ نہ پے رول' کا جھگڑا۔ ناغے نہ چھٹیاں۔ نہ کافی سگریٹ اور ریسٹ روم بریک۔ نہ ویک اینڈ نہ ہالیڈیز"۔

"ماما! ایک بات بتاؤں۔ ادھر تم بدیسی مکینوں کی منفی اور مثبت سوچیں گاہے بگاہے مدغم رہتی ہیں۔ کل تک تم کیسی باتیں کر رہے تھے۔ اور آج؟ دراصل اس مسموم فضا نے تم لوگوں کی قوت فیصلہ کو نڈھال کر رکھا ہے"۔

"کیا گپ شپ ہو رہی ہے؟" ثارا داخل ہوئی۔ ہمیں اپنی محفل میں شریک نہ کرو گے؟"

"نائن ہنڈرڈ نمبر"۔ داؤد نے آگاہ کیا۔

"کیا۔ کیا نائن ہنڈرڈ نمبر"۔ ثارا بے صبری کے ساتھ مڑی۔

"میں سب کے لئے کافی بنا کر لا رہی ہوں۔ کافی کی چسکیوں کے ہمراہ باہم بیٹھ کر روشنی ڈالیں گے اس نمبر پر"۔ وہ خوشی خوشی کچن کی جانب روانہ ہوئی۔

"کافی کے ساتھ کریم رول۔ ایکلیئر یا پھر مفن (چھوٹا کیک) چلے گا۔" ماما نے پیچھے سے پکارا۔ "مائیکرو ویو میں رکھ دو گرم ہونے کے لئے"۔

"پلیز کہا کرو"۔ داؤد نے سرگوشی کی۔

"موقع محل دیکھ کر آؤر چلاتا ہوں۔ اس کا موڈ فلیش کر رہا ہے۔ اس سے"۔

"کچھ بھی ہو۔ پلیز کے بغیر ان کو نہ تو اپنا کھانا ہضم ہوتا ہے اور نہ ہی دوسرے کو ہضم کرنے دیتے ہیں"۔

"اچھا بابا! اب کہے دیتا ہوں۔ یس ! پلیز!" ماما کچن کی جانب رخ کر کے چلایا۔

"میں نے پلیز سے پہلے کچھ نہیں سنا۔ لہٰذا کافی کے ہمراہ پلیز ہی لیتی آؤں گی"۔ ثارا کچن سے دہاڑی (بشاشت کے ساتھ)۔

گرما گرم خوشبودار کافی کے ہمراہ کیک پیسٹری کی مدد سے یہ بزنس ٹاک آگے بڑھائی گئی۔

"آخر نائن ہنڈرڈ نمبر اور وائس میل باکس میں فرق ہی کیا ہے" داؤد کینفوزڈ سا تھا۔

"کہاں وائس میل باکس تھوہڑ پونجیا آلہ اور کدھر یہ برکتاں والا نمبر نائن ہنڈرڈ۔" ماما نے مداخلت کی۔ ثارا نے خوش ہو کر چاکلیٹ ایکلیئر کی پلیٹ ماما کے آگے سرکائی اور کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے گویا ہوئی۔

"سن دو ہزار تک یہ نمبر امریکہ کی بیس بلین ڈالر انڈسٹری ہو گا۔ یہی شواہد بتاتے ہیں۔ اور آخر کار کوئی تو بات ہے۔ جو اس قدر زور و شور کے ساتھ یہ نمبر نیشن وائیڈ بطور بومنگ بزنس استعمال ہو رہا ہے"۔

"یہ ہوا نا پوائنٹ۔" ماما نے لقمہ نگلتے ہوئے لقمہ دیا۔

"یہ ہے نا اصل ذریعہ گھر بیٹھے بٹھائے دولت کمانے اور راتوں رات امیر و کبیر

بن جانے لگا"۔

پھر بھی؟ پتہ تو چلے کہ تکنیک کیا ہے آخر اس تجارت کی؟" داؤد نے بے دلی کے ساتھ دریافت کیا۔

"لوگوں پر اپنے آئیڈیاز کی تجارت۔ ہم معلومات فروخت کریں گے"۔

"لوگوں کی اپنی معلومات کہاں چلی گئیں؟"

"امریکہ میں اکثریت کو چند ایک فارمولا معلومات کے علاوہ اپنے آگے پیچھے دائیں بائیں تک کی خبر نہیں۔ آج وہ صحیح ریسرچ شدہ معلومات کے پیاسے ہیں۔ ہم ان کو ایسی معلومات فراہم کریں گے۔ جو کہیں اور سے حاصل کرنے میں وہ ناکام رہے ہوں گے"۔

"اگر لوگوں کے پاس معلومات کا قحط ہے۔ تو ہم کون سے بقراط ہیں۔ ہمارے پاس ان کی مطلوبہ معلومات کہاں سے آن ٹپکیں؟"

"لوگ کیا چاہتے ہیں۔ یہ میں خود نمٹ لوں گی"۔

"کتے بلیوں سے فرصت ملی تب نا"۔ ماما اپنا آخری ایکلیئر کانوالہ نگلتے ہوئے بولا۔ ثارا نے اس کی بات کا کوئی نوٹس نہ لیا۔

"میں اپنے لوگوں کی دکھتی رگ سے واقفیت رکھتی ہوں۔ ان کو کیا چاہیے۔ انفارمیشن۔ انٹرسٹنگ اینڈ وائیٹل۔ ان لوگوں کا رجحان ہے۔ خوب سے خوب تر۔ نیا پن جس کی پہلے ان کو کسی نے آفر نہ کی ہو۔ یا پھر ایسی اشیاء کے بارے میں صحیح معلومات جن کی مارکیٹ کے اندر زبردست ڈیمانڈ ہو۔ بظاہر اس خرانٹ پر حقیقتاً نادان خریدار کو وائیٹل کنفیڈنشل اور سہل ترین انفارمیشن درکار ہے۔ تاکہ خریداری پر وہ کسی قسم کے گھاٹے میں نہ رہے۔ بس یہی رام کہانی ہے۔ اس بزنس کے فلسفہ کی"۔

"طریقہ واردات؟" ماما نے سوال کیا۔

"محض دو اصولوں پر کام ہوتا ہے۔ بہترین پر کشش آئیڈیاز کی آفر اور سلیقہ مند اشتہار بازی"۔

"ڈیم۔ اٹ۔ پھر وہی اشتہار بازی"۔ داؤد نے سر پیٹ لیا۔

"اشتہار بازی سے بدکو مت تم"۔ شوہر کو تنبیہہ کرتے ہوئے بولی۔ "آج کی دنیا میں کسی بھی فیلڈ پر اس کے بغیر بزنس مین کھوکھلا اور بے بنیاد ثابت ہو سکتا ہے"۔

"وہ تو ثابت کر چکا یہ"۔ ماما نے چھیڑا۔

"پبلسٹی آج کے امریکہ کی بے حد طاقت ور میگا باکس انڈسٹری ہے"۔ ثارا کہے جا رہی تھی۔

"معلومات اور آئیڈیالوجی کی بات تو درمیان میں رہ گئی"۔

"آئیڈیالوجی نہیں"۔ ثارا نے تصحیح کی۔ "آئیڈیاز۔ یہ معلومات ہم ٹیکنالوجی انڈکس، کینسومر انڈکس، سوشل سائنس انڈکس، فنانشل انفارمیشن، بزنس۔ سٹاک مارکیٹ انفارمیشن۔ میڈیکل ڈاکٹر انڈکس"۔

"یہ تمام انڈکس کہاں پائے جاتے ہیں؟"

"انفارمیشن ریفرنس ہیلپ کے ذریعہ انفارمیشن سروسز اور گورنمنٹ ایجنسیوں سے حاصل کریں گے۔ کرنٹ آئیڈیاز۔ سمجھے؟"

"گو۔ آ۔ ہیڈ!"

"سب سے پہلے سیل پیغامات کو ہم عام آنسرنگ مشین کے اندر ٹرانسکرپٹ کریں گے"۔

"دھت تیری آنسرنگ مشین!" داؤد نے غصہ سے کارپٹ کو پیٹ ڈالا۔

"کول ڈاؤن ڈیوی!" ثارا نے اسے ہدایت کی۔

"تمہارا مطلب ہے۔ وہی سیلز ٹیپ اور سیلز لیٹر؟"

"شاید"۔ وہ بردبانہ بولی۔

"یعنی پھر وہی پوسٹ کارڈز۔ بروشرز۔ فلائیرز۔ ہینڈ آؤٹ اور آخر کار جنک میل پر اتر آئیں گے"۔ وہ روہانسا ہونے لگا۔

"ٹائٹ۔ ایٹ۔ آل۔ اس مرتبہ جنگ نہیں۔ بلکہ ہر کام جا ئیگنٹک طرز پر ہو گا"۔

"عالیشان! مگر ہو گا کیسے؟"

"ہم اشتہار بازی کو ریک دیں گے۔ پیسہ کمایا ہے۔ تو اس کو گھن لگانے سے فائدہ؟ دوبارہ رسک لیں گے۔ آگے بڑھ کر مزید بزنس پر لگائیں گے"۔

"پبلٹی کو ریک کس طرز پر دیں گے؟" داؤد متاثر ہونے لگا۔

"پہلے لوکل ٹیلی ویژن نیٹ ورک۔ اور لوکل کیبل وژن ایڈور ٹائزنگ"۔

"اس قدر شاہ خرچی؟" داؤد سکڑ کر بیٹھ گیا۔

"گھبراؤ نہیں۔ اتنا مہنگا نہیں ہے۔ جس قدر ساؤنڈ کرتا ہے۔ اس کا ایک حل ہے۔ ہم اوور نائٹ (رت جگے) کے سپاٹ خریدیں گے۔ رات بارہ بجے کے بعد آف ٹائم۔ ملٹی پل بجٹ سپاٹ خریدنا زیادہ سود مند رہے گا۔ پرائم ٹائم ٹی وی اشتہارات بہت مہنگے پڑتے ہیں"۔

"یہ آف ہاور ٹائم ٹی وی کون لوگ دیکھیں گے؟ اس قدر لیٹ نائٹ؟"

"دیکھنے والے دیکھا کرتے ہیں۔ رات کے راہی۔ رت جگا کرنے کے شائقین بے پناہ ہیں۔ بے خوابی کا شکار۔ نائٹ ڈیوٹیوں پر کام کرنے والے۔ سٹوڈنٹس۔ سیاح۔ ضعیف العمر حضرات"۔

"رسائی کیوں کر ہو گی؟"

"لوکل ایڈور ٹائزنگ ایجنسیوں کے ذریعے"

"ان کے سفید ہاتھی پالنے ضروری ہیں؟"

"چلو ان کو گم کرو۔ ہم لوکل کیبل سٹیشنوں کے ساتھ ڈائریکٹ رابطہ رکھ کر تیس تا ساٹھ سیکنڈ کا اشتہار خرید سکتے ہیں"۔

"کون کون سے سٹیشن؟"

"ہوم باکس آفس (ایچ۔ بی۔ او)"

"یا قربان!" ملا نے بھڑک ماری۔

"ڈبلیو۔ ایل۔ آئی۔ ڈبلیو۔ کینسو مرلینڈ نیوز بزنس چینل بنام سی این بی سی دافیملی چینل ایم سی جی ٹو کنٹری میوزک ٹیلی ویژن سی ایم ٹی وی (کنٹری میوزک سننے والے نمبر نائن ہنڈرڈ کے شیدائی ہیں) امریکن مووی کلاسک اے ایم سی۔ دا مووی چینل۔ سینما کس۔ شوٹائم اور۔ اور دا پلے بوائے چینل وغیرہ وغیرہ"۔

"اس وغیرہ وغیرہ پر کمرشیلائز کرنا واقعی سود مند رہے گا"۔ ملا چونک کر بولا۔

"کیا مطلب؟" ٹارا نے برا سا منہ بنا لیا۔

"مطلب پلے بوائے چینل سے ہے"۔ ملا نے بلا تامل جواب دیا۔

"چلو اخبارات سے تو جان چھوٹی"۔

"نہیں تو۔ ایسا کیونکر سوچ لیا تم نے۔ اخبارات کے ساتھ اگر ڈھنگ سے پبلٹی کی جائے۔ تو جواب نہیں اس کا۔ ہم اخبارات اور ٹی وی کو اب رینک نمبر دو میں رکھیں گے"۔

"یہ آنسرنگ مشین کا پھڈا' کیا ہے درمیان میں؟" داؤد بدستور بیزار تھا۔

"لوگ آنسرنگ مشین سے ہمکلام ہوتے زیادہ سہولت محسوس کرتے ہیں۔ بہ نسبت کسی نک چڑھے۔ ٹیمپرامنٹ کے مارے سر دمہر سروس پرسن سہولت۔ اور پرائیویسی پر تو آج کا امریکن جان چھڑکتا ہے۔ لہٰذا نوے فیصد پری ریکارڈ پیغامات ہوں گے"۔

"او۔کے"

"ان کو لائن پر جمانے کے واسطے تھوڑی میوزک کی چاشنی بھی ضروری ہے۔ بہرحال جو انفارمیشن کا متمنی ہو گا۔ پورا پیغام سن کر رہے گا۔ پہلے وہ بولے گا بیپ ٹون کے بعد ہمارا پیغام"۔

"اور بل کس کے نام آئے گا؟"

"گاہک کے نام۔ بل کا اندراج اس کی ماہوار فون سٹیٹ منٹ پر ہو گا۔ جو

اسے بلا کم وکاست ادا کرنا پڑتا ہے۔ ہر کال کا ٹریک ہماری اپنی کمپنی اور ان کی فون کمپنی مثلاً" ٹی این ٹی۔ سپرنٹ یا ایم سی آئی رکھتے ہیں تمام جمع منفی حساب و کتاب ان کے سر۔ یعنی یہ پے پر کال کی فیلڈ ہے"۔

"گو فر گاہک کو قیمت کا پتہ کیسے چلے گا؟ کہیں آنسرنگ مشین اس کے ساتھ طویل گپ شپ کر کے اس کا کونڈا نہ کر دے"۔

"بڑی ہمدردی جتا رہے ہو اجنبی گاہک کے ساتھ ابھی سے۔ بہرحال مشینی پیغاماتی ٹرانسکرپٹ کے لئے پچھتر تا ایک سو پچیس الفاظ کی حدود ہیں۔ علاوہ ازیں فیڈرل ریگولیشن کے تحت ہمیں ہر طرح کے اشتہارات کے ساتھ قانوناً" پے پر کال کی پہلے اور ہر منٹ کی قیمت کا اندراج کرنا ہو گا۔" "اور ٹیلیفون لائن مفت"؟ ماما نے پوچھا۔

"اتنے جا لیکنگ، بزنس کا اصلی ٹول مفت میں بٹے گا؟ مذاق سمجھ رکھا ہے"۔

"تو پھر لائن کا خرچہ کیا ہے؟" داؤد متوجہ ہوا۔

"اگر ہم نائن ہنڈرڈ کا بالکل سادہ سا سسٹم خریدیں۔ جو کہ ہم کو کرنا ہے فی الحال۔ ہاں تو بیس ہزار چاہیے پلس انسٹالیشن فیس۔ یہ فیس فون کمپنی ہم سے یکمشت وصول کرے گی۔ اس طرح ٹوٹل رقم چالیس ہزار ڈالرز آتی ہے۔ اگرچہ زیادہ کمپلیکس سسٹم خریدا جائے۔ تو یہ قیمت دو سو ہزار (دو لاکھ) ڈالرز تک جا پہنچے گی"۔

ماما بھانجہ توقف میں دم سادھے بیٹھے رہے۔

"باٹم لائن یہ ہے۔ کہ نوے کی دہائی کے اس ماڈرن بزنس کانسپٹ کی قیمت کیا ہے آخر۔ مقابلتاً" پی نٹس۔ بالکل ڈرٹ چیپ۔ ہے کہ نہیں؟"

داؤد نے جواب دینے کی بجائے دوسری جانب منہ موڑ لیا۔

"تو پھر ففٹی ففٹی ٹھیک رہے گا" ماما نے صلاح دی۔

"کیا۔ کیا ففٹی ففٹی۔ منافع؟" تارا کی کرنجی نیلی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"منافع کا حساب تو بعد میں ہو گا۔ پہلے سرمایہ۔ میں ادھر بزنس پر سرمایہ اٹھانے

کی بات کر رہا ہوں۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ آدھا سرمایہ داؤد اور آدھا تم شیئر کرو اس بزنس کے اوپر"۔

"ہاؤ۔ڈیئر۔ یو!۔ وٹ بزنس از۔ اٹ۔ آف۔ یو؟" ثارا ایک دم اس پر بری طرح برسنے لگی۔ "کہ تم میرے ذاتی معاملات کے اندر منہ اٹھائے گھسے دے رہو۔ میں کیوں لگاتی پھروں اپنا قیمتی سرمایہ داؤد کے جیسے برے ماتھے والے والے کے کاروبار پر۔! جبکہ پہلے ہی میں تو اپنا بزنس کامیابی کے ساتھ چلا رہی ہوں۔ جاب کی ضرورت داؤد کو ہے جو آج کل بالکل مفت بر ہے"۔

"اچھا کملیئے! رب راکھاں تم دونوں کا۔ میں تو چلا"۔

"دیکھو ڈیئری"۔ ثارا خوشامدانہ داؤد سے مخاطب ہوئی۔

"تم ماما کی للو پتو میں مت آؤ۔ وہ ہمارے پھڈے میں ضرورت سے زیادہ ٹانگ اڑانے لگا ہے۔ میں تمہارے بھلے ہی کو تو کہہ رہی ہوں۔ ہنی! بنی! اپنا قیمتی پیسہ اس طرح بینکوں میں جامد کئے کب تک گھر بیٹھے محض ترنوالے تک اوقات کو محدود رکھو گے۔ ہمت کرو آگے بڑھو۔ کچھ ہاتھ پاؤں مارو۔ فوائد حاصل کرو۔ یہ تمہارے تصورات۔ خوابوں اور تگ و دو پر منحصر ہے۔ کہ امریکہ میں تھوڑی سی محنت و مشقت کرکے آسانی کے ساتھ آمدن کی آبشاریں جاری و ساری رکھو گے"۔

"او۔کے"۔ داؤد نے ٹھنڈی آہ بھری اور آمادگی میں اپنا سر ہلایا۔

○☆○
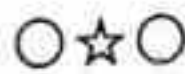
ٹیلیفون کے نائن ہنڈرڈ نمبر کا کنکشن فوری سے پیشتر مل گیا۔ بڑی محنت اور لگن کے ساتھ داؤد نے اس نمبر کی سٹرٹیجی اینڈ پروموشن پر کام کیا۔ چند ماہ کے اندر اندر واقعی وہ لاکھوں میں کھیلنے لگا۔ نہ صرف بینک بلکہ کریڈٹ کارڈ۔ پرائیویٹ کمپنیوں اور انشورنس کمپنیوں نے اس کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے۔

"اپنا گھر۔ اپنا ذاتی مکان"۔ خوشحالی کا دور دورہ ہونے لگا۔ اور چین کی بنسی

بجاتے ہی داؤد کے سر ایک نیا سودا سوار ہوا۔

"اک بنگلہ۔ امریکی بنگلہ یا خدائے رئیس عطا کر اپنے خزانہ سے"۔

"سبحان اللہ! لو لگا لی تم نے بھی مولا سے۔ کیسا ورد ہو رہا ہے یہ"۔ ماما داخل ہوا۔

"بھاری کرایہ ادا کر کے تنگ اپارٹمنٹ کے اندر زندگی گھسیٹنا کس قدر ذلالت ہے۔ میں نے اپنا گھر خریدنے کا قصد کر لیا ہے"۔ اس نے تشریح کی۔

"کبھی ہماری ہشت پشت میں کوئی کرایہ دار کہلایا نہ ہوگا ماے جان"۔

"ٹھیک ہے۔ اپنا اپنا گھر اور اپنی اپنی قبر بھلی"۔ ماما نے فلسفہ جھاڑا۔"پر کس دلدل میں پھنسنے جا رہے ہو۔ لالے دی جان۔ یہ گھر خریدنے والی کھیر ادھر بڑی ٹیڑھی ہے۔ سکھ چین چھنتا ہے تم کو کیا؟"

"بڑے فوائد ہیں۔ گھر کا مالک ہونے کے۔ بینک سے مجھے انفارمیشن ملی ہے۔ اگر امریکہ میں آپ ایک عدد کوٹھی کے مالک ہیں تو بینک سے قرضہ حاصل کرنے کی سہولت بہت بڑھ جاتی ہے"۔

"قرضہ لے کر کیا کرنا ہے۔ تم کو اب؟"

"آگے بزنس بڑھانے کے واسطے۔ اور بھی بیسوں فوائد ہیں۔ اپنے گھر کے اندر بیڈ روم کو اپ ٹو ڈیٹ بنوایا جا سکتا ہے۔ نئی نویلی نئے ماڈل کی گاڑی اسی قرضہ کے ذریعے خریدی جا سکتی ہے"۔

"نئی نویلی دلہن بمعہ برائیڈل ڈریس بھی یہاں قرضہ پر دستیاب ہے۔ مگر یہ سب اپنے ذاتی گھر کی عافیت کے مول پر۔ اس نوع کی طمع میں مضائقہ یہ ہے کہ چند سالوں کی اندر اس ظاہری پر کشش قرضہ کی بمعہ سود در سود ادائیگیاں تمہاری ناتواں کمر کو دوہرا کر دینے کا باعث ہوں گی۔ پھانسنے کے لئے بینک اپنے دیرینہ قرض کے متحمل گاہکوں کے درمیان سالانہ و ششماہی شیرینی بھی بانٹتا ہے۔ جیسے آج کل میٹرو پولیٹن بینک نے لون کی لوٹ سیل لگا رہی ہے"

ثارا تک یہ خبر وحشت پہنچی۔ تو اس پر ردعمل نہایت غیر متوقع تھا۔ وہ خوشی سے پھولی نہ سمائی۔ کہ داؤد اپنے سرمایہ کی بدولت گھر خرید رہا ہے۔ اگلے تمام معاملات ثارا کی زیر ہدایت طے پانا قرار دیئے۔

"داؤد مین ہٹن کی شوریدہ اور اندھادھند بھاگتی دوڑتی روزمرہ زندگی سے عاجز آ چکا تھا۔ گو عملی طور وہ اس ریٹ ریس میں شامل تو نہ تھا۔ لہٰذا لانگ آئی لینڈ پر توجہ مرکوز ہوئی۔ ویسٹ چسٹر۔ ویسٹ بری۔ اور راک لینڈ کاؤنٹی جیسے سرسبزو شاداب اور پرسکون رہائشی علاقے دونوں کو پسند تھے۔ مگر چند ہی روز کی چھان بین کے بعد وہ خوفزدہ ہو گئے۔ (بکاؤ گھروں کی قیمتیں سن کر) اور ان مہنگے ترین رہائشی علاقوں میں بسیرا کرنے کا آئیڈیا ڈراپ ہوا۔ اور تان آکر سٹیٹن آئی لینڈ پر ٹوٹی ۔ ایک تو نیویارک سٹی کے "برو" کے اندر شمولیت کی وجہ سے خاصا قریب تھا۔ دوسرے جزیرہ ہونے کی بناء پر جھیلوں، ہاربر اور کھاڑیوں کا حسین منبع۔

ہائی لین بلے وارڈ کی ایک سٹریٹ بنام درہم سٹریٹ پر ان کو چار بیڈ رومز کا ایک سنگل ہوم بھا گیا۔ اڑوس پڑوس کے متعلق اطمینان دستور اولیں ٹھہرا۔

اول تو لوگ امریکی گھروں کی خریداری میں منوں ٹنوں سرمایہ یک مشت ادائیگی کے ذریعہ الجھانے کو عقلمندی نہیں گردانتے۔ دوسرے اس نوع کی سخاوت کی شو آف کی بنا پر محکمہ انکم ٹیکس کے پنجوں میں بری طرح دھنس جانے کا رسک ہے۔ لہٰذا امیرو غریب سبھی یہاں مارگیج پر گھر حاصل کیا کرتے ہیں۔

قاعدہ کے مطابق رئیل اسٹیٹ کے بائنڈر کنٹریکٹ سے پیشتر اٹارنی سے رابطہ ضروری تھا۔ یہ رابطہ بھاری فیس کے بل بوتے رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ فراڈ سے بچنے کی خاطر اٹارنی بے حدلازمی ہے۔ وہی ایسی شخصیت ہے جو فروخت کرنے والے کے انشورنس پروف کی جان پرکھ کا اہل ہے۔ اور اس حقیقت کا اعادہ بھی۔ کہ پراپرٹی کے خلاف کوئی کلیم یا۔ قرضہ واجب الاداء تو نہیں ہے۔ اور فروخت کرنے والا ایک قابل اعتماد شخص ہے وہ اصلی ٹائٹل پیش کر رہا ہے۔ جس کی مارکیٹ ویلیو فی الواقع اسی قدر

ہے جس کا ٹائیٹل میں اندراج ہے۔

ساتھ ہی ایک عدد انجینئر کی خدمات بھی ضروری تھیں۔ وہ گھر کا معائنہ کر کے یہ ثابت کر دے۔ کہ بنیادیں۔ ستون۔ نلکے۔ ٹوٹیاں۔ فلش سسٹم۔ در و دیوار۔ وائرنگ۔ ہیٹنگ۔ بجلی۔ گیس وغیرہ سبھی ورکنگ حالت میں ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر بلیک مولڈ۔ جس سے لوگ بے حد ہراساں ہیں۔ بلیک مولڈ پرانے گھروں کی ایک عفریت کا نام ہے۔ یہ ایک خاص قسم کی زندہ کائی ہے۔ پرانے گھروں اور بلڈنگوں کی دیواروں میں گھن کی طرح دھنسا انسانی صحت کے لئے جان لیوا ثابت کیا جا چکا ہے۔ اس کے سپورز (انڈے) کمروں کی ہوا کے ذریعہ انسانی جسم میں داخل ہوتے رہتے ہیں۔ کئی لوگ بلیک مولڈ کے زہریلے اثرات سے اندھے ہو چکے ہیں۔ پچھلے دنوں شکایات وصول ہونے پر مین ہیٹن کی ایک بہت پرانی کئی منزلہ بلڈنگ کو اتھارٹی نے ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔ اسی طرح گھن کے ماہرین موقع پر یہ کھوجتے ہیں کہ بکاؤ گھر کو کیڑے مار سپرے کے ذریعہ تمام حشرات العرض سے پاک صاف کیا جا چکا ہے یا نہیں۔ پانی کے محکمہ سے ماہرین آ کر اس امر کی خبرگیری کرتے ہیں۔ کہ پانی کے موجودہ ذرائع سے لیڈ پوائزننگ کا انسانی خطرہ موجود ہے یا نہیں۔ وہ گھر سو فیصد ناقابل فروخت ہوا کرتا ہے۔ جس کے واٹر سپلائی سسٹم میں ذرا برابر لیڈ کی دھات موجود ہو۔

قانوناً" چھتوں کا معائنہ کروانا رول ہے۔ تاکہ ثابت کیا جا سکے۔ کہ ایس بیس ٹاس جیسے خطرناک میٹریل سے ان کی چھتیں آلودہ تو نہیں ہیں ایس بیس ٹاس کی چھوٹی بڑی تعمیر اب امریکہ میں قابل سزا قانونی جرم ہے کیونکہ اس سے اخراج شدہ غیر مرئی بلبلے انسان میں پھیپھڑوں کے کینسر کا باعث ہیں۔ اس ہولناک حقیقت کا انکشاف سن ۱۹۷۰ء میں ہوا تھا۔ تب ایس بیس ٹاس سے تعمیر شدہ چھتوں کا امریکہ میں بہت فیشن تھا۔ جس کی بھینٹ نو ہزار افراد چڑھ گئے۔ ان افراد کے کینسر میں مبتلا ہونے کے واقعات ۱۹۷۰ء تک محیط ہیں۔ بعد ازاں ہر واحد گھر سے ایس بیس ٹاس چھتیں ادھڑوادی گئیں۔اب تو لوگوں پر اس منحوس نام ہی سے لرزہ طاری ہو جاتا

ہے۔ کسی گھر کی چھت میں اس میٹریل کی موجودگی گویا بھوت پریت کے آسیب سے بدتر سمجھی جاتی ہے۔

تو بات ہو رہی تھی۔ جائیداد کی خرید و فروخت کی۔ آپ کو اپنے اٹارنی کو دو چار مرتبہ تکلیف دینا پڑتی ہے۔ وہ مارکیٹ قیمت۔ کرنٹ سروے بائنڈنگ کنٹریکٹ کا ناپ تول۔ رقبہ اور باؤنڈری۔ کمیشن وغیرہ کی گتھی سلجھانے بیٹھ جاتا ہے۔ آخر میں باری آتی ہے۔ خریدار کی قوت خریداری اور فنانشل سٹیٹس کی۔ جس کی تکمیل کے بعد اس کے بینک کو قرضہ کی دہائی دینا پڑتی ہے۔ یعنی مارگیج کے لئے عرضداشت۔ کم از کم بیس فیصد کیش داؤد کو بطور ڈاؤن پے منٹ اپنے پلے سے ادا کرنا تھا۔ یہ رقم اس قدر تھی کہ داؤد کے موجودہ بینک بیلنس کے تین حصے اس پر اٹھ گئے۔ اس کا چہرہ لٹک گیا۔ جب اس پر یہ قلعی کھلی کہ ماہوار مارگیج کی رقم اس کرائے سے تین گناہ زیادہ ہے۔ جو وہ مین ہیٹن والے اپارٹمنٹ کے لئے ادا کر رہا تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ خریدے گئے اس مکان کی ماہوار اقساط وہ کمال مستقل مزاجی کے ساتھ ادا کرتا رہے۔ تو کہیں جا کر تیس برس بعد صحیح معنی میں اس کا مالک کہلاتے ہوئے اس کو فروخت کرنے کا مجاز ہو گا۔ حقیقتاً آئندہ تیس سالوں تک بینک ہی اس پراپرٹی کا اصل مالک و حقدار رہے گا۔ حد یہ ہے کہ بالفرض محال داؤد دو یا تین ماہ کے قلیل عرصہ کے لئے اپنی مارگیج رقم کی ادائیگی سے مجبوری کا اظہار کرتا ہے۔ تو خریدی گئی یہ جائیداد بمعہ ڈاؤن پے منٹ بلا شرکت ایرے غیرے بینک کی ملکیت کے اندر چلی جائے گی۔ بات یہیں پر ختم نہ ہو گی۔ اگر لگاتار اور ان تھک برسہا برس صبر آزما ادائیگیاں کرتا رہے تو پہلے کئی برس بینک کی سود در سود رقم سے نمٹ نہ پائے گا۔ مطلب یہ کہ تمام ڈاؤن پے منٹ کو ادائیگی سود مانیئے۔ اصل ادائیگیاں تو سود کی ٹوٹل رقم کے منہا ہونے کے بعد سے گروانا جائیں گی۔

اب پانی سر سے گذر چکا تھا۔ اس کے ذہن میں دودھ کی نہر کھودنے کا آئیڈیا ٹپکا اور تارا نے فوری اسے عملی جامہ پہنا دیا۔ پیچھے کو پلٹ جانا اب ناممکن تھا۔ داؤد

قربانی کا بکرا اپنا سر تسلیم خم کیے ہر مرحلہ سے گھسٹتا چلا گیا۔ آخر کار وہ مبارک دن بھی آ ہی گیا۔ جب ان معاملات کو فائنلائز ہونا تھا۔ گول میز کانفرنس بیٹھی۔ فروخت کرنے والا فرد۔اس کا اٹارنی اور بروکر۔ ٹارا۔ داؤد اور ان دونوں کا اٹارنی۔ ان کی جانب کا رئیل اسٹیٹ ایجنٹ اور داؤد کے بینک کے نمائندے۔

داؤد نے کاغذات کے ذریعہ ڈاؤن پے منٹ ادائیگی یک مشت کی۔ فروخت کرنے والے نے لینڈ کے تفصیلی کاغذات ان کے حوالے کئے۔ اور یہ ہم کاؤنٹی کلرک کے آفس میں ریکارڈ ہو گئی۔ چلیں جی۔ مبارکی! سلامتی! اور ماحد شیرینی بانٹی گئی۔ یعنی اس پر مسرت موقع پر ٹارا کی جانب سے تمام پارٹی کو سو فسٹیکیٹڈ اٹالین ریسٹورنٹ میں ڈنر کی دعوت۔

"یا خدائے رئیس!" تمام بکھیڑا بخوبی نمٹ جانے کے بعد وہ گھر پہنچا۔ تو بے حد آزردہ خاطر تھا۔ "یا رب الحبیب! میرے حماں نصیب میں تو نے فقط یہ لون کا مکان لکھا تھا۔ اور وہ بھی اس قدر گراں بہا اور سو سو گنجاں کے ساتھ"۔ وہ اپنے تئیں آپ بڑبڑایا۔

"واہ رے! داؤد۔تو لیا کدھر آ گئے ہم چمن سے نکل کے"

"ڈیوڈ! تم امریکی سرزمین پر بغیر گرین کارڈ ایک عدد خوبصورت چار بیڈ روم۔ تین منزلہ بنگلہ کے مالک بن گئے اور پھر بھی جز بز ہو رہے ہو۔ کیا بڑبڑا رہے ہو۔ یہ اپنے تئیں آپ؟"

"مالک۔ فی الحال مالک مکان تو بینک ہے۔ میرا اپنا بینک اور مستقبل بعید میں اس کی مالکہ تم بھی ہوگی۔ میری بیوی ہونے کے ناطے۔ میرا نصف بہتر اور ہر شے پر نصف قابض۔ دعت تیرے کی"۔

"کیا۔؟ کیا کہا تم نے اپنی زبان میں یہ آخری جملہ ؟"

"میں نے بولا کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک اے وومن لبریشن!"

داؤد نے شعر کا آسان ترجمہ کر کے اس کے گوش گزارا تو وہ ہنسی سے لوٹ پوٹ

ہونے لگی۔

ایک روز ثارا بولی۔ "ڈوڈھ! تمہارے ہر وقت کے اس ہنگم موڈ سے میں تو بیزار ہو چلی"۔

"چلیں پھر تم میکے؟" اس نے پر امید نگاہوں کے ساتھ بیوی کی جانب دیکھا۔

"نہیں ہوڈی۔ ڈوڈی! میرا ذاتی خیال ہے کہ یہ ہم دونوں کو بریک چاہئے"

"کیا کہا ہم بریک ڈاؤن' ہو رہے ہیں۔ کیا ہماری شادی بھی ڈاؤن وائل جا رہی ہے۔ جیسے کہ یہاں پر عام ہوتا ہے۔ یعنی جدائی کی جانب مارچ کرنے والے ہیں"۔

"کیا کفر بک رہے ہو کاکا! تم فقری فقری (سویرے۔ سویرے)" ماما داخل ہوا۔

"نہیں۔ نہیں۔ میں تو نہیں۔ یہ ثارا کچھ اسی نوع کے مسئلہ پر گوہر افشاں تھی ابھی ابھی"۔

ٹوئل تش! میں تو کہہ رہی تھی۔ کام سے بریک چاہیے ہم دونوں کو۔ بریک یعنی تفریح۔ ان حضرت نے رائی کا پہاڑ بنا ڈالا"۔

"اوہو۔ تفریح ؟ آئیڈیا برا نہیں لگاتار کام بندے کے چودہ طبق روشن کر دیتا ہے۔ کناں کندے نے۔ کہاں چل رہو پھر۔ میڈ سن سکوائر گارڈن؟"

"وائے؟ میڈ سن سکوائر گارڈن ؟ ہاں ہنی! یاد آیا تمہارے پلے میرا اور تمہارا ایک قرضہ باقی ہے۔ لیٹ ہنی مون۔ یاد ہے تاحال ہم نے کبھی ہنی مون منا کر نہیں دیکھا۔ اس غرض کے لئے ایپ کاٹ سنٹر سے بہتر کون سا مقام ہو گا"۔

"ڈزنی ورلڈ جا رہے ہو تم دونوں یوں بیٹھے بٹھائے"۔ ماما نے ٹوکا۔ "تم دونوں کے کچے پکے کاروبار کا کیا بنے گا پیچھے۔ مجھ سے ہرگز امید نہ رکھنا۔ کہ تمہارا منشی بن جاؤں۔ یا بی بی کی ہٹی پر بیٹھوں گا۔ مجھے تو اپنی ییلو کیب ہی بھلی"۔

"میری پٹ شاپ۔ ڈیلی اینڈ گرومنگ پارلر کی بات چھیڑ رہا ہے۔ شائید تمہارا یہ بے تکا انکل۔ کہہ دو اس کا غم نہ کھائے۔ میری ایمپلائی لڑکیاں سمارٹ ہیں۔ سنبھال لیں گی وہ سب۔ اور ہاں ڈیوی! تمہارے بزنس کے لئے بھی انتظام کر لیا ہے میں

نے"۔

"کیا انتظام"

"سروس بیورو"۔

"کیوں بھلا؟ ایسا کاہے کو کیا تم نے بغیر مجھ سے مشورہ لئے! ہم اپنا سونا بناتا بزنس خواہ مخواہ ان کے حوالے کرنے کا رسک کیوں لیں گے۔ محض تفریح کی خاطر؟"

"یہ محض تفریح کی بات نہیں ہے۔ قیاس ہے کہ مستقبل قریب میں تم اس قسم کا ہائیسٹ ٹیکنیکل طور پر ایڈوانس بزنس تنہا ہینڈل نہ کر پاؤ گے"۔

"اب تک کیسے ہینڈل کر رہا ہے یہ بخیر و خوبی؟"

"ماما! تھوڑی دیر تم چپکے بیٹھے رہو۔ تم کو ان کمپلیکس معاملات کی سوجھ بوجھ نہیں ہے۔ ہاں تو کہاں پر تھی میں؟"

کہہ رہی تھی کہ میں ہینڈل نہ کر پاؤں گا" داؤد نیدھیمی بیٹھی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"یس! کرنا یہ ہے کہ یہی آلہ ہم سروس بیورو کو لیز پر دے دیں گے جس کے نتیجہ میں منافع کے لئے ان کے ہمراہ حصہ داری ہو جائے گی۔ ڈونٹ بی سلی! منہ کیوں پھلا رہے ہو۔ سنو! آلے کو وہ آپریٹ کریں گے۔ جبکہ مالک تو ہم ہی ٹھہرے"۔

"ہم مالکوں کی جان پر ہر لحہ معلق وہی رہیں گے"۔

"نہیں تو۔ بلکہ ہم ان کی جان پر معلق ہوں گے۔ ہر کال کی فیس کا حصہ اور آلے کا کرایہ وغیرہ سیدھا ہماری جیب کے اندر"۔

"پھر بھی۔ ہم ان کے حالی موالی "۔ ماما کہے بنا رہ نہ سکا۔ "کس حساب سے انکل ماما۔ کان کھول کر سن لو ہم مالک اور وہ کرایہ دار"۔

"او۔ ہو۔ ہو ۔ ہو"۔

"چہ خوب! مگر منافع میں کس قدر بخرہ ہو گا ہمارا؟"

"مثال کے طور پر۔ گاہک سے ایک منٹ کا وہ دو ڈالر وصول کرتے ہیں۔ ہمارا

حصہ ہو گا ایک ڈالر۔ تین ڈالرز پر ہمارا بنتا ہے۔ ایک ڈالر اور اسی سینٹ"۔

"یہ اسی سینٹ تو ہماری فون کمپنی کی پاکٹ میں جائے گا"۔

"یہ ہماری سردردی ہے۔ سروس بیورو سے اس کاکوئی دخل نہیں ہے۔ وہ ہر حال میں ففٹی کے کنٹریکٹ پر سائن کئے دیں گے"۔

"اور ہماری غیر موجودگی میں اشتہارات کا بکھیڑا بھی وہیں اٹھائیں گے؟"

"کیوں بھلا۔ اشتہارات کا خرچہ اٹھانے کے وہ ذمہ دار کیسے ہوں گے۔ اس کے لئے ہم یہ کریں گے۔ کہ جانے سے پیشتر ایڈور ٹائزنگ اینڈ مارکیٹنگ کا بندوبست کر دیں گے۔

"کہاں سے اور کیسے ہو گا۔ یہ بندوبست؟"

کچھ مشکل نہیں ہے۔ ایڈور ٹائزنگ ایجنسی ہائر کریں گے ہم۔ ایز۔ سمپل' ایز دیٹ"۔

"گریٹ! آخرکار۔ آگئیں نا تم اپنی ہٹ دھرمی پر۔ ان کا فربہ اندام خرچہ کدھر سے آئے گا؟"

"ہمیں یکمشت تقریباً" دس ہزار ڈالرز ادا کرنا ہوں گے۔ اس کے بعد دھیرے دھیرے"۔

"کتنا دھیرے دھیرے؟"

"ہفتہ وار"۔

"کس خوشی میں"۔ داؤد بوکھلا اٹھا۔ ایک ہفتہ میں ہماری اپنی چلائی گئی ٹی۔ وی کمرشل مہم پر اس سے کہیں کم رقم خرچ آتی ہے"۔

"فرق بھی تو ہے۔ وہ ہائی کلاس ٹیکنیشنز ہائر کریں گے۔ اور تجربہ کار پروڈکشن عملہ۔ پر تاثر ٹرانس کرپٹ۔ دور حاضرہ کی ڈیمانڈ کے مطابق معلومات۔ تمام فرائض ان کے سر۔ کچھ ہم پلے سے دیں گے۔ تو زیادہ کی توقع بھی رکھیں گے۔

"نکی کی گفتگو کا لب لباب یہ ہے کہ" ماما بلا دعوت کود پڑا۔ "گراں بہ حکمت

ارزاں بہ علت۔ گراں بار یعنی ملینئر بننے کے واسطے یہ سب خجل خواریاں کرنا پڑتی ہیں۔ کاکا! تے فکر ہی نہ کر توں۔ ناواں (رقم) تجھے ملا کرے۔ کھسے بھرتے جائیو۔ لالے دی جان! وت کہ عیش کریئے تسی۔ رل مل کے تسی تے تھاڈی گوری جورو"۔

دو چار دن صرف کر کے نائن ہنڈرڈ بزنس کے تمام معاملات بہ احسن نمٹا لئے گئے۔ سروس بیورو کی ایک پرائیویٹ شاخ نے اپنا چارج سنبھال لیا۔

شام سات بجے کی فلائیٹ سے دونوں میاں بیوی آرلینڈو (فلوریڈا) لینڈ ہوئے۔ اس رات آؤٹ ڈور' کا موڈ نہ تھا۔ لہٰذا لموزین کی ہدایت پر قیام و طعام کی خاطر ایسٹ واشنگٹن پر واقع ہار لے آف آرلینڈو ہوٹل میں ٹھہرے سروس ڈیسک پر سے ڈزنی ورلڈ کی رسائی کے لئے صبح سویرے کی کوچ پر ان کی بکنگ ہوئی۔ ان کے ہوٹل سے ایپ کاٹ سنٹر کا فاصلہ گھنٹہ بھر سے اوپر کا رہا ہو گا۔

راہ پر سماں میں دیکھنے کو کئی ایک مناظر تھے۔ سنگتروں۔ لیمو۔ مالٹوں کے لدے پھندے باغات جو "شرقاً" "غرباً" چھائے تھے۔ کشادہ پارک ویز اور فلائے اوورپل۔ چڑھائیوں سے نیچے پھسلتی گاڑیوں کے انبوہ بیکراں۔

○☆○
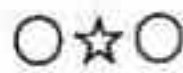
ایپ کاٹ سنٹر کے وسط میں معلق دنیا کا خوبصورت ترین دیوزاد چکا چوند گولہ دور سے نظر آنے لگا۔ تو کوچ کے اندر بیٹھے۔ سیاح عالم بے قراری میں اپنی سیٹوں پر اچک اچک اس کا بھرپور نظارہ لینے لگے۔ داؤد نے اپنے زمانہ طالب علمی اس ایپ کاٹ سنٹر ڈزنی ورلڈ کے خواب لگاتار دیکھے تھے۔ اور آج تعبیر اس کے سامنے تھی۔ اس کو یقین نہ آ رہا تھا۔ کہ وہ دیوزاد گولہ اس سے اس کی نگاہوں کے حصار میں ہے۔

وہ ڈزنی ورلڈ کے مین گیٹ پر پہنچے۔ اس سے آسمان کی کھلتی نیلاہٹ کے دوش کہیں کہیں سفید دبیز بادلوں کے ٹکڑے تیرتے تھے۔ اندر چہار جانب مستی و سرشاری کا عالم تھا۔ رنگا رنگ ہر رنگ سیاحوں کا اژدھام مختلف پارکوں کا راہی تھا۔ اٹکھیلیاں

کرتی۔ محشر برساتی۔ رنگ برنگے مگر ادھورے پیرہن زیب تن کئے سرپھری لڑکیاں' صابر و شاکر بچے خوش وضع و خوش ذوق ضعیف العمر اصحاب۔ القصہ چہار جانب غوغائے مرو ماں۔ چیخ و پکار۔ ہر ذوق کے لئے بالیدگی روح کا ساماں۔

دونوں میاں بیوی نے پانچ روزہ ٹکٹ خریدا۔ اور تین روزہ ڈزنی پاسپورٹ جس کے ذریعہ ان کا ایپ کاٹ سنٹر کے علاوہ میجک کنگڈم۔ ایم۔ جی۔ ایم سٹوڈیو ان تینوں پارکوں کے اندر داخلہ بمعہ ہر قسم کی ٹرانسپورٹیشن اور تمام مناظر اور اٹریکشنز (کشش جات) فری ماسوائے طعام و قیام۔

ایپ کاٹ کے مختلف شعبہ جات کو اٹریکشنز کا نام دیا گیا ہے۔ ارتھ سٹیشن۔ ورلڈ شوکیس سنٹر۔ لائف سٹائل آف فیوچر (مستقبل) گارڈنز آف دا ورلڈ۔ یونیورس آف انرجی۔ جرنی ان ٹو امیجی نیشن (تصورات کی دنیاؤں کا سفر) اور دا لینڈ اٹریکشن اینڈ دا سی اٹریکشن وغیرہ وغیرہ۔

تیز و طرار تارا کو سب سے پہلے یہ دیکھنا بھالنا تھا کہ تفریح کے ساتھ ساتھ جملہ سہولیات کو بھی در خود اعتناء گردانا ضروری ہے۔ اگر ایمرجنسی میں کوئی چھوٹا بڑا مسئلہ درپیش ہو۔ تب کہاں اور کدھر رجوع کیا جائے۔

ایپ کاٹ کا آفیشل کارڈ وہاں پر امریکن ایکسپریس کارڈ ہے۔ علاوہ ازیں ہر بینک کے ٹریولرز چیک۔ ماسٹر کارڈ۔ ویزا کارڈ بلکہ کیش بھی چلتا ہے۔ پلاسٹک منی یا کاغذی گھوڑے۔ بس خرچ کرنے کا سلیقہ چاہیے۔

شروعات ارتھ سٹیشن سے ہوئیں۔ آپ کو یہ کئی ایک سروسز مہیا کرتا ہے۔ اگرچہ ہر ایک کشش کے اندر الگ الگ اپنے سروس محکمہ جات موجود ہیں۔ مگر ارتھ سٹیشن کو تمام تر ممکنہ سروسز کا ہیڈ کوارٹر سمجھ لیں۔

بے بی سٹرولر سے لے کر ڈزنی ڈالرز کی فراہمی۔ ہر ملک کی کرنسی ایکسچینج کی سہولت۔ اپنی قیمتی اشیاء دوران سیر محفوظ کروانا چاہیں تو عارضی سیف ڈیپازٹ باکس ہائر کر لیں۔ ورلڈ گفٹس سرٹیفکیٹ۔ دنیا بھر کا انفارمیشن سیٹلائٹ۔ ہر غیر ملکی زبان کے

ماہر متراجم۔ گائیڈڈ ٹوورز۔ کھوئے گئے پیکج کی برآمدگی۔ کلیم اینڈ رپورٹ۔ گمشدہ بچوں کی کھوج۔ معذوروں کے لئے ویل چیئر سروس وغیرہ۔

کیمرہ سنٹر وہاں پر کوڈک ہے۔ جو دو گھنٹے کی سروس مہیا کرتا ہے۔ بیٹھے بیٹھے دوران سیاحت کے پرنٹ محفوظ کروالیں۔

فرسٹ ایڈ کے بارے میں پتہ چلا۔ کہ فیوچر ورلڈ کے اندر اس کا مکمل انتظام ہے۔

بس ٹرانسپورٹیشن نے ورلڈ شوکیس سنٹر کو سرکل کر رکھا ہے۔ سیر کے دوران بھوک ستانے لگے۔ تو فوڈ کورٹ ریستورانوں کی جانب رجوع کر سکتے ہیں کیونکہ پارکوں پر کھانا پینا منع ہے۔ سموکنگ (سگریٹ نوشی) اور الکحل پر مکمل پابندی بھلے مانس بن کر سیرو تفریح کی تلقین یعنی جوتے۔ شرٹس اور شارٹس وغیرہ زیب تن رکھیں۔ مغلظات اور پبلک یاد! کوئی اور خواتین پر آوازیں کسنا قابل سزا جرم ہے۔ لڑکیوں کو چھیڑ چھاڑ۔ جھانک تانک کا۔ شہدے پن۔ لفنگا پن اور چھچھورے پن کا رواج سرے سے نہیں ہے۔ ہر کس و ناکس بس پارکوں کے وجد آفریں پرسرور لمحات میں مگن۔

ان گنت بچے۔ بوڑھے۔ جوان۔ ادھیڑ۔ دیسی۔ پردیسی اپنے ساتھیوں کے سنگ مست والست۔ کسی قسم کے متعصبانہ رویے کا کوئی اظہار کہیں جان نہیں پڑتا۔ بس قاعدوں اوراصولوں کی پابندی کیجئے۔ جس کی ہتھیلی پر پارک کا ٹکٹ ہے وہی ان کیف آگیں لمحات کا کل مختار۔

ابھی سیرو تفریح کا آغاز نہ ہوا تھا۔ کہ فضاؤں پر جذب ہوتی طعام لذیذ کی مہک نے داؤد کی اشتہاء دوگنا کر دی۔ بے شمار ریسٹورنٹ دعوت طعام دیتے سامنے دکھائی پڑے۔ یہ ایپ سنٹر کا فوڈ کورٹ تھا۔ تقریباً" دنیا کے ہر ملک کا پکوان پارکوں کے تمام تفریحی گھنٹوں میں جب چاہیں تازہ بتازہ طعام کیجئے۔ ہر وقت گرما گرم تیار۔ ثارا کسی عمدہ ریسٹورنٹ میں کھانے کے موڈ میں تھی۔ وہ بار بار ریوالونگ (گھن چکی) ریسٹورنٹ کے اور لپکتی۔ مگر داؤد کی نظریں جاپانی ریسٹورنٹ پر لگی تھیں۔ اس ریسٹورنٹ کا نرالہ

نام ہے۔ ٹمپورا کاکو۔ داؤد نے ادھر ہی اڑتی سنی کہ ریوالونگ بظاہر ا لیگنٹ ریسٹورنٹ میں خالص امریکی کھانے پیش کئے جاتے ہیں۔ داؤد کو ان امریکی کچے پکے۔ کورے پھیکے کھانوں سے نفرت سی ہو چلی تھی۔ جن کی بسائند کو ڈھانپ کر محض "ٹاپنگ اور "ڈریسنگ" کے زور پر نگلا جاتا ہے۔

ٹمپورا کاکو کے فوڈ سروس ڈیسک سے انفارمیشن ملی۔ کہ چارکول برائل چکن۔ شیک چاپ۔ پولٹری اینڈ سی فوڈ ادھر کوئلوں پر بھون کر کھلائے جاتے ہیں۔ مرچ مصالحہ جات سے سیزن کئے گئے چٹ پٹے گرماگرم سیخ کباب تکے اور مرغ مسلم۔ داؤد کے منہ میں پانی بھر آیا۔

اندر داخل ہوئے۔ تو معلوم ہوا کہ واقعتاً چند فربہ کوتاہ قد جاپانی صحن چمن میں دھونی رمائے بیٹھے چار کول برائل کو سلگا رہے ہیں۔

بات کھانے کی بھی تھی۔ لیکن داؤد کو جاپانی ریسٹورنٹ کا یہ عجب سا نام جس سے مشرقیت ٹپکتی تھی۔ بے حد بھایا۔ ٹمپورا کاکو۔ وہ اس نام سے گدگدایا جا رہا تھا۔

"کاکو ہمارے ہاں کسی ننھے بچے کے لئے پیار کا نام ہے اور امریکہ کی ایک سپر مارکیٹ کا نام بھی میرے دل کو بہت بھاتا ہے۔ کنگ کلن یہ مشرقی ناموں سے نصف مناسبت رکھتا ہے"۔

"ہاں فنی سا نام ہے یہ کنگ کلن، دراصل امریکہ کی یہ پہلی سپر مارکیٹ رہی ہے"۔

"کلن، ہمارے ہاں کا تک نام ہے۔ اگر کوئی بچہ کالا کلوٹا پیدا ہوا تو اس کی ماں پیار سے اس کو کلن، یعنی بلیکی کہہ کر پکارنے لگتی ہے"۔

"تمہارے ہاں کے نام۔ گویا انسان کی چمڑی کے رنگوں کی مناسبت سے رکھے جاتے ہیں؟" تارا کے چہرہ پر کڑوی مسکراہٹ ابھری۔

"اور تمہارے ہاں۔ پوری نسل کا نام چمڑی کے رنگ کی مناسبت اختیار کر لیتا ہے۔ جیسے بلیک امریکن۔ اینڈ وائٹ امریکن"۔

داؤد نے بلاغ جواب دیا۔ اور تارا اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔

ریسٹورنٹ بیک تھا۔ مگر خوش قسمتی سے ان کو زیادہ دیر کیو میں کھڑے رہنے کی زحمت سے جلد چھٹکارا مل گیا۔ وہ یوں کہ دو مہمانوں کے واسطے میزیں خالی تھیں۔ جبکہ ان کے آگے لمبے کیو میں زیادہ تر لوگ بڑی فیملی یا گروپوں کے ہمراہ تھے۔

برابر میں ہسپانوی ریسٹورنٹ تھا۔ جہاں فنکاران آرکسٹرا کی ساتھ دھما دھم سالسا ڈانس۔ ڈسکو ایزی سونگ۔ بامبا۔ ٹانگو اور سامبو رقص پورے دھوم دھڑکے کے ساتھ جاری تھے۔ ناظرین ڈانس اور شوریدہ ہسپانوی موسیقی پر مسلسل تالیوں اور لوٹنے کے ہمراہ ساتھ دے رہے تھے۔

کھانا ختم کر کے دونوں باہر نکلے۔ تو رونق بھری دوپہر کے چھن چھناتے حسن نے ترت بہار رکھی تھی۔

اب وہ زمانہ مستقبل (فیوچر ورلڈ) میں داخل ہونے والے تھے۔

ایک سو اسی فٹ اونچا ہنرافیائی۔ سپائرل۔ ان کے روبرو تھا۔ یہ سپائرل عجب ڈرامائی انداز میں انسانی روابط و ضوابط کی تاریخ دہرائے جا رہا تھا۔ غاروں کے عہد سے لے کر سیٹلائٹ ٹیکنالوجی تک وہاں انہوں نے دنیا کے سب سے بڑے سیارہ سنار فیلڈ کی سرزمین پر سواری کی۔ بعد میں کیمونٹی کیئر کا دیدار بھی کر ڈالا۔ جو کہ آنے والے کل کی خوبصورت مگر گنجلک ٹیکنالوجی کی سیرگاہ ہے۔

اگلا پڑاؤ بیک سٹیج میجک تھا۔ کمپیوٹرز کے شیدائی ادھر کو لپک جھپک ہسٹری آف کمپیوٹرز کے سفر میں شامل ہوئے جاتے تھے۔ کچھ دیر وہ ادھر ٹھہرے ڈزنی آڈیو اینی میٹرانکس کا نظارہ کرتے رہے۔ اس کے بعد الیکٹرانک فورم پر انتخاب کے لئے پہنچے۔ وہاں اس صدی کی شخصیت کے لئے اپنے پسندیدہ کمپیوٹر کے ذریعے خود ہی چناؤ کر کے ووٹ ڈالنا تھا۔ ساری انتخابی مہم بغیر کسی رگڑا جھگڑا بالکل دیانتدارانہ طرز پر لمحوں کے اندر سرانجام پائی۔ داؤد نے مائیکل جیکسن اور تارا نے میڈونا کے لئے ووٹ ڈالے۔ انتخاب کا نتیجہ کلین تھا۔ مگر دونوں میاں بیوی کے درمیان معرکہ شروع ہو چکا تھا۔

فیوچر ورلڈ کے بقیہ پروگرام ادھورے چھوڑ ثارا منہ پھلائے باہر کو لپکی۔ داؤد دندناتا اس کے پیچھے۔

"تم مائیکل جیکسن کو اس صدی کی شخصیت مانتے ہو۔ ہولی کاؤ!"

"سنو بے بے! اس نے بلیک اینڈ وائٹ گا کر تم امریکنوں کا منہ لال پیلا کر دیا ہے۔ مزید برآں اس وقت وہ امریکہ میں واحد شخصیت ہے۔ جو منوں و ٹنوں شہرت و دولت حاصل کرنے کے باوجود شرافت کا ایک شرمیلا لجیلا پیکر ہے"۔

"شرافت؟ وٹ شرافت؟ بھول رہے ہو۔ کچھ ہی عرصہ پیشتر اس کے خلاف سکینڈلز۔ وہ ایک بچے کا قصہ"۔

"شٹ اپ! وہ سب نسلی شرر انگریزی ہے۔ متعصابہ اور حاسدانہ رویے ہیں نا؟۔ رنگ دار سیلیریٹی (شخصیات) کے ساتھ اس قسم کے حادثات ہو رہے ہیں۔ اچھا تم ہی بتاؤ۔ یہ محشر برپا کرتی ننگ دھڑنگ میڈونا کو کس حساب کتاب سے تم نے اس صدی کی شخصیت کا ووٹ دے ڈالا۔ ہائیں! شرم نہ آئی۔ عورت ذات ہو کر تم اس ننگ نسوانیت"۔

"ڈیوڈ! منہ سنبھال کر بات کیا کرو۔ کیا خرابی ہے میڈونا میں ایک دم ڈیوائن ہے"۔

"ڈیوائن! وہ اور ڈیوائن؟ بتاؤ تو ذرا تم۔ راسپوٹین کا نام سنا ہے کبھی"

"کون راسپوٹین؟"

"مقتول راسپوٹین۔ جس نے زار اور زارینہ روس کے چودہ طبق روشن کر ڈالے تھے۔ اور ان کے زمانہ عروج میں نصف روس کو کرپٹ کر ڈالا"۔

"معلوم نہیں کس صدی کے باسی ہو تم ڈیوڈ۔ ذرا تشریح تو کرو اپنی اس بکواس کی کہنا کیا چاہتے ہو آخر"۔

"میری یہ تشریح نگل سکو تو سنو۔ کبھی بھی کسی مقام پر کوئی دریچہ چوپٹ ہو۔ اور میڈونا کے کان میں اس بات کی بھنک پڑ جائے۔ کہ اس کے اندر شہرت کا الاؤ جل

رہا ہے۔ وہ بلا سوچے سمجھے اس کے اندر کود پڑتی ہے"۔

"ہوش کے ناخن لو۔ وہ ایک عظیم انٹرٹیٹر ہے اور بس! تم لوگوں کو اس کے اندر برائی یہ نظر آتی ہے۔ کہ وہ حقیقت پسندی برمائل ہے۔ اس کے یہ خصائل اس کو اپنی پروڈیوس اور ڈائریکٹ کی گئی فلم ٹروتھ اینڈ ڈیئر سے واضح ہیں"۔

"جواب نہیں تمہارا اے زوجہ دلنواز! اس فلم کے ریلیز ہونے پر میڈونا جامہ میں نہ سماتی تھی۔ کبھی سمانے کی کوشش بھی نہیں کہ ٹی وی پر ٹروتھ اینڈ ڈیئر سے منسلک انتہائی قابل اعتراض پرفارمنس اور اس کے انٹرویوز سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ فلم بنا کر اس نے کوئی معرکہ تو نہیں مارا گو اس بات پر نازاں ہے۔ کہ یہ فلم اس کی زندگی کے مخفی رازوں سے پردہ اٹھاتی ہے۔ (شاید یہ بھی پبلسٹی کا ایک ڈھکوسلہ ہو)"

"واقعہ یہ ہے کہ آج وہ بیک وقت شہرت و بدنامی کی دھنک پر جھول رہی ہے۔ اس کی ہر حرکت پبلک کے روبرو کمپیوٹرائزڈ ہے پھر وہ کرے تو کیا کرے۔ جائے تو کہاں جا چھپے"۔

"چھپنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ اس کی زندگی میں کچھ صیغہ راز نہیں رہ گیا"۔

"ایسا بھی نہیں۔ ابھی بھی بہت کچھ اس کی ذاتیات میں شامل ہے۔ مثلاً" جب وہ کسی سے بزنس گفتگو کے موڈ میں ہو۔ تو کیمرہ مین سمیت اپنے باڈی گارڈ تک کو کمرے سے نکال باہر کرتی ہے"۔

مگر انتہائی قابل اعتراض شو کی ریہرسل کے اوقات جبکہ اس کے قریبی ناتے دار۔ عزیز و اقارب لجا کر رہ جاتے ہیں۔ اس پر کسی قسم کی جھجک یا لجاہٹ طاری نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی وہ تنہائی کی خواہش کرتی ہے۔ جیسے وہ برہنہ رقص نہیں کر رہی ہے۔ بلکہ "پاپ کون" کھا رہی ہو"۔

"خیر۔ ہر انسان کے اندر نیکی و بدی یکجا ہوتے ہیں۔ ایک شو کے درمیان وہ اپنے باپ کو سٹیج پر کھینچ لائی اور تماشائیوں کے روبرو بعد احترام اس کے آگے دو زانو

جھک کر ہندوانہ انداز میں باپو کے چرن چھوتے ہوئے اسے پرنام کرتی رہی"۔

"ڈھکوسلہ!" سراسر شو بزنس"۔

"آگے تو سنو! اسی شام اس شو کے بعد اس کے والد بزرگوار جب دوبارہ اس سے ملنے اس کے ڈریسنگ روم کے باہر تشریف لائے تو میڈونا اپنے بند ڈریسنگ روم کے اندر سے پکاری۔ "ٹھہرو پاپا! میں ذرا ڈھنگ کا لباس پہن لوں۔ تو آپ کے سامنے آؤں گی"۔

"کڑوا کسیلا لطیفہ یہ ہے کہ چند ہی لمحے پہلے وہ ہزارہا تماشائیوں کے سامنے محض ایک بکنی نما مختصر ترین کاسٹیوم کے اندر برہنہ انداز میں گانے اور رقص کا سٹیج شو کرتی رہی تھی"۔

"اس کے اندر کے انسان اور خدا پروری کی تعریف کبھی نہ کرو گے۔ اپنے اکلوتے چھوٹے بھائی کو وہ اچھا نہیں جانتی۔ اور ملنے جلنے والوں کے منہ سے اس کا نام سن کر شرمسار سی ہونے لگتی ہے۔ مگر اس بدبخت عادی شرابی نوجوان کو اس نے جیل کی ہوا کھانے سے صاف صاف بچا لیا۔ جانتے ہو کیسے مہنگے ترین پرائیویٹ شفاخانے میں طویل داخلہ کے جملہ اخراجات برداشت کر کے اور کبھی دیکھا ٹی وی پر تم نے اکثر شو سے پہلے وہ اپنے معاون گورے، کالے ڈانسروں کے ساتھ مل کر خدائے برتر کے حضور دعائے خیر کرتی دکھائی دیتی ہے"۔

"اس لئے کہ اس کا پختہ یقین ہے۔ کہ خدائی مدد مانگنے پر سٹیج شو کے دوران اس کے معاون ڈرپوک رقاص بے حیائی اور برہنگی کے مظاہرہ کے جرم کی پاداش میں قانونی گرفت میں نہ آئیں گے اور نہ ہی بے درد پولیس کے ہتھے چڑھ پائیں گے۔ کیونکہ غیبی مدد ان پر سایہ کئے رہے گی۔"

"میں تم سے اتفاق نہ کروں گی۔ میڈونا اپنے ہر انٹرویو میں بھلے مانس۔ سنجیدہ اور پر وقار نظر آتی ہے"۔

"اور یقین نہیں آتا۔ کہ یہ وہی میڈونا ہے جس کے سٹیج بزنس کا ہر انگ اب

لچرپن کے زمرے میں ہے۔ پچھلے سال اس نے جب اپنا نیا البم نکالا۔ تو ٹی وی پر اس کی نمائش ممنوع قرار دی گئی۔ مگر اس سال ایم ٹی وی نے اس کو بڑے دھڑلے کے ساتھ پیش کیا"۔

"دیکھا۔ دیکھا۔ پکڑے گئے نا۔ اس کے نت نئے گانے اور رقص پیش کرنا ایم ٹی وی کا شیوہ ہے۔ کیونکہ یہ پبلک کی زبردست اور پرزور ڈیمانڈ ہے۔ لہذا میڈونا آج شہرت کے بام عروج پر ہے"۔

"مگر اس آلودہ شہرت کی لالچ نے اس کو کہیں کا نہیں چھوڑا۔ تمام سنجیدہ تماشائی ایسی تفریح سے محظوظ نہیں بلکہ متنفر ہوا جاتا ہے۔ ٹی وی تبصروں کے دوران ناقدین میڈونا کے اس نئے چلن پر اکثر پھبتیاں کستے ہوئے اس پر الزام لگاتے ہیں کہ اس کے رقص کے یہ انداز۔ یہ حرکات و سکنات آج کل کے مرد ہارڈ راک سنگروں کا شیوہ ہیں۔ اس کے برعکس کچھ ہی عرصہ پہلے وہ ان کی بیہودہ سستی سٹیج شو حرکات کو حقارت کے ساتھ ہیجڑہ پن کے خطاب سے نوازا کرتی تھی"۔

"دیکھو وہ ایک نہایت ہردلعزیز آرٹسٹ ہے۔ اسے سٹیج پر وہی کرنا پڑتا ہے۔ جس کی اس سے توقع کی جاتی ہے"۔

"ایسا نہیں۔ بلکہ ہر شو میں رقص شروع کرتے ہی وہ اپنے آپ میں نہیں رہتی۔ بلکہ اپنے تماشائیوں کے کنٹرول میں جا پہنچتی ہے۔ چلاتا۔ تالیاں پیٹتا۔ داد دیتا ہجوم اسے ہپناٹائز کر دیتا ہے۔ اور پھر وہ ان ہی کے اشاروں پر ناچنے لگتی ہے"۔

"ٹھیک کہتے ہو۔ مگر ایک حقیقت بھول رہے ہو۔ وہ یہ کہ میڈونا اور اس کے ہزاروں فینز کے درمیان یہ کشش مقناطیسی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ بالکل ایسے جیسے سپیرے کی بین ناگن کو بے خود کر دیتی ہے"۔

"کسی نے اس ناگن کے بارے میں خوب کہا ہے کہ اپنی فلم "ٹروتھ اینڈ ڈیئر" میں ایسا لگتا ہے۔ کہ وہ ایک ننھی سی بچی ہے۔ جو ایک بہت بڑے طوفان میں گم کردہ ہے"۔

"اور یہ طوفان سب کے لئے محبت و آتشی کا پیغام لاتا ہے"۔

"غلط فہمی ہے تمہاری۔ جسے تم گریٹ مانتے ہو۔ وہ گریٹ نمبر تھری ہے۔

"کیا واہی تباہی بول رہے ہو؟"

"وہ اپنے ٹین ایجرز ہیں نا۔ ان کا خانہ خراب کس نے کیا۔ کس نے ان کے کچے پکے ذہنوں کو گرفت میں لے رکھا ہے فی زمانہ"۔

"یو آر کریزی بیب! اب یہ سمجھاؤ تمہارے نزدیک اگر وہ گریٹ نمبر تھری ہے۔ تو گریٹ نمبرون الا ٹو کون حضرات ہیں۔

"نمبرون ایلوس پریسلے مرحوم۔ جس نے امریکہ میں کڈی سیکس' کو پروان چڑھایا۔ اس کی تمام محبوبائیں نو عمر تھیں۔ سنا تم نے گیارہ بارہ اور تیرہ سال سے آگے وہ دست درازی کا شائق نہ تھا"۔

"بکو مت! کیا ثبوت ہے اس الزام تراشی کا تمہارے پاس"۔

"ثبوت۔ ثبوت کی ضرورت؟ کھلے بندوں۔ لائبریوں۔ وڈیو بک سٹورز۔ تمہارا میڈیا اس کے کارناموں کی فخریہ تشہیر سے چوکتا نہیں ہے کچھ عرصہ پہلے میں نے ٹی وی پر جیرالڈو شو دیکھا۔ ایک عورت اس شو میں پیش ہوئی اس کا ایلوس پریسلے کے علاوہ فرینک سناٹرا۔ گریگری پیک بلکہ کالا رک گیل کے ساتھ انٹ سنٹ رہا تھا۔

آنسوؤں اور عقیدت مندانہ ہچکیوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔ کہ وہ ان "متبرک" شخصیات کی داسی کہلائے جانے پر نازاں ہے۔ سوال کیا گیا۔

"ایلوس کے ساتھ سلسلہ کب شروع ہوا تھا؟" جواب ملا۔ "گیارہ سال کی عمر میں" اس کا یہ جواب نامعقول سن کر ہال میں بیٹھے۔ سامعین و ناظرین صدقے واری جانے لگے۔ اس جذباتی منظر کے دوران اس کے اٹھائیس سالہ بیٹے کو بھی سٹیج پر بلایا گیا۔ جو اس شو میں پہلے سے موجود تھا۔ جیرالڈو نے اس عورت کے بیٹے سے دریافت کیا۔ کہ وہ والدہ ماجدہ کے ان افیئرز پر روشنی ڈالے۔ اس پر فرزند ارجمند نے نہایت فرمانبرداری کے ساتھ جواب دیا۔ کہ اتنی بڑی شخصیات کی ساتھ ماضی کے ان

تعلقات کی مناسبت سے اسے اپنی اماں پر فخر ہے۔ یہیں پر بات ختم نہ ہوئی۔ کوئی نصف درجن ادھیڑ عمر عورتیں تالیوں اور بیک گراؤنڈ میوزک کے ہمراہ یکے بعد دیگرے وارد ہوئیں۔ ان میں سے ہر ایک کی راہ و رسم باقاعدہ ایلوس پر سیلے مرحوم کے ساتھ رہ چکی تھی۔ اس زمانہ میں جب بمشکل وہ گیارہ تا تیرہ برس عمر کی رہی ہوں گی"۔

جانے بھی دو اس گپ شپ کو۔ اچھا امریکہ کی کریہٹ نمبرون؟ کون ہے وہ ہستی؟"

"مارلن منرو۔ جس کا آج کا کارٹون یہی تمہاری چہیتی میڈونا ہے۔ سنا ہے کہ سن ۱۹۲۵ء کے لگ بھگ جب وہ شوٹنگ کے سلسلہ میں مین ہیٹن سٹی پر آ نازل ہوئی۔ اس کی نیم برہنہ شوٹنگ کا نظارہ کرنے کے لئے ہزاروں لوگوں کا ہجوم شدید سردی میں صبح تڑکے وہاں جمع ہو چکا تھا۔ مارلن منرو کو ایک ہائی رائیز بلڈنگ کی بالکنی پر کھڑے رہ کر شوٹنگ کرنا تھی۔ تاکہ ہوا کے شریر جھونکے اس کے مختصر فراک کو گھٹنوں تک اڑاتے رہیں۔

بعد ازاں اس سین کی ایک گرانڈیل پورٹریٹ کو براڈوے کے ایک اونچے اور نمایاں چبوترے پر آویزاں کر دیا گیا تھا۔

ایک روز اخباری نمائندی اس پورٹریٹ کے بارے میں راہ گیروں کے نظریات و خیالات دریافت کر رہے تھے۔ تقریباً" عوام کی اکثریت و پوٹریٹ کی اس چوراہا پر نمائش سے اختلاف تھا۔ ایک خاتون کہنے لگی۔ "قصہ دراصل یہ ہے کہ مارلن منرو کے حصہ میں قدرت نے ایسا کچھ انوکھا بھی عطا نہیں کر رکھا ہے۔ اس جیسی ٹانگیں ہم میں سے بیشتر جوان عورتیں رکھتی ہیں۔ اور یہ بیشتر اس عطیہ خداوندی کی نمائش کرنا عورت ذات کی توہین گردانتی ہیں۔ بس یہی فرق ہے۔ ایک عام عورت اور مارلن منرو کے درمیان"۔

"ڈیوڈ تم کیا ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟"

"یہ کہ مارلن منرو نے اس دور کی امریکی بھولی بھالی نسوانی اقدار سے بہرہ ور خواتین کو حرافہ پن۔ روحانی افلاس برہنگی و فحاشی کے حوصلے عطا کئے"۔

"ہائے ہائے"

"ایلوس پروردہ تھا۔ کڈی سیکس کا۔ اور میڈونا نے آج ٹین ایجرز کا خانہ خراب کر رکھا ہے۔ ایک جانب تو برملا وہ ایڈز کے خلاف جہاد میں شمولیت کے دعویٰ کرتی پھرتی ہے۔ اور دوسری جانب اپنے ان نادان پرستاروں کو ایڈز کے ہتھکنڈوں کی جانب مائل کرنے کی کوئی کسر نہیں چھوڑ رکھی اس نے اپنے واہیات گانوں۔ نیوڈ ڈانسز اور فحش گفتگو کے پس پردہ پیغامات کے وسیلوں سے"۔

"تم تو سٹھیا گئے معلوم ہوتے ہو۔ گوفر! یہ تینوں شخصیات تو سپر ٹیلنٹڈ رہی تھیں۔ اسی وجہ سے تو آج کو امریکی لیجنڈ کا رتبہ پا رکھا ہے انہوں نے"۔

"یہ سراسر زیادتی ہے ٹارا۔ اسے تم ٹیلنٹ نہیں کہہ سکتیں۔ ناچا۔ ٹاپا۔ مٹکنے۔ تھرکنے والے تو گلی گلی پائے جاتے ہیں ادھر خباثت باطنی کے اسباق۔ اگر تم مانتی ہو۔ کہ خدا داد صلاحیت ودیعت ہیں۔ اگر ایسا ہے تب یہ صلاحتیں تم سب میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ تم سب امریکی لیجنڈ کہلائے جانے کے مستحق ہو ان اوصاف کی بناء پر؟ تم کو کسی میڈونا کی تقلید کی ضرورت کیا ہے پھر؟"

"ڈیوڈ پلیز! ٹارا کا پیمانہ صبر چھلک اٹھا۔ انتہائی بخود ہو کر وہ ایک دم سنجیدہ دکھائی دینے لگی۔ یہاں میرے قریب بیٹھو۔ اور میری بات بہت دھیان سے سنو۔ تم نے خوب سوچ سمجھ کر بغیر کسی ترغیب یا دباؤ مجھ سے عینی واسپ امریکن خاتون سے شادی رچائی ہے۔ کل کو ہمارے بچے امریکی شہریت کے مالک ہوں گے۔ وہ پاکستانی نہیں بلکہ امریکن کہلائیں گے۔ ان کی اٹھان لا محالہ اسی امریکن گائیڈ لائن پر استوار کی جائے گی۔ تمہارا بیٹا یا بیٹی۔ سمجھے! پھر کیوں آئے دن یہ رنگ وقومیت لسانیت و کلچر کے لفڑوں میں الجھے رہتے ہو؟"

داؤد کو یک لخت ایسا لگا۔ جیسے ایپ کاٹ کا بھاری بھرکم گولا اسے رولر کوسٹر کی

مانند عمبریاں دے رہا ہو۔ جیسے ڈزنی ورلڈ کی اس کائنات بے کراں میں ہری کین کا تیز و تند طوفانی بھنور بگولا اسے اوپر کی جانب کھینچ رہا ہے۔

"کیا بات ہے ڈیری؟" ثارا نے شفقت سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ شاید جھولوں پر میں نے بہت زیادہ رائیڈز لی ہیں" اس نے سرتھامے جواب دیا اور قریبی بینچ پر دھم سے جا گرا۔

"بیٹی ۔ میری بیٹی؟ اس نے اپنے ذہن کے نہاں خانوں میں بہت گہرائی کے اندر دوچار مرتبہ یہ سر ملائے۔ "ہائے مُنی۔ منی بے بی۔ بیٹی۔ کس قدر مٹھاس ہے اس نام میں۔ پر"۔ وہ بینچ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اور بیوی کو غیر انسانی نظروں سے گھورنے لگا۔ "کیا میری بیٹی اس عورت کے بطن سے ہو گی"۔ اچانک ٹی وی کا ایک ہر دلعزیز مگر لچر شو اس کی ذہنی سطح پر دھمانے لگا۔ "میریڈ ود چلڈرن" وہ بینچ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ثارا سے قدم ملاتے ہوئے کافی فاصلہ پھلانگتا گیا۔ "میریڈ و۔ د۔ چلڈرن۔"یار! کیا عجیب مسخری ہو رہی ہے میرے ساتھ اس سے اس شو کے بیہودہ کریکٹرز اس سیر و تفریح کے لمحات میری ذہنی سطح پر بھنگڑا ڈال کر کس قدر بے مزہ کر رہے ہیں۔ کیوں بھلا ؟" اس نے بے ساختہ بیوی سے دریافت کیا۔

"وٹ؟" بیوی نے جواباً" مشکوک نظروں سے گھورا" کیا اول فول بک رہے ہو۔ یہاں کی تپش کی وجہ سے، کہیں تم کو سرسام تو نہیں ہو رہا ہے؟"

یہاں وہاں پرفارم کرتے ڈزنی کریکٹرز داؤد کو عجب مراسی بھانڈ نما کلاؤنز دکھائی دینے لگے۔ وہ بیوی کے بالمقابل آ گیا۔

"ثارا! مزید گھومنے کی سکت نہیں ہے مجھ میں۔ آج کا بقیہ پروگرام کینسل۔ چل کر آرام کریں گے"۔

"آل رائٹ! تمہاری اچانک بگڑتی شبیہہ کے پیش نظر مجھے بھی یہی کہنا تھا۔ اور پھر بدلی گھر آ رہی ہے۔ بارش کی فور کاسٹ ہے۔ جلد یا بدیر آندھی چلے گی۔ اے لو! پھوار تو پڑنے لگی۔ میرا خیال ہے کہ ہم ادھر ہی ڈزنی ورلڈ ریزارٹ کے کسی موٹل پر

بکنگ کروا لیں گے۔ بقیہ دنوں کے آنے جانے میں وقت ضائع نہ ہو گا۔ اور غیر ضروری مسافت سے بھی چھٹکارا"۔

"معلوم نہیں۔ اتنی خوبصورت جگہ پر میں اس قدر تھک کیوں گیا ہوں؟"

"تم تھکے تو نہیں۔ تم بالکل نہیں تھکے"۔

"پھر؟ یہ کیا ہے؟ مجھ سے تو قدم اٹھائے نہیں جاتے"۔

"تمہارا بھیجہ ہے"۔

"وٹ اباؤٹ اٹ؟

"اس کے اندر کیڑا ہے۔ تمہارے بھیجہ میں ایک پلا پلایا کیڑا"۔

"کیڑا؟ کیا کہا تم نے۔"ہاوڈ۔ ڈیئر۔یو؟" وہ لاڈ سے اس کے جھانپڑ لگانے کو لپکا۔ ٹارا جوابا" ہنسی سے دوہری ہوتی سیٹرس پر کلیلیں بھرنے لگی۔ اردگرد بزرگ خواتین و حضرات ان پر شفقت آمیز مسکراہٹ نچھاور کرنے لگے۔ جیسے وہ ہزار جان فریفتہ جوڑا ہو۔ جیسے رومیو اینڈ جولیٹ۔

○☆○
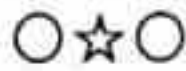
وہ سیون سینس سینسیشل ریزارٹ پر پہنچے۔ تو ڈزنی ولیج ریزارٹ میں ایک چھوٹا سا ہٹ ان کو کرائے پر مل گیا۔ جس کے اندر ننھے سے گھر جیسی تمام سہولیات موجود تھیں۔

اگلی صبح تیاری اور ناشتہ سے گیارہ بجے کے لگ بھگ ان کو فرصت ملی شروعات یونیورس آف انرجی سے ہوئیں۔ سن شائن پر رائیڈ لیتے ہوئے انہوں نے ابلتے کڑھتے لاوے کے اندر ڈائنو سارس کو آخری غسل لیتے پایا۔ آتش فشاں پہاڑ ان کے اردگرد پرشور دھماکوں کے ساتھ پل پل پھٹ رہے تھے۔ یہ سفر عافیت کے ساتھ تمام ہوا۔ اور وہ لرزتے کانپتے اس رائیڈ سے باہر کودے۔ آگے ونڈر آف لائف کا در کھلا تھا۔ کیو' میں کھڑے کچھ دیر اپنی باری کا انتظار کیا۔ وہاں پر باڈی وارز کارن پڑ رہا تھا۔ سائنسی کہانیوں۔ سائنسی حقیقتوں کو سٹیٹ آف آرٹ میں مدغم کر کے عجوبہ خلقت

شبہات کو جنم دیا گیا تھا۔ لیجئے اب سیاحوں کو انسانی اجسام کے پرتوں کے اندر داخل کیا جا رہا تھا۔ دونوں نے اسی میں خیر مانگی۔ کہ جلدی سے وہاں پر ا ستادہ کرینیم کمانڈ (کھوپڑی کمانڈ) کے اندر گھس پڑیں۔ لہٰذا بارہ سالہ بچے کی کھوپڑی میں داخل کیا ہوئے کہ عجوبہ روزگار حقائق سے روشناس ہونے لگے۔ یہ جان کر ان کو اچنبھا ہوا کہ آج کے دور میں محض بارہ سالہ بچے نے اپنی کھوپڑی کے اندر ایک الگ اپنا جہاں بسا رکھا ہے۔ کیسے کیسے درد ناک خواب اور ہولناک سکیمیں۔ پناہ رب ذوالجلال!

بعد میں انسانی صحت و ثبات سے متعلق دلچسپ کارٹون اپنی مشین دیکھے۔ اس تھیٹر کے باہر لابی میں مشینوں کے شوروغل پر بے شمار بچے اور بڑے وڈیو گیمز اور کمپیوٹر گیمز کے ساتھ مگن تھے۔

اس کے بعد وہ چاند کی سیر کو روانہ ہوئے۔ چاند پر اترنے کے لئے ان کو ہوزائزن اٹریکشن ' کی روٹ لینا تھی۔ اندر داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ چاند پر مائکرو اور میکرو فوٹو گرافی ہو رہی ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی سکرین پر اس تکنیک کے ذریعے ذرے کا پہاڑ بنایا جا رہا تھا۔ وہیں پر چاند کا روبوٹ سٹاف چاند کی ایسٹرائیڈ کانوں کے اندر گھسا کان کنی میں مصروف تھا۔ یہ روبوٹ اپنے فرائض کی انجام دہی کو زیرو کشش ثقل کے مدمقابل عمل میں لا رہے ہیں۔ یہ چاند کی خلیجی ورکنگ اون کالونی تھی۔

زمین پر پاؤں دھرتے ہی ٹارا اپنی اوقات میں آگئی۔ یعنی بھوک و پیاس سے نڈھال۔ چنانچہ سیام لوٹس' ریسٹورنٹ میں گریک کالاماری سٹیک آڈر کیا گیا۔ ریسٹورنٹ سے باہر نکلے۔ تو سہ پہر ڈھل رہی تھی۔ کچھ دیر ستانے کو بنچوں پر ٹک گئے۔ وہیں پر بیٹھے بیٹھے ان کو اٹریکشن ورلڈ شوکیس نے کھینچا۔

ورلڈ شوکیس اٹریکشن دنیا کے گیارہ بڑے ممالک کی صنعت و حرفت۔ موسیقی۔ میلے ٹھیلے۔ ٹریڈیشنل آرٹ اینڈ کلچر۔ کوزین تفریحات و تقریبات کا پیامی ہے۔ میکسیکو۔ ناروے۔ جرمنی' فرانس' اٹلی' سپین' یو کے' کینیڈا' امریکہ' چائنا' جاپان اور مراکو وغیرہ۔

شام کا دھندلکا پڑتے ہی وہ ورلڈ شوکیس کی جانب روانہ ہو گئے رات کے وقت ورلڈ شوکیس ایک جادو کے محل میں تبدیل ہو جاتا ہے اس کی دمکتی لرزتی لوئیں اور موسیقی کا بہتا دریا اس کو خواب آگئیں غلاف کی مانند ڈھانپ لیتے ہیں۔ زمین و زماں بقیہ نور بن جاتے ہیں اس فسوں کاری میں اضافہ کے لئے دور اوپر فضاؤں کے اندر باریک ہواؤں کے دوش پر ورلڈ شوکیس لیگون کی تعمیرات کو نوربیز روشنیوں کی قلمکر' زیوں کے روپ میں ڈھالا جاتا ہے اس جھلملاتے آرٹ ورک کے بیک گراؤنڈ میں ہمفتی کی پھواریں سی گویا آسمان سے پھوٹتی تماشائیوں پر موسلادھار برس پڑتی ہیں۔ جو بے ساختہ گدگدائے جاتے ہیں یہ خیرہ کن نظارے ورلڈ شوکیس کے دور نزدیک۔ آس پاس کہیں سے بھی سنے دیکھے اور محسوس کئے جا سکتے ہیں۔

اس شام ورلڈ شوکیس کے امریکہ گارڈن تھیٹر' کی سٹیج پر لوگ باگ مشہور سپرسٹار ڈینی ڈومیٹو کی پرفارمنس سے ہنستے ہنستے دوہرے ہوئے جاتے تھے۔ اس سٹیج پر ہر شام کوئی نہ کوئی عالمی شہرت یافتہ ڈانسر اور ہالی وڈ کے چیدہ چیدہ اداکار کچھ لمحوں کے لئے بہ نفس نفیس اپنے ہزاروں پرستاروں کے روبرو زندہ پرفارمنس دیتے اور ان کے محظوظ ہونے کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں چند حضرات سٹیج پر نمودار ہوئے۔ انہوں نے سانپ ۔ چھپکلی اور کوؤں کی کھالیں اوڑھ رکھی تھیں۔ ایک نے جیرالڈ ٹی شہرت کو چیر پھاڑ کی چیتھڑوں کا شکل پہن رکھا تھا۔ ایک ٹھگنے سے سرمنڈھے گورے نے زمانہ فرعون کے نقلی بھاری زیورات اور لوہے کی زنجیریں لاد رکھی تھیں۔ وہ سب اپنی بلانڈ الابراؤن زلف گرہ گیر لہراتے۔ حال ڈالتے سٹیج پر اچھل کود مچاتے کانوں کے پردوں پھاڑنے والا دھوم دھڑکا کرتے ہلکان ہوتے رہے۔ ان کے سٹیج سجانے کی دیر تھی۔ کہ لمحوں کے اندر چیختے چلاتے اچھلتے کودتے مٹکتے فینز(پرستاروں) کا اژدھام سٹیج کے گردجمع ہونے لگا۔

" یہ مشہور ہیوی میڈلسٹ کا ایک پاپولر گروپ تھا۔ ان کے نیم برہنہ ٹین شدہ اجسام پر ٹیٹوز کی پھلکاریوں کی بہتات دیکھ دیکھ داؤد کو چکر آنے لگے۔

پچھلے چند برسوں سے امریکہ میں ٹیٹو بزنس ان ہی کی وجہ سے بومنگ ہے۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا۔ کہ اسی میٹل سٹارم نے ٹیٹوز کی وبا یہاں پر اس قدر عام کر دی ہے کہ ان کے لاکھوں فینز اپنے بازو۔ سینہ 'کندھے' کلائی ان نقش و نگار بیل بوٹوں اور رنگا رنگ تصاویر کے ساتھ دائمی نیلے پیلے کئے فرحاں و شاداں پھرا کرتے ہیں۔ اس دیس میں اب ٹیٹوز بزنس کے بلا شرکت ایرے غیرے مالک ہیوی میڈلسٹ اور ہارڈ راکرز ہیں۔

ہیوی میڈلسٹ کے کئی ایک گروپ ہیں۔ ہر گروپ کا اپنا نام میوزک کی اپنی ایک شناخت اور اسی مناسبت سے اپنے اپنے فینز یہ فینیز ہر لحظہ اپنے گروپنڈٹ کے گائے ہوئے گانوں اور رقص کے سرور کے زیر اثر مست و الست پھرتے ہیں ۔ زیادہ سے زیادہ فینز بنانے کی دوڑ میں ان گروپوں کی آپس میں بھی غضب کی دشمنی چلی آ رہی ہے۔ بعض اوقات نوبت قتل و غارت تک جا پہنچتی ہے۔ ان فینز کے دھڑلے میں اکثریت محنت مزدوری کرنے والوں یا مادر پدر آزاد ٹین ایجرز کی ہے ان کے کنونشن اور کنسرٹ کے لئے یعنی جم غفیر بنانے کے واسطے یہی کلاس کام آتی ہے۔ جہاں پر یہ لوگ کھلے آسمان کے نیچے یا ساحل سمندر پر رات رات بھر کھڑے رہ کر جم غفیر کا ساتھ دیتے ہوئے ان کی شوریدہ موسیقی پر ناچتے تھرکتے چیختے چلاتے ہیں اس طوفان ناتمام کے دوران کئی کمزور دل حضرات بیہوش ہو کر گرنے لگتے ہیں۔

ہر گروپ کے اپنے خاص کلب ہیں۔ جن کی شان بڑھانے کی خاطر وہ اپنی کمائی پانی کی طرح بہانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں کی یہ سوچ بھی ہے کہ ہیوی میڈلسٹ اور ہارڈ راکرز امریکی معاشرہ کی پیٹھ پر زہر میں بجھے پتر ہیں۔ جنہوں نے دہشت گردی۔ ڈرگز۔ ہم جنسیت۔ معاشرہ سے بغاوت اور خود کشی کے رجحانات کو موسیقیت کے پیغامات کا روپ دے رکھا ہے۔

خیر بات کہاں جا نکلی۔ تھوڑی ہی دیر میں جینٹ جیکسن کی محفل موسیقی کی نشست جمنے کا غلغلہ تھا۔ ایسی ہر دلعزیز سنگر کا یہ دو چار گانوں کا کنسرٹ بالکل فری

دیکھنے کا یہ موقع غنیمت تھا۔ مگر یہ دونوں ہیوی میڈلسٹ کو سننے کی تھکاوٹ سے نڈھال ہوئے جا رہے تھے۔ لہٰذا واپسی کی راہ لی۔ اور اپنی ریزارٹ سرائیں کے اندر گھوڑے بیچ پڑے سویا کئے۔ اس رات خواب میں وہ جینٹ جیکسن کی بہن لٹویا کو جیکسن خاندان کی لٹیا ڈبوتے دیکھتا رہا (لٹویا کے بدنام زمانہ ٹی وی انٹرویوز کے سبب)

اگلی صبح وہ خوب تازہ دم تھے۔ لہٰذا ایپ کاٹ سنٹر گویا اڑتے ہوئے جا پہنچے۔ آج کے روز اس پارک کے اندر وہ عجوبہ روزگار کشش جات کے سنٹروں کے راہی تھے۔ آنے والے کل کی تجریدی ٹرانسپو ٹیشن پر انہوں نے باقاعدہ سفر کیا (سٹیٹ آف آرٹ کے ذریعہ) اس شعبہ کا نام ۔ ورلڈ آف موشن ہے۔

"جرنی ان ٹو امیجنیشن' تصورات و تخیلات کی دنیا اس دنیا میں بس خیالی پلاؤ پکنا ہے۔ برتن بھانڈے۔ دستر خوان چولھا' ہانڈی' توا۔ پرات سب تخیل کی کارستانی۔ مگر کھانے میں حقیقت کا سا لطف یہ خیالی پلاؤ طعام کرنے کے بعد وہ مووی تھیٹر کے اندر جا گھسے۔ تھیٹر پیک تھا۔ آرام دہ سیٹوں کے اندر دھنسنے کی دیر تھی۔ کہ مائیکل جیکسن ان کے روبرو۔ داؤد کبھی اپنے تئیں آپ اور کبھی ثارا کے چٹکیاں بھرتا یہ جاننے کے لئے کہ وہ عالم بیداری میں ہے یا خواب میں۔ ثارا بمشکل ہنسی دبائے ہیے تھی۔ مائیکل جیکسن کا دیدار اور پھر ساؤنڈ کے سپیشل تاثرات کی سنگت یہ سب اس کے لئے بالکل ایک دم ناقابل برداشت تھا۔ اگر وہ امریکی ہوتا تو اس آنند گھڑی کو بھرپور سمیٹ لینے کا اظہار حیرت و مسرت بھری چیخ دھاڑ سے کرتا۔ مگر اس جیسے نپے تلے بندے کو شاید ایسے لمحات سے نمٹنے کا ڈھنگ کسی نے سکھایا نہ تھا۔ کہ اس کی دنیا میں ایسے لمحات آتے کہاں ہیں۔چنانچہ حسب عادت وہ منہ کھولے بھونچکا سا بیٹھا رہ گیا۔ یہ مائیکل جیکسن کی ہائی ٹیکنیکل تھری ڈی مووی تھی۔ جس میں پرفارم کرتے ہوئے وہ برابر لائیو دکھائی دے رہاتھا۔ جیسے ناظرین کے درمیان بنفس نفیس موجود ہو۔

اس رات وہ ایک پارٹی میں مدعو تھے۔ یہ پارٹی ان کے ڈزنی ولیج رہائش گاہ کے قریب ڈزنی ولیج مارکیٹ پلیس کی پلیشیر پلیس پر رات بھر منائی جانی تھی۔

روشنیوں کے سیلاب میں انواع و اقسام سٹریٹ کھانے مچلتی موسیقی کے ساتھ ماہر رقاص کی ہیل 'ٹک ان ' ڈانسگ۔ داؤد تماشائی مگر ثارا رقص کے سرکل میں شامل ہو چکی تھی۔

اگلے دن ثارا نے پہلے ہی سے ڈزنی کروز کے لئے دو بندوں کی بکنگ کروا لی بمعہ خورد و نوش۔

کروز' آبی راہوں پر رواں دواں ان کو ٹراپیکل سیلابی جنگلات کے اندر لے گئی۔ ان گنت سیاحوں کی مانند وہ بھی ڈیک کے جنگلے کے سہارے دم بخود کھڑے تھے۔ گھور گھنے افریقی جنگلات' ایشیائی' صحرائی و میدانی اور پہاڑی سلسلے حد نگاہ تک پھیلے تھے۔ ٹراپیکل سبزی'ترکاری' پھل فروٹ' کھیت کھلیانوں کے روح پرور نظارے' آخر میں مستقبل کی زراعت کی ورکشاپ ہو رہی رہی تھی۔ وہ کروز کے ڈائننگ ہال میں کھانا تناول کرنے سدھارے۔

واپسی پر انہوں نے دا۔ لینڈ اٹریکشن کے اندر انسانی زمنی مانین رشتوں کی برکات اپنی آنکھوں سے نازل ہوتی دیکھیں۔

ثارا ایک مرتبہ پھر اس کو پانی کی بستیوں پر لے آئی۔ لونگ سی اٹریکشن' یعنی جیتے جاگتے سمندروں کی کشش۔ انسانی ہاتھوں سے تعمیر کیا گیا دنیا کا سب سے بڑا سمندر جو کئی ملین گیلن پانیوں کو سمیٹے زندہ رواں دواں ہے۔ اس سمندر کے نیلگوں پانیوں کی شفاف تہوں میں بے شمار رنگا رنگ ہر سائز اور ہر نسل کی مچھلیوں ۔ ممیلز۔ ڈولفن۔ جاز۔ وہیل مچھلی وغیرہ کے ڈیرے تھے۔

ہائیڈرو لیٹرز میں سواری کی دیر تھی کہ وہ ان کو تہ آب لے گئے۔ گویا اس سے وہ میرین ڈائیونگ پر ہوں۔

اسی شب دیر تک وہ ڈزنی ولڈ فلوٹ پریڈ کا نظارہ کرتے رہے۔ موسیقی کی بیک گراؤنڈ میں والٹ ڈزنی کریکٹرز اور حسن و شباب کو روشنیوں کے آرٹ میں ڈھال کر ایک گرینڈ شو کی شکل میں فلوٹس یکے بعد دیگرے نمودار ہوتے گزرتے چلے جا رہے

تھے۔ داؤد منہ کھولے آنکھیں پھاڑے دم بخود۔۔ ثارا مارے ہنسی پسلیوں کو دبائے ہوئے۔

ان کی سیاحت کے مزید چند روز بقیہ تھے۔ پارک پاسپورٹ کی معیاد بڑھوالی گئی۔ کیونکہ ابھی مزید دو پارک یعنی ایم جی ایم سٹوڈیو اور میجک کنگڈم کی سیر التوا میں پڑی تھی۔ لہٰذا ایپ کاٹ سنٹر کے بقیہ پروگرام بادل نخواستہ ملتوی کرنا پڑے۔

یونیورسل سٹوڈیو کیا پہنچے۔ مانو! ہالی وڈ جا پہنچے ہوں۔ اپنے فیورٹ موی سٹارز سے بالمشافہ ملئے۔ خود اداکار بن جایئے۔ شوٹنگ دیکھئے۔ ڈزنی اینمی میٹرز کا معائنہ کیجئے۔ شروعات "نکو لوڈ-لئن" ٹی۔ وی سٹیشن سے ہو-لئی۔ ثارا اس سٹیشن کے پروگراموں سے بے زار تھی۔

کہنے لگی "ڈیوڈ! تم تو خوامخواہ تین امریکی "ا ٹیلیکچوئلز" کو فحاشی۔ اخلاقی انحطاط پذیری اور جانے کیا فلاں ڈھمکاں کا ملزم ٹھرا رہے تھے۔ ذرا ادھر ملاخطہ تو کرو۔ یہ نکو لوڈ-لئن ٹی-وی چینل، امریکی بچوں کے لئے ہر دلعزیز ترین ٹی-وی تفریح گاہ ہے۔ اس ٹی وی کا ہاتھ اس قدر لمبا ہے۔کہ چوبیس ملین کے حساب سے امریکی بچوں کی جانب سے ہفتہ وار فون کال ان کو وصول ہو رہی ہیں۔ جو نکو لوڈین پرگراموں میں شرکت کے خواہشمند ہوتے ہیں۔

بچوں کے درمیان یاوا گوئی۔ تشدد۔ ڈھکی چھپی فحاشی، والدین سے نفرت اور بغاوت، برہنگی، تعلیم و تربیت چرچ اور اساتذہ کے خلاف تمسخر اور بیزاری کا اظہار اور اسی نوع کے نت نئے نئے اسباق کو کارٹون اور شو کی شکل میں ان تھک پروڈیوس اور پیش کرتے رہنا ان ہی کا فن ہے۔ اس حقیقت کے ساتھ بیشتر کو انکار نہیں کہ نئی نسل کی دھیرج پوائزننگ یہ مجرم ہیں۔ گھول گھول ان کے ننھے منے بھیجوں کے اندر انڈیل رہے ہیں۔

"اللہ ہی حافظ ہے۔ ہماری تمہاری نئی نسل کا۔" داؤد نے آہ سرد بھری۔

نکو لوڈئین سے نکل کر وہ یونیورسل سٹوڈیو کے دوسرے وسیع ترین شعبوں کی

جانب چل دیئے۔ عجوبہ روزگار مووی سیٹ۔ جا بجا شوٹنگ کے نظارے۔ ڈزنی اپنی
میٹرز فلموں کی اصلیت یعنی رونگٹے کھڑے کر دینے والی فلموں کی اصل ٹیکنیک دیکھی۔
گوسٹ بسٹر' جاز' ارتھ کوئیک' فینٹم آف دی آپرا' بیک ٹو دا فیوچر' ڈک ٹریسی'
مپٹس' انڈیانا جونز' ایلین' ای ٹی' سنو وائٹ' بیوٹی اینڈ دا بیسٹ' الہ دین' سیون
ڈوارف' پیٹرپین' لیجنڈ' لٹل مرمیڈ' رولر کوسٹر ریبٹ' تھری سٹوجیز' لوسی شو' گولڈن
گرل' چیئرز' جنرل ہاسپٹل' بونزا' سپرمین وغیرہ وغیرہ

سٹنٹ مووینز کے سپیشل تاثرات۔ ساؤنڈ اور زلزلے' سیلاب' آسمانی تیز' قبل از
تاریخ چرندے۔ ڈراؤنے سین' گاڑیوں کے ایکسیڈنٹ' خطرناک قاتل اور لرزا دینے
والے قتل' ہر' ہر ایک ٹیکنیک سے نقاب اٹھتا گیا۔ داؤد بوکھلا گیا۔

سٹوڈیو کے اندر باہر عالمی شہرت یافتہ اداکار یوں گھوم پھر رہے تھے۔ گویا مچھلی
منڈی کی ہوا خوری کو نکلے ہوں۔ ثارا نے بھاگ دوڑ کر کے دو ایک کے ساتھ تھوڑی
بہت گپ شپ ہانکی۔ اور اپنے شوہر کے ساتھ ان کے مصافحہ اور تصویر کا شرف بھی
بطور تبرک حاصل کر لیا۔

وہ جونی کارسن کی شام تھی۔ ثارا نے ادھر بھی اچھی خاصی تگ و دو کر کے
اپنے لئے دو کا پاس حاصل کر لیا۔ اس کے قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ گویا آسمان کے
تارے توڑ لائی ہو۔ کھڑے کھڑے ایک سو و منٹر سٹور سے اپنے لئے مہنگا سا ڈریس
خریدا۔

بنی سنوری ملکہ مخمور سی اپنے نام کی پکار پر کچھ کچھ نروس مگر زیادہ مست
والست خراماں خراماں وہ سٹیج کی جانب بڑھی۔ وہاں جونی کارسن کے ساتھ سٹیج پر اس
کی بے دھڑک گفت و شنید۔ ٹھٹھے بازی۔ ناز و انداز۔ غمزوں بھری اداکاری ہر حرکت
کی شوٹنگ جاری تھی۔

داؤد ہال میں گم سم اپنی سیٹ میں دھنسا بیٹھا سوچ رہا تھا۔ کہ اس کی بیوی تو
اچھی خاصی اداکاری کر لیتی ہے۔

تب ہی اس کو اپنی اس نا معقول سوچ پر ہنسی آ گئی۔ "یہ کون سی بڑی بات ہے"۔ اس نے سر جھٹکا۔ "یہ کون سا خصوصی فن ہے ان خواتین کے لئے"۔ ہر مغربی عورت ہر ساعت۔ ہر گھڑی اداکاری کے لبادہ میں خوش و خرم دکھائی دیتی ہے۔ جیسے مسلسل اس کی شوٹنگ جاری ہو۔ موی کیمرے جیسے اس کے خفیہ تعاقب میں ہوں۔ اس کے آرائش گیسو' زیبائش زیبا' نشست و برخاست کے انداز میں کسی طرح کی معمولی خامی کو کہیں کیمرہ کیچ نہ کرلے۔ رٹے رٹائے مکالے۔ مصنوعی شیرینی لب و لہجہ' فیک حراکات' تصنع مسکراہٹ' مہمان نوازی کا پھیکا دکھلاوا۔ دوغلہ پن۔ مصنوعی اظہار خلوص۔ چال ڈھال۔ سب تصنع و ملمع سازی۔ جیسے وہ اشرف المخلوقات نہیں بلکہ "کلون" ہیں۔ اپنے اپنے ایج گروپ سرکل کے اندر محتاط بندھے ٹکے فارمولا والے امریکن لسانی ایکسپریشن اور رکھ رکھاؤ کے قواعد و ضوابط کے اندر مقید و محبوس "کلون۔"

"میری بیوی بھی ایک کلون ہے۔ یقین مانو وہ تم سب کی مانند ایک دم سو فیصد کلون ہی تو ہے"۔ وہ ہال کے سناٹے میں بالکل غیر ارادی طور پر اپنی فل آواز میں دہاڑا۔ "وہ۔ وہ جو کہ سٹیج پر اس سمے محو ناز و انداز ہے۔ ایک کلون ہے۔ وہ۔ وہ میری بیوی ہے"۔

اگلی پچھلی نشستوں سے تماشائی پلٹ پلٹ اس کو حیرت سے گھورنے لگے۔ جیسے وہ کوئی مجنوں ہو۔

○☆○
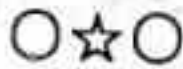
یہ پوش و یکیشن (تعطیلات) گزارنے کے بعد وہ خوش و خرم جب اپنے نئے گھر واقع درہم سٹریٹ ہائی لینڈ بلے وارڈ۔ سٹیشن آئی لینڈ پر اترے۔ تو زندگی کی کایا پلٹ چکی تھی۔

ماما کا کچھ پتہ نہ چل رہا تھا۔ پورے دو روز نہ تو فون پر اور نہ ہی اس کے اپارٹمنٹ اس کو ٹریس کیا جا سکا۔ پولیس کے ذریعہ اس کی ڈھنڈیا مچی۔ تو یہ جان کر وہ

خوفزدہ ہو گئے۔ کہ قریبا" چار روز قبل رات گئے اس کی ٹیکسی کے اندر سوار کسی چور اچکے نے حملہ کر کے تمام نقدی بمعہ اس کی سیلو کیب چھین لی۔ کسی را گیر کی دہائی پر پولیس جائے واردات پر پہنچی۔ تو زخموں سے چور نیم بیہوش ماما کو ایمبولینس میں ڈالا۔ اور بر وقت ہسپتال پہنچایا گیا۔ اس واقعہ کے دو روز بعد اس کی سیلو کیب زخموں سے چور بے یار و مددگار برانکس کے ہائی وے پر سے کاپس نے اپ سائیڈ ڈاؤن کھڑی برآمد کر لی۔ ماما تو بستر پر فراش تھا ہی۔ ادھر نائن ہنڈرڈ نمبر کا بھی عجب لفڑا ہو گیا۔ ان کی سروس بیورو کی جانب سے غبن و خیانت' نا اہلی۔ لا پرواہی اور شدید نوعیت کی قانونی بے قاعدگیوں کا ڈھکا چھپا ارتکاب۔

"چارج بیک' یعنی گاہکوں نے ادائیگیاں نہ کی تھیں۔ ان کا متن یہ تھا۔ کہ یہ کالیں ان کے لئے (گاہکوں کے لئے) نری جھک جھک تھیں۔ ان کو مس گائیڈ کیا گیا۔ جو انفارمیشن ان کو بہم پہنچائی گئیں۔ ان کے پروڈکٹس مارکیٹ میں سرے سے دستیاب نہ تھے۔ یا ان کی بڑھکوں کے مطابق معیاری نہ تھے۔ ان کی رقوم کا کباڑہ ہو گیا۔ لہٰذا ان بد دیانت کالوں کے جرمانے وہ کیوں بھرتے پھریں۔

اس نوع کے چارج بیک' کے لئے فون کمپنی بھی ذمہ داری اٹھانے کو تیار نہیں ہوا کرتی۔ ادھر سروس بیورو بھی صاف صاف پہلو تہی کر رہا تھا۔ لہٰذا یہ تمام خسارہ داؤد کی جیب میں آن گرا۔

نمبر دو ہر دم مصروف سگنل کی بناء پر الگ الگ لائنوں سے کسٹمرز کو روٹ کرنے میں سروس بیورو بری طرح نا اہل ثابت ہوتا رہا۔ لہٰذا ان گنت کالیں ضائع ہوئیں۔ بزنس کی گڈول الگ برباد ہوئی۔ سروس بیورو اپنی جگہ ٹھنا ہوا تھا کہ تاحال ایک دھیلہ ان کی جیب کے اندر گرا نہ تھا۔ وجہ یہ تھی کہ پہلے دس ہفتوں میں اصول کے مطابق فون کمپنی کوئی ادائیگی کرتی نہیں ہے۔ لہٰذا ان ۷۰ دنوں کے دوران منافع زیرو اور خسارہ تمام تر سروس بیورو کے سر۔ جو مجموعی طور پر داؤد کی جھولی میں آن گرا۔ (خسارہ) البتہ منافع فون کمپنی کا حق تھا۔

یہ سب اپنی جگہ دلخراش تھا۔ مگر جس خبر وحشت نے ان کے چھکے چھڑا دیئے۔ وہ یہ کہ فیڈرل ریگولیٹری ایجنسیاں ہاتھ دھو ان کے پیچھے پڑ چکی تھیں۔ وجہ کچھ ایسی تھی۔ جس کی دونوں کے فرشتوں تک کو خبر نہ ہوئی۔ کہ کرتا دھرتا اس کا سروس بیورو تھا۔ جنھوں نے یہ گل کھلایا ان دونوں کی غیر موجودگی میں" سیکسی ٹاک لائینز" کی خفیہ سروس غریب داؤد کے نائن ہنڈرڈ نمبر پر بڑے طمطراق کے ساتھ بیورو نے جاری کر رکھی تھی۔ (خسارہ کے ساتھ) اس کو وہ نیشنل ٹی وی کے لیٹ نائٹ شو پر ایڈورڈ ٹائیز کرتے رہے۔ فیڈرل ریگولیٹری ایجنسیوں کو اس کی اطلاع ان والدین نے شکایتا" دی جن کے اٹھارہ برس سے کم عمر بچے یہ مہنگی کالیں کر رہے تھے۔ راتوں کے لیٹ گھنٹوں کے دوران ۔ جبکہ ان کے والدین خواب خرگوش یا نیویارک سٹی کی نائٹ لائف کے پھبن میں گم گشت رہے ہوں گے۔ ایسے میں یہ کم عمر لڑکے اور لڑکیاں اپنے اپنے گھر کی آرام دہ خواب گاہ میں بند اپنے گدیلے بستروں میں دھنسے داؤد کے نائن ہنڈرڈ نمبر کی سیکسی ٹاک سے محظوظ ہوا کرتے۔ بیچارہ داؤد تو بے خبری ہی میں لٹ گیا۔ توبہ ہی بھلی' ! ایسی افراتفری مچی۔ گویا داؤد رولر کوسٹر' کی رائیڈ (سواری) لے رہا ہو۔ زمین و زماں بھنبھریاں کھانے لگے۔ کہاں سوچا ہو گا کبھی اس نہج پر اس مرنجان مرنج نے۔ ہر لحظہ کی سوچ و بچار سے جب وہ ادھ موا ہونے لگتا۔ تو نڈھال سا گھر کے کونے کھدروں میں چھپ بیٹھ رہتا۔

ادھر ثارا ہر دم اس پر فضیحتہ مچائے رہتی۔ بیچاری کو یہاں وہاں تنہا دوڑ دھوپ کرنا پڑ رہی تھی۔ اٹارنی۔ کورٹ کے چکر۔ مگر کچھ بن نہ پا رہا تھا۔ اپنے نائن ہنڈرڈ نمبر کی بے قاعدگیوں اور غیر قانونی ناجائز استعمال کا نزلہ داؤد پر ہی گرا۔ کہ یہ نمبر اسی کے نام سے حاصل کیا گیا تھا۔ چنانچہ سروس بیورو نے صاف صاف پہلوتہی کر لی۔ انجام کار یہ نمبر بلیک لسٹ کر کے منقطع کر دیا گیا۔ اور داؤد کو کورٹ کے چرنوں میں بھاری جرمانہ ڈال کر اپنی گلوخلاصی کروانا پڑی۔

ابھی کچھ اور قیامتیں بھی باقی تھیں۔ اس ہلے گلے میں اس کو خیال تک نہ آیا

کہ اس کا والٹ غائب ہے۔ جس کے اندر تہہ بہ تہہ اس کے ویزا کارڈ۔ کریڈٹ کارڈ۔ لائبریری کارڈ' پے فون کارڈ' سوشل سیکوریٹی کارڈ۔ ٹوئنگ سروس کارڈ جیسے اہم دستاویزی خزانے قرینے کے ساتھ دھرے تھے۔ اندازہ ہوا کہ ایپ کاٹ سنٹر کی رونقوں کے درمیان اس کا والٹ (بٹوہ) کسی گرہ کٹ کی مہارت کی نذر ہو چکا۔ اس قدر نرمی کے ساتھ کھونچ لیا گیا تھا۔ کہ اس کے فرشتوں کو بھنک تک نہ پڑی۔ کیونکہ سیاحت کے دوران زاد راہ تمام تر ثارا کے کارڈوں سے نکل رہا تھا۔

"او یسوع"۔ ثارا بدحواس ہو کر حسب معمول شوہر نامدار پر برسنے لگی۔"بگ ماؤتھ! اپنا ہوش کہاں ہوتا ہے تم کو۔ کتنی مرتبہ سرزنش کی۔ کہ اپنا ڈیم والٹ کو جینز کی فرنٹ جیب میں رکھا کرو۔ مگر تم اس کو اپنے ایس پاکٹ' میں ٹھونسے ہیرو بنے پھرتے ہو۔ چکھ لیا نا مزہ اب تم نے اپنی اس سمارٹنیس کا"۔

بینکوں سے فوری رجوع کیا گیا۔ سرعت کے ساتھ ساتھ اقدامات ہوئے مگر تاخیر ہو چکی تھی۔ پتہ چلا۔ کہ گرہ کٹ نے ان چرائے گئے کارڈوں پر ڈھیروں شاپنگ کرنے کے بعد ایک رسہ گیر کے ہاں فروخت کر ڈالا ہے۔

دوسروں کے کریڈٹ کارڈز چوری کر کے خرید و فروخت کرنے والے ان اٹھائی گیروں کو کان یا سکام آرٹسٹ کہا جاتا ہے۔ وہ چوری شدہ کریڈٹ کارڈ کی ہو بہو کاپیاں تیار کر کے بعوض چار سو ڈالرز فروخت کرتے ہیں۔ داؤد کے بٹوے کے اندر سوشل سیکوریٹی کارڈ نے اچکوں کا کام سہل ترین بنا ڈالا۔

یہ سکام لوگ اس قدر پر فن ہوا کرتے ہیں۔ کہ ان کے ہاتھ بدقسمتی سے آپ کی چارج سلپ لگ جائے۔ یا بعض اوقات بھولے بھالے لوگوں سے بذریعہ فون ان کا کریڈٹ کارڈ نمبر حاصل کر لیتے ہیں۔ مثلاً" فون پر اطلاع دیتے ہیں کہ حضرت آپ ایسے خوش قسمت ہیں۔ کہ جس نے بہامہ یا میکسیکو یا ہیٹی یا جمیکا یا کروبین آئی لینڈز کی سیاحت کا دو طرفہ ٹکٹ جیت لیا ہے۔ اپنا آئی ڈی بتا دیں۔ تو فوراً" سے پیشتر بے شک اپنا کریڈٹ کارڈ نمبر جلدی سے فون پر ڈکٹیٹ کروا دیں ہم کو۔ تا کہ پہلی فرصت

میں آپ کا جیتا ہوا یہ ٹکٹ آپ کو روانہ کر دیا جائے۔ لوگ جیت کی ایکسائٹمنٹ کے تحت بلا سوچے سمجھے اپنا کریڈٹ نمبر اگل دیتے ہیں۔

ان جیسے گھن چکروں کے کارندے پبلک فون بوتھوں کے اردگرد اسی ٹوہ میں منڈلایا کرتے ہیں۔ کہ کوئی بے خبر راہی کسی شاپنگ سنٹر یا بزنس ادارے کو اپنا کریڈٹ کارڈ نمبر ڈیکٹ کرواتا پایا جائے۔ وہ جھٹ پٹ اس کو ازبر زبان کر کے آگے اپنے سکام باس کے گوش گزار کر دے۔ نئے رجحان کے مطابق سکام آرٹسٹوں کے کارندے چپ چپاتے آپ کا وڈیو بنا ڈالتے ہیں۔ تاکہ نمبر سننے میں وہ غلطی نہ کر بیٹھیں۔ اس ساری کارروائی کی آپ کو خبر تک ہو نہیں پاتی۔

اللہ بھلا کرے۔ داؤد کے بینک نے فیڈرل ٹریڈ کمیشن۔ بیٹر بزنس بیورو۔ نارتھ امریکن سیکیوریٹیز ایسوسی ایشن اور فراڈ کے خلاف الائنس وغیرہ وغیرہ کے ساتھ روابط جاری رکھے۔ اس وقت تک غریب داؤد تنولی دیوالیہ ہو چکا تھا۔

ابھی کچھ کسر باقی تھی۔ ہفتہ عشرہ کے بعد داؤد کو محکمہ انکم ٹیکس آئی آر ایس کی جانب سے وارننگ ملی۔ کہ اس نے اپنے پچھلے دو سالوں کے پوسٹل سیل بزنس۔ ٹیلی مارکٹنگ بزنس۔ وینڈنگ مشینوں کے علاوہ اپنے بینکوں کے کھاتے۔ سی ڈی سرٹیفکیٹ اور ویلیو۔ نفٹی کا انکم ٹیکس ری ٹرن سرے سے جمع نہیں کروایا۔ آگے اطلاع تھی کہ اس کے بینک کے حساب کتاب کی تفصیل تو یسوع بھلا کرے بینک نے آئی آر ایس کو بھجوا دی ہے۔ تاحال تفتیش کے مطابق ۴۷ ہزار ڈالرز کا ٹیکس فیڈرل اور سٹیٹ کے بجٹوں میں اس کے سر واجب الاداء ہے۔ (اس کے اپنے بینک کی مخبری کے مطابق) فلاں معیاد تک یکمشت ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں اس پر مقدمہ چلا کر جیل بھجوانے کا سندیسہ اسی ارجنٹ خط کے ہمراہ تھا۔

"جیل اور وہ بھی امریکی جیل" وہ لرزہ براندام رہ گیا۔ ان بے شمار فلموں کے عبرتناک مناظر تیزی سے اس کے ذہنی پردہ سکرین پر دھمانے لگے۔ جو امریکی جیلوں کے بارے حقیقت پر مبنی تھے۔ ہم جنس پرست پرانے پاپیوں (قیدیوں) کے ہاتھوں نئے

اناڑی۔ بے بس۔ نہتے قیدیوں کا ریپ اور بے حرمتی بلاکس و ناکس و مرتبت۔ دن کا چین حرام ۔ رات بھر نائٹ میئرز کے جتھے اس پر ہلہ بول دیتے۔ وہ چیختا دہاڑتا۔ پسینہ میں تر بتر۔ دانت کٹکٹاتا بستر میں اچھل پڑتا۔

ثارا نالاں ہو چلی تھی۔ اور پینترے بدل رہی تھی۔ وہ اوپر کی منزل کے کشادہ بیڈ روم میں شفٹ ہو گئی۔ تاکہ داؤد کے ان ہسٹریکل دوروں سے نجات حاصل ہو۔ اور گھڑی دو گھڑی چین کی نیند سو سکے۔

یہ ذاتی گھر کیسا عالی شان تھا۔ تین اطراف کشادہ سبزہ زار اور صحن چمن لینڈ سکیپ' پھول اور پھلواریاں۔ مکمل سیکورٹی کے رہائشی علاقہ میں واقع تھا۔ اس گھر کی خریداری کے سلسلہ میں ثارا نے اس کو بتایا تھا کہ لانگ آئی لینڈ میں کمرشل ایریاز اور مین روڈ پر تعمیر شدہ گھر سستے مل جاتے ہیں۔ وجہ شوروغل اور فضائی آلودگی ہے۔ جبکہ رہائشی علاقوں یعنی گلی محلوں کے گھروں کی قیمتیں کئی گنا بڑھ جاتی ہیں۔ خصوصاً جرائم سے پاک خالص گوروں کے علاقے۔ بہرحال ان کا یہ خوبصورت بنگلہ ہر ممکنہ سہولیات سے مزین تھا۔ مگر ان ناگفتہ بہ حالات میں جیسے کہتے ہیں ناکہ ہر عیش و آرام نتھنوں کے رستہ دھونی بن کر نکل جاتا ہے۔ بس یہی کیفیت ان میاں بیوی کی تھی۔۔

ماما رو بصحت ہو چلا تھا۔ کچھ مل جل کر ایک دوسرے کی ڈھارس بندھانے کی خاطر اور کچھ ثارا کے اصرار پر وہ ان کے ہاں اٹھ آیا (کرایہ پر) ماما کی آمد پر کٹھن سے کم از کم ثارا کے کچھ مسائل حل ہونے لگے۔ اتنے بڑے گھر کی دیکھ بھال۔ صفائی ستھرائی۔ جھاڑوں بہارو۔ بھانڈے ٹینڈے۔ داؤد اپنی موجودہ ناپائیدار ذہنی کیفیت کی بنا پر کس قابل رہ گیا تھا۔ ہر روز ڈنر بھی ماما کو تیار کرنا پڑتا۔ کیونکہ ثارا کے اعصاب کو اس قانونی تار و پود جھنجنا کر رکھ دیا تھا۔

انکم ٹیکس اٹارنی کو بھاری فیس کا نذرانہ دیا گیا۔ جب بھی کوئی بات بن نہ رہی تھی۔ آئی آر ایس جیسے سرکاری ادارے سے نجات اتنی سہل نہ تھی۔ دن اور ہفتے گزرتے گئے۔ معیاد کا ٹائم قریب تر ہوا جاتا تھا۔ داؤد پر ہر پل منوں ٹنوں بھاری تھا۔

ایک روز ثارا کا ایک دیرینہ دوست جو کہ سٹیٹس آئی لینڈ میں رئیل اسٹیٹ ایجنٹ تھا۔ داؤد کی مزاج پرسی کی خاطر ڈنر پر آیا۔ اس نے مشورہ دیا۔ کہ مکان کی نقد ڈاؤن پے منٹ کو دوبارہ بینک کے پاس گروی رکھ کر قرضے کے دم چھلے پر مزید قرضہ حاصل کیا جائے۔ سود کے اوپر سود در سود چڑھوا لیا جائے۔ تو مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ اس طریقہ کار پر بھی ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش شروع ہوئی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ سب بینک کی پالیسی کے خلاف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کارڈوں کی گمشدگی اور ان پر رقوم کی چوری کے سبب داؤد کی "بینک کریڈٹ لائن" کا پتہ کٹ چکا ہے۔ لہٰذا وہ یہ طریقہ کار کو کوالیفائے نہیں کرتا۔

اٹارنی نے آخری حل وضع کیا۔ کہ چیپٹر الیون (گیارھواں باب) ڈی کلیئر کر دیا جائے۔ یعنی اپنے تئیں آپ بینک دیوالیہ ہونے کا اعلان کر دو۔ تینوں پر ماتم کی سی کیفیت طاری ہوئی۔ مگر اٹارنی کے مفید مشورہ کو عملی جامہ پہنائے بغیر گزارہ نہ تھا۔ باقاعدہ کورٹ میں پیشیاں بھگتی گئیں۔ اور جج نے آخری فیصلہ یہ سنایا۔ کہ اس کا مکان جس کی ڈاؤن پے منٹ' بشکل نقد ادا ہو چکی ہے۔ (اگرچہ تیس سالہ مارگیج ادائیگیاں باقی ہیں) اس کی فلاں دن اور فلاں بجے یو ایس گورنمنٹ آکشن اینڈ سرپلس آئی آر ایس فار کلوژر سیل کے تحت نیلام عام کر کے اس رقم کے ذریعہ محکمہ انکم ٹیکس کے ہاتھ رنگے جائیں گے۔ اس سارے تصفیہ پر عمل درآمد سرعت کے ساتھ ہو گیا۔ مکان بمعہ ساز و سامان لمحوں میں نیلام ہوا لیجئے قصہ ختم۔

یہ جٹوں افتاں و خیزاں خالی ہاتھ مین ہیٹن کے پرانے اپارٹمنٹوں میں بطور کرایہ دار آن بسے۔ اس کو خوش قسمتی کہئے۔ کہ وہ اپارٹمنٹ تاحال کرایہ پر نہ اٹھے تھے۔

برے وقت کی اس دھینگا مشتی کے دوران ثارا اپنے پٹ گرومنگ سیلان کی جانب توجہ نہ دے پائی۔ وہ ان تمام دنوں اس کی ایمپلائی لڑکیوں کے رحم و کرم پر تھا۔

شامت اعمال ایک نو آموز پٹ ہیئرڈریسر نے گرومنگ کرتے ہوئے ایک ننھی سی پیڈگری ذات کی کتیا کی جلد کے اندر بال تراشنے والی باریک قینچی سے ہلکی سی نشتر

زنی کر دی۔ کچھ خون بہہ نکلا۔ ایک سی سی سے بھی کم۔ کتیا کی ان تھک چیں چیں پر مالکن غش کھا کر گر پڑی۔ سین بندھ گیا۔ ایمرجنسی سکواڈ طلب کیا گیا۔ جو کتیا اور اس کی مالکن کو سوار کر کے الگ الگ ہسپتالوں کی جانب روانہ ہوا۔

پہلے کتیا اور بعد میں اس کی مالکن کو ایمرجنسی سروس کے حوالہ کیا گیا۔ اس ناخوشگوار واقعہ کے چند روز بعد بدقسمتی سے کتیا رحلت فرما گئی۔ مالکان نے اس کی تجہیز و تکفین سے فراغت پاتے ہی ثارا کو نصف ملین ڈالر کی رقم پر "سو" کر دیا۔ یہ کہ اس کی لاپرواہی اور غیر حاضری کی بناء پر اس کی نو آموز ہیئر ڈریسر نے آلودہ قینچی کے ذریعہ ان کی چہیتی بچی (کتیا) کے خون کے اندر کوئی جان لیوا وائرس داخل کروا دیا تھا۔ اس طرح اس کی نہایت قیمتی جان کے ضائع ہونے کی تمام تر ذمہ داری ثارا کے پٹ گرومنگ سیلان پر عائد کی جاتی ہے۔ مزید برآں مرحومہ کتیا کی جدائی کے صدمہ نے اس کی سوگوار مالکہ کی ذہنی کیفیت نہ صرف بری طرح متاثر کیا ہے۔ بلکہ وہ ہارٹ اٹیک کی رسک میں جا چکی ہے۔ جس کا عینی گواہ اس کا ماہر قلب ڈاکٹر ہے۔

ثارا کا سیلان اور پٹ ڈیلی اسی روز سیل کر دیئے گئے۔ اور کتیا کے تن مردہ کو بعد احتیاط اس کے لحد سے نکال کر پوسٹ مارٹم کے لئے روانہ کیا گیا۔ ساتھ مقدمہ کی باقاعدہ پیشیاں اور کارروائیاں جاری رہیں۔ جن کو دیکھنے اور سننے کے لئے "پٹ پرور" لوگوں سے کورٹ روم پیک ہوتا۔ ان میں اکثر درد مند حضرات مقدمہ کی کارروائی کے درمیان ثارا کو دل ہی دل میں لعن طعن کرتے ٹھسک رہے ہوتے۔

شائید ماما کا لکھیا ختم اور دعائیں رنگ لائیں۔ کہ ۔ جیل۔ حوالات! ثارا اس متوقع تیرگئی بخت کا شکار ہونے سے صاف صاف بچ نکلی۔ ڈاکٹری رپورٹ اس کے حق میں فرشتہ رحمت ثابت ہوئی۔ البتہ پالتو جانوروں کو ہینڈل کرنے کا اس کا ہر قسم کا لائسنس ضبط۔ اس کا پٹ کیریئر اب ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکا تھا۔ اور بھاری جرمانہ الگ ان کے مصائب میں اضافہ کا باعث بنا۔

اس کے مزاج میں اب سرعت کے ساتھ تبدیلی آ رہی تھی جیسے وقت کے ظلم

و جبر نے قلیل عرصہ میں اس از جینک ہر دم مسرتوں کی متلاشی نارا کو اندر سے توڑ پھوڑ دیا ہو۔ اور جبکہ رہا سہا دیکھتے ہی دیکھتے ہاتھوں سے سرک گیا۔ انسان آخر انسان ہے۔ پیانہ صبر کبھی نہ کبھی چھلک پڑتا ہے۔

وہ منحوس ساعت بھی آن پہنچی۔ جب ایک سی ڈے کی سہانی صبح وہ اپنے کپڑے لتے ذاتی کلازٹ کے اندر سے ہا تھلت کھینچ کھینچ سوٹ کیس کے اندر ٹھونس رہی تھی۔ درازوں سے انڈر گارمنٹس ریکوں سے جوتے۔ سینڈل اور سنیکرز۔ باتھ روم سے ٹوئلٹری۔ آخر میں ننھی ننھی خوشنما باکسوں سے اپنی ڈھیروں فیشن جیولری۔ اصلی و نقلی انڈیلی۔ سوٹ کیس کو کھڑاک کے ساتھ بند کیا۔ اپنی تقدیر اور داؤد کے حق میں مغلظات بکتی جھینکتی حضرت وہ چلیں مین ڈور کی جانب۔ داؤد نیند سے ہڑ بڑا کر اچھلا۔ وہ شب خوابی میں ملبوس گلی کی آخری نکڑ تک دہائیاں دیتا۔ ایک ننھے بچے کی مانند بلبلاتا ننگے پاؤں بیوی کے تعاقب میں بھاگتا گیا۔ مگر وہ اللہ کی بندی کان لپیٹے ٹیکسی میں بیٹھ یہ جا وہ جا۔ نظروں سے اوجھل۔

جفا وجود تو ظالم سبھی گوارا ہیں
مگر یہ رسم جدائی ہے ناگوار مجھے

بعد میں ماما نے ترنم کے ساتھ گا کر داؤد کا غم بٹانے کی سعی لا حاصل کی۔

"ہائے ربا! میں تو لٹ گیا۔ برباد ہو گیا"۔ داؤد سر پکڑے سٹول پر ٹکا بیٹھا۔ دن کے تیسرے پہر تک چھاجوں رویا کیا۔

"ایک نہ ایک روز تو یہ ہونا تھا۔ بھانجے، میں نے تم سے کہا تھا نا کہ یہ گوریاں صرف چنگے ویلے اپنے بندے کا ساتھ دیتی ہیں کڑی پڑی۔ تے گوری اڑی۔ اب تو یقین آ رہا ہو گا؟"

"اب میں کیا کروں گا ماما؟" داؤد نے بین کرتے ہوئے پوچھا۔

"تم کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ طلاق نامہ۔ وہ خود ہی بھجوا دے گی بذریعہ رجسٹرڈ فیڈرل ایکسپریس۔ فکر کیوں کرتے ہو۔ تمہارے پاس اب بچا کیا ہے کہ یہاں

کے قانون کے مطابق تمہارا نصف اس کے کشکول میں جانے کا خدشہ ہو۔ بلکہ ہو گا یہ
کہ پسل کرنے پر بھر لے گی وہ بھی۔ تو مجھے فکر ہی نہ کر"۔
"یہ بات نہیں ماے!" داؤد رونا بسورنا بھول جھنجلا اٹھا۔ "میں پوچھ رہا ہوں۔
اب میرا کیریئر کیا ہو گا۔ کہاں سے کھاؤں کماؤں اور اپارٹمنٹ کا کرایہ ادا کروں گا؟"
"میری مان۔ اب بھی وقت ہے۔ ہاں۔ ایک کام کر۔ واپس پلٹ جا۔ اپنے
وطناں کو۔ اور وہاں جاکر کے ہٹی سنبھال لے اپنی۔ اسی ہٹی کے اندر تیری بادشاہی
ہے۔ باقی سب جھوٹ ہے اور بس"
"جہاز کا کرایہ کہاں سے لاؤں گا"۔
"سن ایک کلاس ون ترکیب سوجھی ہے۔ نکال ان سالوں کی جیب سے ایئر
ٹکٹ کا خرچہ۔ ارے یار۔ تم نے بھی تو اپنی کل اوقات جان جوکھم۔ خون پسینہ اگلی
پچھلی کمائی امریکہ کے جہنم میں پھوں پھڑک کر ڈالی۔ تیری جدی جائیداد۔ تیرے
بھولے بھالے جاں نثار بہن بھائی کی پونجی سمیت سب ہضم کر گیا یہ۔
امریکی بزنس کا جنون۔ اور تجھے جھنجھی کوڑی کر کے چھوڑا۔ بس۔ میری یہ
آخری مان تو ہو جا ڈی پورٹ دھڑلے کے ساتھ۔ کرایہ ڈال دے ان ہی سر"۔
"کیا کہہ رہے ؟ ہوش کے ناخن لو! ڈی پورٹ ہو جاؤں میں؟کیوں بھلا؟؟ کوئی
مجرم یا فقیر۔ فقرا ہوں۔ یا بے ٹھکانہ ہوم لیس ہوں؟ کبھی دوبارہ منہ لگ سکتا ہے
امریکہ کے ساتھ۔ ایک مرتبہ ڈی پورٹ ہو گیا۔ تب سب دروازے بند ہو جائیں
گے"۔
"ہاں۔ ہاں۔ میری سمجھ میں آگیا۔ تیرے منہ کو پرکشش امریکہ لگ چکا ہے"۔
"پھر میرے لئے کوئی جاب۔ کوئی چھوٹی موٹی نوکری تلاش کر دے۔ میرے
پیارے ماما۔ کچھ کمائی وائی کر کے واپس سدھا دوں گا"۔
"نا۔ نا۔ ماڑا! (پشتو معنی 'یارا) چھوٹی موٹی نوکری تو تم ملینئر کے حب کی نہ ہو
گی"۔

"مجھ بے ڈھکانا راہی کا مذاق اڑا رہے ہو"۔

"مذاق نہیں سچ مچ۔ ملینئر تو تم بن نہ سکے۔ گولڈ کارڈ حاصل کرتے کرتے رہ گئے۔ چلو میں ہی تم کو ملٹائی ملینئر بننے کا آسان ترین نسخہ بتاتا چلوں"۔

"جلدی۔ جلدی سے"۔ داؤد نے یکایک جست لگائی اور ماما کے برابر آ رکا۔ اس کے چہرہ پر امید کی ننھی منی کرن جھلملانے لگی۔

"اپنی رانی"۔

"کون۔ رانی؟ کون ہے یہ خاتون"۔

"خاتون نہیں ییلو کیب یہی اپنا گولڈ کارڈ ہے دونوں مل کر اپنی لاڈلی ییلو کیب چلائیں گے۔ سواریاں ڈھوئیں گے۔ ایک اکیلا اور دو گیارہ۔ ہمارا تمہارا ساتھ ہو گا۔ تو کسی حرام خور۔ خنزیر خور کی جرات نہ ہو گی حملہ آور ہونے کی اور پھر اپنی گاڑی اپنی کمائی۔ نہ فیڈرل۔ نہ کاؤنٹی۔ نہ سٹیٹ کی تڑی۔ نہ بینکوں کے سودی قرضے نہ ہی محکمہ انکم ٹیکس کے لمبے چوڑے لفڑے۔ نہ سو' کروینے والوں کی ہیکڑی اپنی کیب میں اپنا راج ہے۔ بولو کسی سالے ملٹائی ملینئر سے گھاٹے کا سودا ہے یہ؟"

"ہاں ماما! یہی تو صحیح طریقہ تھا"۔ داؤد نے ایک بچے کی مانند خوشی کی سسکاری بھری۔ "یہی تو آسان ذریعہ تھا۔ اپنے تئیں آپ ملٹائی ملینئر سمجھ بوجھ کرنے کا۔ ٹھیک ہے تمہاری یہ سوچ و فکر ہم امیر و کبیر ہیں۔ اگرچہ ہم خدشات' خوف و خطر سے عاری ہیں۔ آزاد ہیں۔ وگرنہ ہر فرد واحد یہاں اس دولتمند ملک کے اندر بے کل۔ بے چین' آپ سیٹ اور سقیم الحال و بدحال ہے مگر وہ ان دھونسیا اتھارٹیز اور ان کے بے لگام کرودھی قوانین کے ہاتھوں خستہ و نگوں بخت ہے"۔

"القصہ رئیسی وہ جو پلے ہیں نا؟" ماما نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"درست"۔ داؤد نے جواب دیا۔ "ایک ہتھیلی پر بیٹھی۔ دوا جھاڑیوں میں پھدکنے والیوں سے ہزار درجہ بہتر"۔

"کیا؟ یہ کیسا لطیفہ بولا تم نے"۔ ماما نے دروازہ کے پاس رک استفسار کیا۔

"یہ لطیفہ نہیں۔ مگر تمہاری عمر کے لوگ اس کو سمجھ نہ پائیں گے۔ ماما"۔

"میری تو خیر ہے۔ پر شکر ہے۔ کہ تم امریکہ کی ساری سن گن پا گئے۔ سب کچھ گنوا کے۔ مگر ہوش میں تو آ گئے نا؟" ماما نے دروازہ کے باہر قدم دھرتے ہوئے پلٹ کر پھبتی کسی۔

"ہائے!! ایوری باڈی"۔ ایک عورت نیم وامین ڈور سے اچانک پاؤں رپٹتی اندر کی جانب آن گری۔ ماما اس سے اندھا دھند ٹکراتا باہر جا پڑا۔ دونوں بیک وقت کپڑے جھاڑتے۔ دہلیز میں ایک دوسرے کے بالمقابل اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہائے ماما!" وہ اس کے بالمقابل کھڑی اب بتیسی دکھا رہی تھی۔ اور ماما کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ یہ۔ یہ تارا تھی۔ دور پڑا اپنا سوٹ کیس اور بکھرا میک اپ باکس اس نے سیدھا کیا اور لنگڑاتی داؤد کی جانب بڑھنے لگی۔ "آئی ایم ہوم) ہنی"۔

وہ بازو وا کئے گم سم داؤد کے قریب ایک جست میں جا پہنچی۔

"ہائے ہوڈی۔ ڈوڈی۔ ڈیوڈ"۔

جواباً" داؤد کبھی اسے اور کبھی ماما کو غیر انسانی مجوب بھینگی آنکھوں سے دیکھا کیا۔

"میرا ڈیڈ آج کل بستر مرگ پر ہے"۔ وہ جلدی جلدی اگلنے لگی۔ بغیر فرمائش اور ان کے ردعمل سے بے نیاز۔ "پتھر دل پاپا نے ایک پینی میرے یا میرے اکلوتے چھوٹے بھیا کے نام نہیں چھوڑی۔ جو بیچارہ پہلے ہی برسوں سے بے روزگار اور نشئی ہے۔ تمام اثاثہ اور جائیداد وہ ٹرسٹ کے نام کر کے دم دبائے بھاگ رہا ہے۔ اس جہان فانی سے وہ باسٹرڈ"۔

"پر تم اب یہاں کیا لینے آئی ہو۔ میرے مسکین بھانجے کو نوبت تک پہنچانے کے بعد"۔

"شٹ یوئر بگ ماؤتھ۔ دل۔ یو۔ پس آف۔ یو پگ۔ فیس۔ یو ماما۔ مائے فٹ"۔ اس نے کھردری ہتک آمیز نگاہیں ہکا بکا کھڑے ماما پر پھینکیں۔ پھر یک لخت

کھلکھلاتی داؤد کی جانب مڑی۔

"ہیپکن پائے! گڈ۔ نیوز۔ فار اس۔ ٹرسٹی نے رحم کھاتے ہوئے میری باپ کی چھوڑی رئیل اسٹیٹ بزنس پر مجھے ملازمت کی آفر کی ہے۔ ہم۔ تم اور میرا چہیتا چھوٹا بھائی تینوں مل جل یہ بزنس چمکائیں گے اب۔ وٹ ڈو یو سے"۔

"بزنس؟ کیسا بزنس؟ یہ بزنس جس کا تم ذکر خیر کر رہی ہو۔ تمہارا یا تمہارے باپ کی ملکیت نہیں رہ گیا۔ یہ اب قانوناً" ٹرسٹ کی ملکیت میں جا چکا ہو گا۔ اور تم اور تمہارا سُنی بھائی وہاں چاکری کرو گے خدا کے لئے اب تو بخشو میرے بھانجے کو۔" ماما نے آخر میں ہاتھ جوڑ لئے۔

"او ڈیئری! مائے ہنی ڈیو۔" ہاتھ بندھے افتاں و خیزاں کھڑے ماما کو نظر انداز کرتے ہوئے دونوں جیسے ایک دوسرے کی جانب بالکل مقناطیسی انداز میں ملتفت ہوئے۔

"او۔ یو کریزے۔ مائے بیب"۔ داؤد نے جواباً" والہانہ کہا۔

"رب راکھا"۔ ماما جانے کے لئے مڑا۔

"رب راکھا"۔ داؤد نے ثارا کے کندھے کے اوپر سے اچٹتی نگاہ ماما پر ڈالی۔

"اس رولر کوسٹر' سے اب تم کبھی نکل نہ پاؤ گے۔ کھاؤ بھنبھیریاں اب چوکھی۔ کمبل کو چھوڑنا بھی چاہو گے۔ تو کمبل تم کو نہیں چھوڑے گا"۔

"سولانگ"۔ ثارا نے غصیلی آواز سے ماما کے پیچھے الوداع پھینکی۔ وہ دھڑام سے دروازہ بند کرتا گیا۔

"او۔ یو۔ سلی۔ ممی۔ نمی۔ نو پی"۔ دونوں قہقہے لگاتے مسخریاں کرتے ایک دوسرے پر ہلکی پھلکی چیزیں پھینکنے لگے۔

○☆○

مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور۔ باہتمام عبدالسلام پرنٹر اور پبلشر

میں نے ڈاکٹر فرخندہ جالی کے تازہ سفر نامے کی کچھ جھلکیاں دیکھی ہیں۔ اس سے پہلے میں ان کی تحریر کا قائل تھا' اب باقاعدہ گھائل ہو گیا ہوں۔ یہ سفر نامہ کچھ عجیب سے ذائقے کا ہے۔ میں نے بھی سفر بہت کئے ہیں' سفر نامے بھی بہت لکھے ہیں سفرنامے پڑھے بھی بہت ہیں لیکن جس نئے پن کا احساس مجھے ڈاکٹر فرخندہ کے ہاں نظر آیا ہے۔ میرے حافظے میں اس کی مثالیں بہت کم کم ہیں۔ پر یہ احساسات صرف موضوع کے حوالے سے نہیں بلکہ ان کے اسلوب نے بھی مجھے متاثر کیا ہے ان کی شگفتہ نثر بعض مقامات پر موجود موضوع کے بوجھل پن کو ایک خوشگوار فضا میں تبدیل کر دیتی ہے۔ مجھے ڈاکٹر فرخندہ کے ہاں وہ رومانویت اور لفظوں کا سستا پن بھی نظر نہیں آیا جس کے نتیجے میں ہمارے ادب میں خواتین ادیبوں کے "برتن" الگ کر دیئے گئے ہیں۔ بقول غالب "بنتی نہیں ہے ساغر دنیا کہے بغیر" چنانچہ ڈاکٹر فرخندہ کی تحریر میں بھی "ساغرو مینا" کا سہارا موجود ہے لیکن یہ مقصود بالذات نہیں بلکہ بات کو آگے بڑھانے اور اس کی دلکشی میں اضافہ کرنے کے لئے ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ان کا یہ سفرنامہ جو سفرنامہ سے کہیں آگے کی چیز ہے ادب کے قارئین میں بے حد مقبول ہوگا اور اس کے مطالعہ سے حضرات اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ وہی صنف' صنف ادب کا درجہ اختیار کرتی ہے جسے ادیب اپنے تخلیقی رویوں سے ادب بناتا ہے وہ فکشن اور شاعری بھی غیر ادب ہو سکتی ہے جسے تخلیقی دم دیئے بغیر چولہے سے اتار لیا گیا ہو اور دھوبی کا حساب بھی ادب میں شامل ہو سکتا ہے اگر لکھنے والا اسے تخلیق کا درجہ دینے پر قادر ہے۔ سفرنامہ اب اردو ادب کی ایک باقاعدہ صنف ہے لیکن ڈاکٹر فرخندہ جالی نے اپنے تازہ سفرنامے میں اسے مزید معتبر بنا دیا ہے:

عطاء الحق قاسمی

فیروزسنز پرائیویٹ لمیٹڈ
لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

969 0 01287 8

Rs. 250.00